بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ان ذکر الصالحین تنزل الرحمۃ

الٰہی تا بود خورشید و ماہی
چراغ چشتیاں را روشنائی

سلطان التارکین

(سوانح)

حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین سعیدی فاروقی ناگوریؒ

مرتبہ

احسان الحق فاروقی (ایم اے)

ناشر

دائرہ معین المعارف

حق نشان۔ ۳۰ نیو کراچی ہاؤسنگ سوسائٹی۔ کراچی ۵

سن طباعت ۱۹۶۳ء

تعداد طبع بار اول ۵۰۰

قیمت ۵؍

مطبوعہ مشہور آفسٹ پرنٹنگ پریس کراچی

اِنتساب

بتوسط حضرت صوفی سلطان التارکین حمید الدین فاروقی ناگوری رح میں اپنی اس پیشکش کو اپنے فرزند دلبند عماد الحق مرحوم کے نام سے منسوب کرتا ہوں جس نے عین عنفوانِ شباب میں جان جان آفریں کو سپرد کی اور جس کی تاریخ وفات حسرت آیات یہ ہے۔

قطعہ

رخت بربست چوں شباب آمد
از غم او شدند دل ہا شق
گفت تاریخ رحلتش سالک
یافت قصرِ ارم عماد الحق

۱۳۷۷ھ

(شوکت)

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
انتساب	۳
تعارف	۷
نذر عقیدت	۱۳
مقدمہ	۱۷
باب ۱:-	
ناگور کی تاریخی اہمیت	۴۱
ناگور کی وجہ تسمیہ	۴۲
دور پرتھوی راج	۴۵
دور غزنوی	۴۸
پہلی اسلامی ٹکسال	۵۰
دور ناصر الدین	۵۲
عماد الدین ریحانی کی عہدۂ قضاۃ سے برطرفی	۵۴
ناگور بحیثیت مرکز تبلیغ	۵۶
محمد تغلق کی ناگور سے وابستگی اور تعمیر روضہ حضرت سلطان التارکین	۶۰
شمس الدین دندانی کی صوبہ سوالک (ناگور) پر حکومت	۶۴
گجرات کا پہلا مسلمان حکمراں	۶۹
قطب الدین سلطان گجرات اور رانا کمبا کی جنگ	۷۰
دور شیر شاہی	۷۵
ناگور میں اکبر اعظم کی آمد	۷۷
ناگور بحیثیت سرچشمۂ علم و فضل	۷۸
ناگور کی قدیم یادگاریں	۸۱
باب ۲	
سوانح حضرت سلطان التارکین	

عنوان	صفحہ
تعارف	
ولادت	۸۸
پیشین گوئی	۸۹
والدہ محترمہ	"
حسب نسب	۹۰
زوجہ محترمہ	۹۲
شجرۂ بیعت	۹۵
وجہ تسمیہ چشتی	۹۶
سیرت و اخلاق	۹۸
روزہ	۹۹
نماز	۱۰۱
عبادت و ریاضت	"
حج بیت اللہ	۱۰۶
مجاہدۂ نفس	۱۰۷
سلوک	۱۱۸
کشف و کرامات	۱۲۵
وفات شریف	۱۲۸

عنوان	صفحہ
قرابتیں اور رشتہ داریاں	۱۳۲
باب ۳ تبحر علمی	۱۳۹
رسالہ سوال و جواب	۱۴۳
رسالۃ العشق	۱۶۲
رسالۃ السلوک	۱۶۹
رسالۃ السماع	۲۶۱
دیوان حمید	۲۸۱
رسالہ چہار منزل	۲۸۴
اقوال زریں	۲۹۸
مقام تبلیغ	۳۰۱
اولاد و خلفا	۳۰۸
باب ۴	
شیخ فرید الدین چاک پراں رح	۳۱۳
توجیہ چاک پراں	
مکتوب بنام بادشاہ محمد تغلق	۳۱۵
صاحبزادہ فتح اللہ کی شادی	۳۱۶
راستی بیگم بنت بادشاہ محمد تغلق	

فرمودات شیخ فرید الدین	٣٢٨	شیخ احمد شیبانی رح	٣٧٦
چاک پراں		خواجہ خانو رح	٣٨٧
باب ۵ تعلیمات		خواجہ حسین ناگوری رح	٣٨٨
حضرت مولانا ضیاء الدین نخشبی	٣٤١	شیخ معز الدین رح	٣٩٧
امراد سلاطین سے بے تعلقی	٣٤٣	باب ۷	
عسرت وتنگی کی زندگی	"	فتحپور کی تاریخی اہمیت	٤٠٠
عبادت وریاضت	"	خواجہ حاجی نجم الدین پروانہ فتحپوری	٤١٨
پروفیسر خلیق احمد صاحب کی غلط فہمی	٣٤٤	شجرہ نسب	٤١٩
تبحر علمی	٣٤٦	ولادت۔ تعلیم	٤٢٠
انتقال	٣٥٢	بیعت	٤٢١
باب ٦		ذوق وجد وسماع	٤٢٥
سعیدی بزرگ رح	٣٥٤	تصانیف	٤٢٨
شیخ عزیز الدین رح	"	اولاد	
شیخ کبیر الدین رح	٣٥٥	خلفا	
شیخ غلام امام عرف شیخ مانو رح	٣٦٠	حکیم محمد حسن صاحب امروہوی	٤٣١
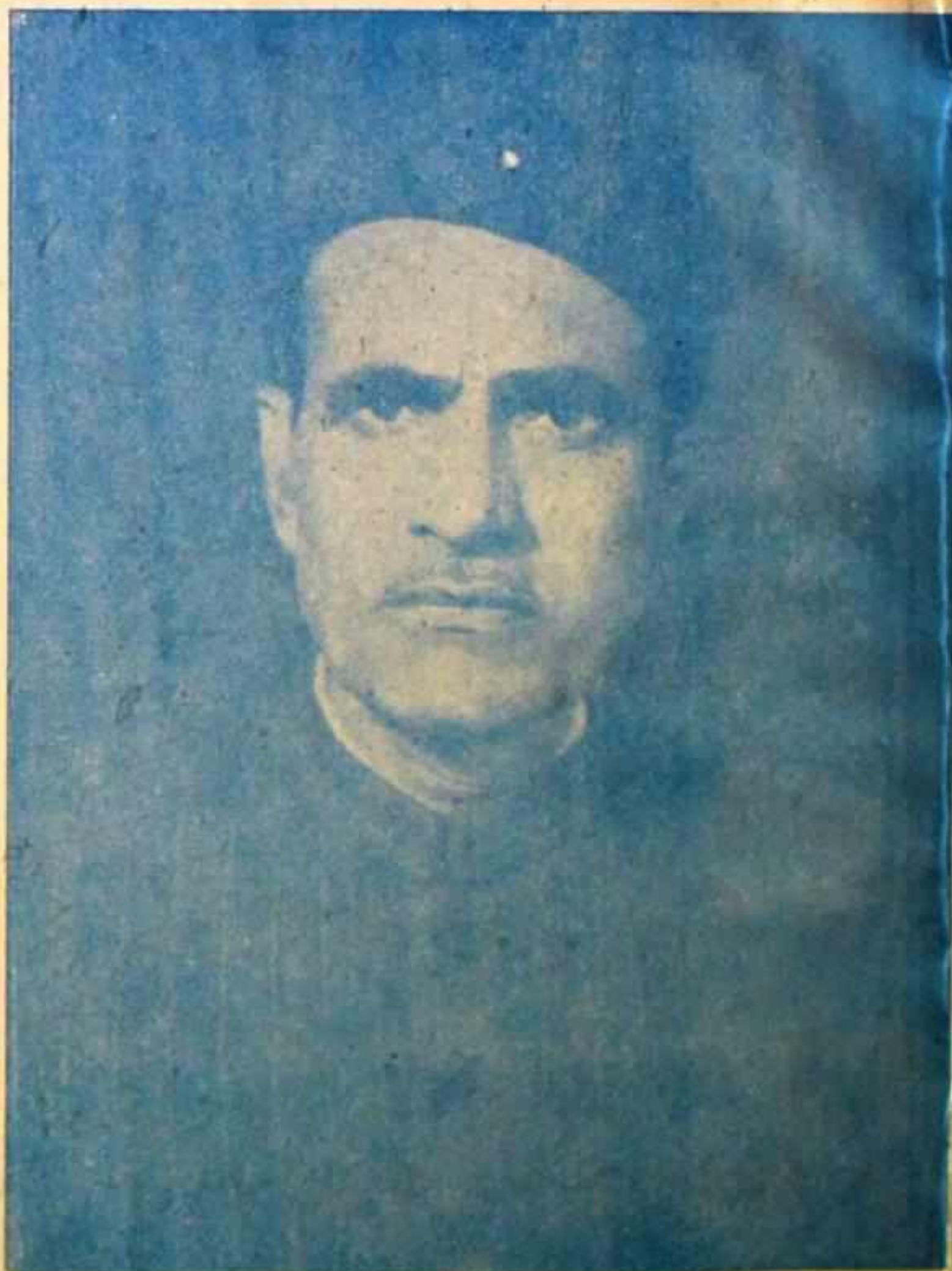
پیر زادہ احسان الحق فاروقی احسان

تعارف

جناب احسان الحق فاروقی ایم اے (منشی فاضل) سے میں عرصہ دراز سے متعارف ہوں۔ آپ ایک دلکش شخصیت، پر وقار انداز گفتگو، مرنجان مرنج طبیعت اور قدیم اسلامی وضعداری کے حامل ہیں۔ ظاہری کشش و جاذبیت کے علاوہ آپ مہارت شعر و سخن، وسیع اخلاق اور اردو زبان سے والہانہ شغف بھی رکھتے ہیں۔ بہ اعتبار شرافتِ نسب آپ فاروقی النسل ہیں اور ہندوستان کے مشہور و معروف فقیہہ سلطان التارکین حضرت صوفی حمید الدین ناگوری رح کی اولاد میں ہیں۔

شجرہ نسب

محمد احسان الحق بن محمد سلیمان احمد بن مولوی محمد رمضان بن حاجی محمد نجم الدین بن شیخ احمد بخش بن شیخ فیض الدین بن شیخ محمد سلطان بن شیخ محمد سعد بن شیخ محمد سعید بن شیخ قطب الدین بن شیخ کمال الدین بن شیخ عبد القادر بن شیخ عبد الفتح بن شیخ معروف بن شیخ المشائخ خواجہ مخدوم حسین ناگوری بن شیخ خالد بن شیخ نظام بن شیخ محمد بن شیخ وحید الدین بن شیخ عبد العزیز بن شمس العارفین سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری رح بن شیخ احمد بن شیخ ابراہیم بن شیخ محمد بن شیخ سعیدی بن شیخ محمود بن شیخ عبد اللہ بن شیخ عمر بن شیخ نصیر بن شیخ ابراہیم بن شیخ عبد الرحمٰن بن شیخ یوسف بن شیخ علی بن شیخ حسین بن شیخ سعید بن حضرت عمر بن خطاب رض

آپ کی پیدائش ۱۹۱۵ء میں بھارت کی مشہور ریاست جے پور کے شہر جھنجھنوں میں ہوئی یہ مقام مدتوں قائم خانی نوابوں کا دارالحکومت رہنے کی وجہ سے اسلامی معاشرت و تہذیب کا مرکز اور عالی مرتبت صوفیا و صاحبِ باطن بزرگوں کا مرکز رہا ہے آج بھی یہاں انکے مزارات و خانقاہیں مرجع خلائق ہیں فاروقی صاحب کمسنی ہی میں سایۂ پدری سے محروم ہوگئے اس لئے ان کی ابتدائی تعلیم ان کے جدامجد مولوی مفتی محمد رمضان صاحب کے زیر نگرانی ہوئی جو اپنے عہد کے جید عالم اور صاحب تصنیف تھے لیکن وہ بھی آپ کو ۹ سال کا چھوڑ کر داغِ مفارقت دے گئے۔ اس کے بعد آپ اپنے تایا حضرت فخرالدین کے پاس جے پور تشریف لے آئے اور وہیں رہ کر آپ نے انگریزی اور اردو کی تعلیم حاصل کی اور ریاست کے محکمۂ زراعت میں بحیثیت سپرنٹنڈنٹ دفتر ملازمت اختیار کرلی تعلیم کا شوق برابر جاری رہا اردو فارسی کی اعلیٰ قابلیت کے امتحانات کی اسناد آپ نے دوران ملازمت ہی میں حاصل کیں۔

تعلیم یافتہ نوجوانوں میں ادبی و شعری ذوق اور اردو سے انس پیدا کرنے میں جن لوگوں نے کام کیا ان میں جناب فاروقی صاحب ہمیشہ نمایاں رہے یومِ نظیر۔ یوم اقبال اور لٹریری کارپوریشن کے قیام میں آپ نے بڑا حصہ لیا۔ دفتری اوقات کے علاوہ آپ کے یہی علمی و ادبی مشاغل رہتے تھے تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔

۱۹۴۷ء میں آپ پاکستان منتقل ہو گئے ۱۹۵۰ء میں آپ محکمہ ترقیات بلدیہ کراچی (K.D.A) سے وابستہ ہو گئے اور اب بھی ہیں لیکن ملازمت کی مصروفیتوں کے باوجود ادبی مشاغل، اہلِ قلم سے استفادہ، کتب بینی، علمی و ادبی تحقیقات شعر و سخن کی صحبتوں میں شرکت برابر جاری ہے۔ گھر پر بھی ارباب ادب کی مجالس گرم رہتی ہیں۔ شاعری میں آپ کو اپنے وقت کے استادِ فن مولانا منظور احمد کوثر مرحوم کاکوروی سے شرف تلمذ ہے آپ بہت اچھے شاعر ہیں۔ زبان کی پاکیزگی، اندازِ بیان کی سادگی، دلی سوز و گداز، حقائق و معارف کی توجیہ تغزل کا التزام اور تصوف کی چاشنی آپ کے کلام کی خصوصیات ہیں جو قاری یا سامع کو فوری ان کی طرف کھینچ لیتی ہیں۔ پاکستان میں آپ کو اپنے جوان العمر صاحبزادہ عماد الحق کی دائمی مفارقت کا صدمہ برداشت کرنا پڑا جس سے آپ کے کلام میں اثر و درد کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو

آپ آتے ہیں کہ آتی ہے اجل — وعدہ اب کس کا ہے محکم دیکھئے
زندگی کو عیش سے کیا واسطہ — زندگی ہے مستقل غم دیکھئے

مٹائے سے کہیں اہلِ وفا کا نام مٹتا ہے — یہ جتنے مٹتے جاتے ہیں نمایاں ہوتے جاتے ہیں
جنوں کی منزلیں آساں نہیں ہوتی ہیں دیوانو — خدا حافظ ہے دامن کا خدا حافظ گریباں کا
بہائینگے جہاں آنسو وہیں کچھ گل کھلائینگے — ہماری چشم گریاں میں ہے سرمایہ گلستاں کا

بڑا احسان ہے مجھ پر یہ میرے سوزِ پنہاں کا — وہی عالم ہے اب دل کا جو ہے شمع فروزاں کا
آگاہ ہو گئے ہیں فریب بہار سے — اب پھول بھی نگاہ میں اپنی ہیں خار سے

نکلے نہ دام گردشِ لیل و نہار سے
دو دن بھی زندگی میں نہ گزرے قرار سے

جلووں سے کھیلتی ہے مسلسل نگاہِ شوق
دیوانگی خرید لی اک ہوشیار سے

تردامنی ہماری بتاتی ہے یہ ہمیں
نزدیک تر ہیں رحمتِ پروردگار سے

آگاہ ہو گئے ہیں چمن کے نظام سے
دامن بچا رہے ہیں بہار و خزاں سے ہم

کچھ ان کا تذکرہ ہے تو کچھ اپنی داستاں
حیران ہیں فسانہ سنائیں کہاں سے ہم

کھٹکیگا ایک عمر نگاہوں میں آشیاں
کانٹے اٹھا تو لائے ہیں کچھ گلستاں سے ہم

احسان یہ اپنا ایماں ہے جو ہونا ہے ہو جاتا ہے
تقدیر کے رخ کو پھیر سکے تدبیر کے بس کا کام نہیں

ہم شادی و غم سے بیگانہ بیٹھے ہیں تمہاری محفل میں
جیسے کہ ہماری صبح نہیں جیسے کہ ہماری شام نہیں

سرخروئی کا رہِ عشق میں ساماں نہ ہوا
چشمِ خونبار سے رنگیں مرا داماں نہ ہوا

آپ کی یاد کو اللہ سلامت رکھے
اور تو کوئی شریکِ غمِ ہجراں نہ ہوا

کب نہ چمکے مرے آنسو سرِ مژگاں آکر
کونسی شام ترے غم میں چراغاں نہ ہوا۔

سوزِ پنہاں بھی دیا دیدۂ گریاں بھی دیا
کونسا ان کا مرے حال پہ احساں نہ ہوا

موقوف دیر پر ہے نہ کعبہ پہ ان کی دید
زاہد تری نگاہ حقیقت نگر نہیں

تیرا خیال تیری طلب تیری جستجو
وہ کون ہے جو میرا شریکِ سفر نہیں

تمہاری یاد تمہارے فراق کے آنسو
یہ نعمتیں تو ہیں مختص کسی کسی کے لئے

ہر ایک سنگ ترا سنگِ آستاں تو نہیں
جہاں جبیں کو جھکاؤں میں بندگی کے لئے

الجھ رہی ہے تری کائنات سے پیہم
ہزار مرحلے ہیں ایک آگہی کے لئے

ہیں اس طرح تری محفل میں اجنبی جیسے — تری نگاہ سے واقف نہیں ابھی جیسے

ترے بغیر یہ عالم ہے شامِ غمِ دل کا — کسی چراغ کی مدھم ہو روشنی جیسے

کرم ہے ان کا مرے حال پر بہت احساںؔ — گزارتا ہوں گزرتی ہے زندگی جیسے

جینے کی تمنا کیا مجبورِ محبت کو — مرنا بھی حقیقت میں مشکل نظر آتا ہے

اللہ رے مجبوری اربابِ محبت کی — جو ذرہ تڑپتا ہے وہ دل نظر آتا ہے

احساں وہ اس دل کو دیتے ہیں غمِ الفت — جو دل غمِ الفت کے قابل نظر آتا ہے

پھر عزمِ طوفِ کوچۂ جاناں ہے اور ہم — پھر اعتبارِ گردشِ دوراں ہے اور ہم

اک اک نفس اسیرِ غمِ روزگار ہے — اک اک قدم پہ حشر کا ساماں ہے اور ہم

آنکھوں میں بس گیا ہے کسی کا رخِ جمیل — پھر دل نظارۂ مہِ تاباں ہے اور ہم

تمہارے غم سے کچھ وابستگی ہے — ہمیں حاصل نشاطِ زندگی ہے

نہ جانے کیا ہو انجامِ نظارہ — نظر جلووں سے پیہم کھیلتی ہے

کبھی دیکھا تھا تم نے مسکرا کر — مری دنیا میں اب تک روشنی ہے

بڑا احسان ہے احساںؔ ان کا — ہے دل میں درد آنکھوں میں نمی ہے

گرتی رہی ہے برق دلِ بیقرار پر — آتے رہے ہیں یاد مناظر بہار کے

داغوں سے دل ہے رشکِ گلستاں بنا ہوا — ممنون ہم بھی ہیں کرمِ روزگار کے

کس لئے اپنا لیا تنکوں نے بڑھ کر برق کو — ہم نے کیا شعلے چنے تھے آشیانے کے لئے

لوگ دہرائیں گے برسوں مری رودادِ الم — نقش ایسے چھوڑ جاؤں گا زمانے کے لئے

گل دریدہ جیب ہے شبنم نما بردوش ہے — غمکدہ سارا چمن ہے کس کا ماتم کیجئے

کچھ نہ کچھ ہو جائے گا بر تلخیٔ غم کا علاج — زندگی کو آشنائے لذتِ غم کیجئے

زندگی پھر حاصلِ ہر دو جہاں ہو جائیگی
دل کو اپنے بے نیازِ ہر دو عالم کیجئے

فاروقی صاحب نے حضرت صوفی سلطان التارکین رح کی سوانح، ایمان افروز اقوال وملفوظات مرتب کرکے بلاشبہ سرمایۂ تصوف میں اضافہ کیا ہے اس کے مطالعہ سے دنیا سے بے رغبتی، توکل علی اللہ، اکل حلال، صدق مقال اور خشیتِ الٰہی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس مادیت اور بے راہ روی کے دور میں اس قسم کی کتب کی بیحد ضرورت ہے۔ رب ذوالمنن فاروقی صاحب کے اس نذرانۂ عقیدت کو حسنِ قبول عطا فرمائے۔ فقط

ہیچمداں

سید اختر زیدی ایم اے (تاریخ)
ایم۔ اے (قوانین بین الاقوامی)
ایم۔ اے (اردو)

نذرِ عقیدت

منقبت

دل مبتلائے حضرتِ سلطانِ تارکیں
جاں ہے فدائے حضرتِ سلطانِ تارکیں

ہے آشنائے حسن دو عالم بیک نظر
محوِ لقائے حضرتِ سلطانِ تارکیں

دل آشنائے حق ہے نظر آشنائے خلد
یہ ہے عطائے حضرتِ سلطانِ تارکیں

اعلیٰ کہیں ہے شاہ سے شان و وقار میں
ادنیٰ گدائے حضرتِ سلطانِ تارکیں

سب خواجگانِ چشت نے خواجہ معین کے بعد
کی اقتدائے حضرتِ سلطانِ تارکیں

میری تلاش میری خوشی میری زندگی
سب کچھ برائے حضرتِ سلطانِ تارکیں

ہوتے ہیں ندر سے آپ کے ہر وقت فیضیاب
اپنے پرائے حضرتِ سلطانِ تارکیں

میرا مقام دیدۂ عظمت شناس ہے
ہوں خاکِ پائے حضرتِ سلطانِ تارکیں

احسانؔ خوش نصیب ہے جسکو ملی جگہ
زیرِ لوائے حضرتِ سلطانِ تارکیں

منقبت

جاں ہے رہینِ الفتِ سلطانِ تارکیں
دل ہے فدائے حضرتِ سلطانِ تارکیں

ہر نقشِ پا ہے شمعِ ہدایت بنا ہوا
مشہور ہے ولایتِ سلطانِ تارکیں

دنیا میں رہ کے دور ہیں دنیا سے کس قدر
سب کہہ رہے ہیں حضرتِ سلطانِ تارکیں

دل مطمئن۔ دماغ مجلّٰی۔ نظر حسیں
سب کچھ ملا بدولتِ سلطانِ تارکیں

اب ہر قدم ہے جادۂ خلدِ بریں شناس
کام آ گئی ہدایتِ سلطانِ تارکیں

حاصل ہے ان کو قربتِ سردارِ انبیا
کتنی حسیں ہے نسبت سلطانِ تارکیں

آنکھیں بھی اشکبار ہیں دل میں بھی درد ہے
احساں یہ ہے عنایتِ سلطانِ تارکیں

منقبت

معین الدین کے دلبر حمید الدین صوفی ہیں

مرے آقا مرے سرور حمید الدین صوفی ہیں

طریقِ زہد کے رہبر حمید الدین صوفی ہیں

جمال اللہ کے مظہر حمید الدین صوفی ہیں

گلِ امید سے بھرتے ہیں دامن اہلِ دنیا کا

بڑے داتا کرم گستر حمید الدین صوفی ہیں

سبق ملتا ہے انکی زندگی سے راہِ عرفاں کا

بڑے ہادی بڑے رہبر حمید الدین صوفی ہیں

بڑا احسان ہے احسان انکی یاد ہے دل میں

بہت ہی مہرباں مجھ پر حمید الدین صوفی ہیں

پیش منظر بلند دروازہ

درگاہ حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوریؒ

مدینہ کی فضائیں ہیں مدینہ کی ہوائیں ہیں   جہاں برکف ہے کاشانہ حمید الدین صوفی کا

(احسان)

مقدمہ

تصوّف

تصوف جیسے بسیط مضمون پر قلم اٹھانا کوئی آسان کام نہیں۔ اگر صدہا کتابیں بھی لکھی جائیں تو بھی اس کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے اس مضمون میں صرف ان قبیح اتہامات کے جواب دینے کی کوشش کی ہے جو تصوف پر لگائے جاتے ہیں

بعض مغربی فلاسفروں کی رائے ہے کہ اسلامی تصوف افلاطونی فلسفۂ الٰہیات سے مستعار ہے کیونکہ دونوں کا اصل الاصول "وحدت الوجود" ہے یعنی "وجود واحد" ہے۔ بالفاظ دیگر مخلوقات کا وجود عین وجود خالق ہے اور حقیقت کے اعتبار سے خالق اور مخلوق میں کوئی فرق نہیں۔

بقول ان کے جس طرح افلاطونی مذہب موجودات میں صرف ایک ہستی کو کارفرما مانتا ہے اسی طرح صوفیا کا نظریۂ وحدت الوجود ہے نیز تصوف کی اصطلاحات ۱۔ معانی ازلیہ ۲۔ حقیقت ۳۔ حقیقت الحقائق ۴۔ کلمہ۔ ۵ علت و معلول ۶۔ فیض ۷۔ وحدت و کثرت ۸۔ عقل اول ۹۔ عقل کل وغیرہ خالص فلسفیانہ ہیں ان سے وہ معنی اور مفہوم مراد نہیں ہے جو ظاہر الفاظ سے سمجھ میں آتے ہیں بلکہ وہ ہیں جو ایک خاص مقصد کے ماتحت اختراع کئے گئے ہیں اور یہ تمام اصطلاحیں افلاطون۔ ارسطو۔ رواقیہ۔ افلاطونیہ

جدیدہ سے لی گئی ہیں۔

اگرچہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلامی تصوف کے آخری دور پر یونانی فلسفہ کا عام طور پر اور افلاطونی فلسفہ کا خاص طور پر بہت بڑا اور گہرا اثر پڑا لیکن ہم اسے ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے کہ صدر اول کا اسلامی تصوف کسی دور میں بھی یونانی فلسفہ سے متاثر تھا تصوف نے جب تک باقاعدہ علمی صورت اختیار نہیں کی تھی وہ بالکل خالص تھا اس پر کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے علاوہ کسی کا کوئی اثر نہیں تھا صدر اول کے بعد کے تصوف پر اگر یونانی فلسفہ یا کسی اور مکتب خیال کا کچھ اثر پڑا تو وہ دلیل اور حجت کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔

صدر اول کے لوگ یونان کے فلسفہ سے بالکل نا آشنا تھے اور انھیں اس کی ضرورت بھی نہیں تھی وہ ایک سادہ اور بالکل فطری دین کے مبلغ اور داعی تھے اور ان کا تصوف بھی ان کے دین کی طرح سادہ اور فطری تھا وہ نہ اصطلاحات فلسفہ کی گراں باریوں کا متحمل تھا نہ اسے ان سہاروں کی ضرورت تھی۔!

متاخرین صوفیا مثلاً محی الدین عربی وغیرہ کے ہاں اگرچہ فلسفیانہ اصطلاحیں ملتی ہیں لیکن ان کی دعوت کی بنیاد بھی خالص اسلام ہی ہے وہی اسلام جسے محمد رسول اللہ صلعم نے بتایا اور اپنے عمل سے ثابت کیا۔ نیز صوفیا کے نظریہ وحدت الوجود کی تائید قرآنی آیت سبحان من خلق الاشیاء وھو عینھا سے ہوتی ہے۔

مانی کے متعلق الیعقوبی نے لکھا ہے کہ مانی عماد کا لڑکا تھا جب ملے شاپور کو اپنے نئے مذہب کی طرف دعوت دی جس میں دو خداؤں کا تخیل تھا اور اس کو اپنے قدیم مذہب زرتشتی سے منحرف کرنا چاہا۔ شاپور اس کی طرف مائل ہوگیا۔ الیعقوبی نے مانی کو زندیق بھی لکھا ہے۔ پروفیسر براؤن کی رائے میں "زندیق" لفظ صدیق سے منتقل ہو کر بن گیا ہے۔ مگر یہ غلط ہے حقیقت میں زندیق "ژندیک" کا معرب ہے۔ "ژ" "ز" سے اور ک "ق" سے بدل دیا گیا ہے۔ "ژندیک" "ژندی" کی تحقیر ہے اور "ژندی" زرتشتی کتب مجیدہ "ژند" و "پاژند" کی طرف منسوب ہے۔ ایزد اور اہرمن دو خداؤں کا تخیل بھی زرتشتی تخیل ہے جو تخیل توحید کے بالکل خلاف ہے اس لئے یہ کہنا کہ اسلامی تصوف کو مانی یا افلاطونی فلسفہ سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے قطعاً بے بنیاد ہے۔

بعض مستشرقین کا خیال ہے کہ اسلامی فلسفہ کا تعلق نصرانی مکتبہ خیال سے ہے یہ بھی غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ نویں صدی عیسوی تک فلسفہ کے اصول سے نصرانی گرجا نابلد تھے۔ خود پروفیسر براؤن کہتے ہیں کہ مغربی علاقہ میں تصوف، مسلم بن محمد ابوالقاسم مغربی اندلس کے ذریعہ سنہ ۱۰۰۰ء یا سنہ ۱۰۰۷ء میں پہنچا اور ابن رشد نے اس کے بعد اس کو زیادہ روشن کیا

Encyclopadia Britanica میں درج ہے کہ سنہ ۱۰۹۶ء اور سنہ ۱۱۴۱ء کے درمیان سینٹ برنارڈ (St. Burnard) نے جو Hugh of Victor کا ہمعصر تھا فلسفہ تصوف کو پھیلایا اور خانقاہ جو پیرس کے نزدیک St. Victor میں قائم تھی بارہویں

صدی عیسوی میں تصوف کا مرکز بن گئی جس نے مادیت کی طرف مائل ہونیوالے پادریوں کو حقیقت اور روحانیت کی طرف مائل کر دیا۔ لوگ زمینداری کی طرف مائل ہو گئے اور سادہ زندگی کے دلدادہ بن گئے چنانچہ Nether Land میں بقائن (Beqain) اور اطالیہ میں Betigerd تبصرد اور جنوبی فرانس میں Waldanes فلسفۂ تصوف کے حامی پیدا ہو گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب مسلمانوں کا اقتدار جنوبی فرانس تک پھیلا ہوا تھا اور اسپین علوم و فنون کا مرکز بنا ہوا تھا۔ پروفیسر براؤن بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ مسلمانوں ہی نے یورپ کو قیمتی دماغی سرمایہ سے بہرہ اندوز کیا۔

سب سے پہلے سینٹ ایڈورڈ برنارڈ St. Edward Berard نے ایک کتاب Private Devotion. لکھی یہ الحمرا یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ تھے اور عربی زبان اچھی طرح جانتے تھے یہاں تک کہ انگلستان کی کسی یونیورسٹی میں عربی زبان کے پروفیسر بھی رہ چکے تھے کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ ان کے معلومات کا سرچشمہ اسلامی ہی درسگاہ تھا۔

پروفیسر گولڈزیہر (Goldziher) حضرت ابراہیم بن ادہم کے ترک سلطنت اور صحرانوردی کو گوتم بدھ کی تقلید بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی تسبیح بھی گوتم بدھ کی مالا کی نقل ہے لیکن یہ نہ بتا سکے کہ آخر گوتم بدھ کی تقلید کا ذریعہ کون سا وجود میں آیا۔ نکلسن (Nicholson) نے یہ

رائے ظاہر کی ہے کہ حضرت بایزید بسطامی رح کو ان کے پیر ابوعلی سندھی کے
ذریعہ سے "بدھ کا فلسفہ نروان" (Nirvanism) اور خود فراموشی، بے خودی
یا فنا فی اللہ پہنچا یہ محض اتہام ہے۔ قابلِ غور امر یہ ہے کہ گوتم بدھ نے خدا
کے وجود کے متعلق کیا عقیدہ ظاہر کیا ہے۔ بدھ کی تعلیم نیستی میں فنا ہو جانا
اسلام کے فنا فی اللہ ہو جانے یا افلاطونی فلسفۂ وحدت الوجود یا ویدانت
کے ایک وحدت میں ضم ہو جانے کے بالکل خلاف ہے کیونکہ یہاں تو بجائے
نیستی میں فنا ہو جانے کے بعد فنا فی اللہ ہو جانا ہے اور وہ بھی وہ ہستی جو نیستی سے قطعاً پاک ہے
جیمس ہسٹنگ (James Hasting) نے Encyclopaedia
of Religion میں لکھا ہے کہ بدھ مذہب میں تصوف سرے سے
موجود ہی نہیں ہے کیونکہ اسلام کی رو سے تصوف ایک واجب الوجود ہستی
میں فنا ہو جانا ہے اس لئے کہ وہ ہستی مشخص بالذات نہیں ہوئی اور چونکہ
گوتم بدھ کے نزدیک کسی ذاتِ واجب الوجود کا تخیل ہی موجود نہیں ہے
تصوف کی نسبت بدھ مذہب کی طرف کرنا اتہام نہیں تو اور کیا ہے۔

یورپ اور یورپ کے اربابِ علم کو اسلام اور اسلامی تخیل بدعقیدت
ہے سیاسی اور اقتصادی بنا پر عناد ہے اس لئے وہ مسلمانوں کی ہر اچھی
چیز اور اسلام کی ہر اچھی تعلیم کی نسبت دوسروں کی طرف کرنا چاہتے ہیں اسلامی
تصوف کی نسبت کبھی گوتم بدھ کی طرف کرتے ہیں کبھی گیتا کی طرف اور کبھی افلاطون
کی طرف حالانکہ خود قرآن مجید کی بے شمار آیتیں اس امر کی شاہد ہیں کہ خدا یا وہ
ذات واجب الوجود جو تمام کائنات کی خالق ہے انسان سے قریب ہے انسان

کے رگ و پے میں جاری و ساری ہے اور یہی بنیاد ہے فلسفۂ تصوف کی۔
غرضکہ تصوفِ اسلام پر بڑی بڑی نکتہ چینیاں کی گئی ہیں۔

تصوف اسلام

اسلامی تصوف کا مقصد، ہدایت کی پیروی عبادت و ریاضت، دنیوی رشتوں سے منہ موڑ کر اللہ سے رشتہ جوڑنا۔ مال و جاہ کی محبت دل سے نکال دینا اور بے تعلق ہو جانا ہے۔ اسلام میں تصوف کا آغاز آنحضرت صلعم اور صحابۂ کرام رضہ کے ساتھ ہوا۔ نبی اکرم صلعم اور آپ کے صحابہ حب دنیا سے نفور تھے ان کا جینا اور مرنا صرف اللہ کے لئے تھا۔

دنیا سے بیزاری کی تائید قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات بینہ سے ہوتی ہے۔

اعلموا انما الحیوۃ الدنیا لعب و لھو	سمجھ لو کہ دنیا کی زندگی لہو و لعب ہے۔
وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور	حیات دنیاوی کی متاع فریب کے سوا کچھ نہیں
یا ایھا الناس ان وعد اللہ حق	اے لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے ایسا نہ ہو کہ
تغرنکم الحیاۃ الدنیا۔	دنیا کی زندگی تمھیں فریب میں مبتلا کر دے

صوفیا کے مسلک صبر و توکل کی تائید بھی آیاتِ قرآنِ کریم سے ہوتی ہے۔

فاذا عزمت فتوکل علی اللہ	جب ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔
وعلی اللہ فلیتوکل المومنون	اور وہ اللہ ہی ہے جس پر ایمان والے توکل کرتے ہیں
انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب	اللہ صبر کرنے والوں کو بغیر حساب اجر دیتا ہے۔

اسی طرح صوفیاء کرام توبہ واستغفار، عبادت، حب الٰہی جوان کے مسلک میں شامل ہے قرآن کریم سے استخراج کرتے ہیں۔ تصوف اسلام اپنا ایک مستقل وجود رکھتا ہے یہ کسی مذہب سے متاثر نہیں۔ اگر چند امور میں یہ نصرانی تصوف سے کچھ مماثلت رکھتا ہے تو اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ نصرانیت سے متاثر ہے۔ اسلام کے تمام اصولوں کا مرجع و مصدر کتاب اللہ اور سنت رسول ہے۔

رسول اکرم صلعم کی حیات طیبہ بعثت سے قبل حضور صلعم شب و روز کا بیشتر حصہ لوگوں سے الگ تھلگ غار حرا میں بسر کرتے تھے اس کو ہم آپ کی روحانی زندگی کے آغاز سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

رسول اکرم صلعم کی غار حرا کی زندگی شور و شر سے الگ، ہنگامہ آرائیوں سے دور اور عیش و نعم سے بالکل منقطع تھی۔ آپ ہمہ وقت کائنات کی حکمت اور صانعِ قدرت کی نشانی پر غور فرمایا کرتے تھے یہی روحانی زندگی کی حیثیت اوّل ہے۔

غارِ حرا میں یکسوئی قلب کے ساتھ آپ نے اپنے نفس کو پہچان لیا اور آپ کا قلب مجتمع ہو گیا یہاں تک کہ آپ کو رویائے صادقہ اور انوارِ حقیقت جلوہ گر ہونے لگے اور اپنے ایمان و یقین کی منازل طے فرمالیں جب آپ چالیس برس کی عمر کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کے ذریعہ وحی نازل فرمائی۔ آپ کی اس عبادت و ریاضت کا منشا تصفیہ قلب تھا۔

بالکل اسی طرح تزکیہ نفس سے صوفیا کرام بھی کشف و الہام کی دولت سے سرفراز ہوتے ہیں۔

یہاں پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ رسولِ اکرم صلعم کی غارِ حرا کی عزلت گزینی بعثت سے قبل کی زندگی تھی جو ہمارے واسطے قابلِ تقلید نہیں مگر یہ اعتراض درخور اعتنا اس لئے نہیں کہ آپ کی غارِ حرا کی زندگی جاہل عرب کی زندگی نہیں تھی بلکہ حقیقتاً یہی وہ زندگی تھی جو نبوت و رسالت کی تمہید تھی۔

آنحضرت پر کبھی محویت و خود فراموشی طاری ہوتی تھی۔ حضرت عائشہ رضی فرماتی ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس وقت آپ پر محویت کا عالم طاری تھا۔ آپ نے جب مجھے دیکھا تو فرمایا "تو کون ہے؟" میں نے جواب دیا "عائشہ!" آپ نے فرمایا "عائشہ کون؟" میں نے جواب دیا۔ "ابوبکر کی بیٹی" آپ نے فرمایا۔ "ابوبکر کون؟" میں نے جواب دیا "محمد صلعم کے دوست!" آپ نے فرمایا "محمد کون؟" اس پر میں خاموش ہو گئی اور سمجھ گئی کہ آپ پر دوسری کیفیت مستولی ہے۔

خدا کی یاد میں استغراق و محویت کی بھی ایک منزل ہے جس میں انسان اپنے وجود کو فراموش کر دیتا ہے۔

یہ واقعہ رسول اکرم صلعم کی بعثت کے بعد کا ہے صوفیا کی زندگی میں سکر اور استغراق کی مثالیں ملتی ہیں تو کیا تعجب ہے۔

ایک گروہ رسول اکرم صلعم کی معراج جسمی کا قائل ہے اور دوسرا معراج روحانی کا۔ موخرالذکر گروہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ

اور دیگر صحابہ کرام شامل ہیں۔ اگر معراج روحانی تسلیم کی جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ آنحضرت صلعم تصفیہ قلب کے اس درجہ پر فائز تھے کہ آپ کی روح مقدسہ آسمان و زمین میں جہاں چاہے منتقل ہو سکتی تھی اور تمام عالموں پر محیط تھی اور ان کے تمام اسرار و رموز آپ پر منکشف تھے اس سے صوفیا کے مکاشفات کا اثبات ہوتا ہے۔

صحابہ کی زندگی

حضرت ابوبکرؓ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی زندگی سرتاپا زہد و ورع کی زندگی تھی۔ آپ کا قول ہے کہ تقویٰ کا نتیجہ کرم ہے۔ یقین کا غنا اور تواضع کا شرف آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس نے معرفت الٰہی کا مزہ چکھ لیا وہ غیر اللہ سے بے نیاز ہو گیا۔

حضرت عمرؓ حضرت عمر فاروق رضؓ کی زندگی بھی زہد و ورع سے بھرپور تھی آپ کی پاکیزگی قلب کا اندازہ رسولِ اکرم صلعم کی اس حدیث سے لگایا جا سکتا ہے۔ "اللہ نے عمر کی زبان اور قلب پر حق کو استوار کیا"۔

حضرت عمر رضؓ کی دنیا سے بیزاری کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ خلافت کے منصب پر فائز ہوتے ہوئے بھی آپ کے پاجامہ میں ۱۲ پیوند اور قمیص پر ۱۴ پیوند تھے وہ اپنا لباس خود دھوتے تھے۔ آپ کا قول ہے زندگی کی بہترین چیز صبر ہے۔

حضرت عثمانؓ حضرت عثمان غنی رضؓ کے وقت کا بیشتر حصہ عبادت و ریاضت

میں صرف ہوتا تھا۔ آپ کی زندگی سراسر زہد و ورع کی زندگی تھی آپ ہمیشہ یادِ الٰہی میں محو رہتے تھے اور قرآن کریم کی تلاوت بڑے ذوق و شوق سے فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا قول ہے "قرآن میرے رب کی کتاب ہے۔ غلام کے لئے ضروری ہے کہ جب اس کے رب کا نامہ آئے تو ہر روز اس کو بغور پڑھے تاکہ احکام کی صحیح پیروی کر سکے"۔

حضرت علیؓ حضرت علی مرتضیٰ رضؓ کی زندگی بھی زہد و تقویٰ کے سوا کچھ نہ تھی۔ ایک مرتبہ آپ کی پیوند لگی ہوئی قمیص دیکھ کر کسی نے پوچھا "اے امیر المومنین! یہ کیوں؟" آپ نے فرمایا "تاکہ دل خدا سے ڈرتا رہے!"

اصحاب صفا خلفائے اربعین کے علاوہ دوسرے صحابہ کی زندگیوں کا بھی اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ بھی دنیا سے متنفر اور رضائے الٰہی کے طالب تھے۔ مثال کے طور پر اصحاب صفا جو انصار و مہاجرین پر مشتمل تھے دنیوی اعتبار سے بالکل بے سر و سامان تھے نہ ان کے اہل و عیال تھے نہ کوئی گھر بار ان کی رہائش کے واسطے مسجد نبوی کے قریب ایک چبوترہ بنا دیا گیا تھا جہاں وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر ہمہ وقت مجاہدۂ نفس، عبادت و ریاضت میں مصروف رہتے تھے خود نبیٔ اکرم صلعم اور اہلِ بیت ان سے محبت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا تعلق اصحاب صفا سے تھا یہ حضرات یادِ الٰہی سے سرشار تھے۔ حضرت ابوذر غفاری، حضرت حذیفہ بن الیمان بھی اسی گروہ سے متعلق تھے۔ حضرت حذیفہ کا قول ہے کہ فقر و فاقہ میرے مستقل رفیق ہیں ان حقائق کی روشنی میں ہم بلا خوف کہہ سکتے ہیں کہ زہد تصوف

اسلام میں نئی چیز نہیں ہے بلکہ اس کے آثار آنحضرت صلعم کی حیاتِ طیبہ میں قبل دلبعثت بھی پائے جاتے ہیں۔

سراج طوسی۔ صاحب اللمع۔ ذکریا انصاری شارح رسالہ قشیریہ ابن تیمیہ ابنِ خلدون کی رائے میں صوفی وہ لوگ ہیں جو صوف کا استعمال کرتے ہیں۔

اگرچہ اصطلاحی طور پر فقر، زہد اور تصوف مترادف الفاظ ہیں لیکن رسماً ایک دوسرے کے متخالف بھی ہیں۔

حضرت شہاب الدین سہروردی عوارف المعارف میں فرماتے ہیں کہ تصوف ایک جامع لفظ ہے جو فقر و زہد سب پر حاوی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ زہد و فقر کے علاوہ کچھ اور بھی اوصاف ہیں جب تک صوفی میں وہ نہ پائے جائیں وہ صحیح معنی میں صوفی کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا خواہ وہ زاہد و فقیر کیوں نہ ہو۔

عوارف المعارف میں تصوف کی تعریف اس طرح بھی کی ہے کہ فقر کی انتہا تصوف کی ابتدا ہے۔ بالفاظ دیگر تصوف کا درجہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب فقر کی تکمیل ہو جائے۔ صوفی اس وقت تک صوفی نہیں ہو سکتا جب تک وہ فقر کا درجۂ کمال حاصل نہ کر لے۔ فقیر و زاہد اپنے ہر عمل اور کام میں اپنے ارادہ کو دخیل رکھتے ہیں۔ ان کا ارادہ اپنا ارادہ ہوتا ہے۔ ان کا کام اپنا کام ہوتا ہے۔ ان کا وجود اپنا وجود ہوتا ہے برخلاف اس کے صوفی اپنے نفس اور ارادہ کو ہلاک کر چکتا ہے وہ معبود

کے ارادہ کا تابع ہوتا ہے۔ اس کا کوئی ارادہ نہیں ہوتا اس کا ہر عمل صرف مشیت الٰہی اور رضائے خداوندی کا تابع ہوتا ہے۔

مختصراً فقر و تصوف میں داخل ہونے کے لئے فقر و زہد کے دو دروازوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے لفظ صوفی کا استعمال ابو ہاشم کوفی المتوفی ۱۵۰ھ نے کیا۔ ان کی زندگی رسول اکرم صلعم اور صحابہ کی سیرت طیبہ سے بہت متاثر تھی نہ دنیا سے متنفر تھے۔ اس لفظ سے ان لوگوں کو یاد کیا جاتا تھا جو روحانی زندگی بسر کرتے تھے جن میں زہاد کا زہد، عباد کی عبادت، فقرا کا فقر پایا جاتا تھا فقہائے شرع متین اور صوفیا میں فرق یہ تھا کہ اول الذکر شرع کے احکام ظاہری پر عمل کرتے تھے اور صوفیا باطنی پر۔

اشتقاق لفظ صوفی اور مفہوم

(۱) عام طور پر صوفی کے لفظ کو صوف (پشمینہ) سے مشتق خیال کیا جاتا ہے۔ عربی لغت کی رو سے تصوف کے معنی ہیں اس نے لباس صوف پہنا۔ جیسے تقمص کے معنی ہیں اس نے قمیص پہنی۔

(۲) بعض لوگ لفظ صوفی کو صفا سے مشتق خیال کرتے ہیں یعنی صوفی وہ ہے جس کو حق تعالیٰ نے صفائی قلب سے مزین کیا۔ ظاہر ہے کہ صفائی قلب سے سارے جسم کی اصلاح ہو جاتی ہے اور تمام اعمال درست ہو جاتے ہیں معارف الٰہی کا انکشاف صفائی باطن ہی پر منحصر ہے لیکن لغوی اعتبار سے یہ اشتقاق درست نہیں ہو سکتا کیونکہ صفا سے جو لفظ مشتق ہوگا وہ صفوی ہوگا نہ کہ صوفی۔

(۳) بعض حضرات کی رائے میں صوفی لفظ صف سے مشتق ہے یعنی صوفیا حضورِ حق میں اپنے قلوب کے ساتھ صفِ اول میں حاضر ہوتے ہیں۔ اگرچہ معنی کے اعتبار سے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا مگر لغت کے اعتبار سے صف کی نسبت سے صفی ہوگا نہ کہ صوفی۔

(۴) بعض نے صوفی کو "صفہ" مسجد نبوی کی طرف منسوب کیا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض صحابہ نے جن کی تعداد ستر سمجھی جاتی ہے دنیوی تعلقات کو ترک کردیا تھا اور فقر الی اللہ اختیار کرلیا تھا وہ صرف ایک کپڑے میں زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کو "اہلِ صفہ" کہتے ہیں کیونکہ انھوں نے صفہ مسجدِ نبوی کو اپنا قیام گاہ بنالیا تھا۔ صوفیا کو بھی ان ہی اوصاف کی بنا پر اہلِ صفہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن بروئے اشتقاق لفظی صفہ سے "صفی" بنتا ہے نہ کہ صوفی۔

محمد بن القصاب کے نزدیک تصوف اخلاق کریمہ کا نام ہے بہرحال ان توضیحات کی روشنی میں اگر صوفی کی تعریف کی جائے تو یہ ہوتی ہے کہ صوفی وہ ہے۔

۱۔ جس کا دل صاف ہو۔
۲۔ جو اپنے نفس کو ہلاک کرچکا ہو۔
۳۔ جو حرص و ہوس سے پاک ہوچکا ہو۔
۴۔ جو متبع سنت رسول اکرم صلعم ہو۔
۵۔ جو مال وجاہ دنیا سے متنفر ہو۔

۶- جو دنیوی رشتے توڑ کر اللہ سے رشتہ جوڑ چکا ہو۔

۷- جو ہر وقت یادِ الٰہی میں مستغرق رہتا ہو۔

یا مختصراً یوں سمجھیے کہ صوفی کا ظاہر پریشان مگر باطن مطمئن ہوتا ہے۔

اہمیت اولیا

حضرت عبدالعزیز محدث رح فرماتے ہیں۔ "بعضے خواص اولیا اللہ را آلہ جارحہ تکمیل و ارشادِ بنی نوع خود گردانیدہ دریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ و اویسیان تحصیل کمالات باطنی از آنہا می نمایند و ارباب حاجات و حل مطالب و مشکلات خود از آنہا می طلبند می یابند و زبانِ حال آنہا مترنم بایں مقالات است

ع "من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن"

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے بعض خواص اولیاء اللہ کو بنی نوع انسانی کی تکمیل و ہدایت کے لیے آلہ جارحہ بنایا ہے۔ بعد وفات بھی ان کو دنیا میں تصرف کرنے کی قدرت بخشی ہے اور اویسیان ان سے باطنی کمالات حاصل کرتے ہیں اور مشکلات و حاجات والے ان سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں اور پاتے ہیں۔"

آں دعائے شیخ نے چوں ہر دعا است
فانی است و گفتِ او گفتِ خدا است

مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے کہ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ملک شام میں چالیس ابدال ہیں ان کے صدقہ میں تم پر بارش ہوتی ہے اور ان کے صدقہ میں تم کو دشمنوں پر مدد حاصل ہوتی ہے ان کے صدقہ

میں تم رزق پاتے ہو ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر بوجہ بد اعمالی کے عذاب نازل کرنا چاہتا ہے مگر اس وجہ سے اس عذاب کو روک لیتا ہے کہ اس عالم میں اس کے مقبول بندے اولیاء کرام ہوتے ہیں اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رب اشعث اغبر ذی طمرین لا یعبا به لو اقسم علی اللہ لابرہ

ترجمہ:۔ بعض لوگ کہ جن کا چہرہ گرد آلود اور بال پریشان، گدڑی پہنے ہوئے جن کی لوگ پرواہ نہیں کرتے مگر اللہ کے یہاں ان کا یہ رتبہ ہوتا ہے کہ اگر اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم ضرور پوری کرتا ہے"

۱۔ مستشرقین جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو انھیں حیرت ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا سیاسی زوال کبھی ان کے دینی نظام کو تباہ نہ کر سکا۔ بقول پروفیسر ہٹی (Hitti) اکثر ایسا ہوا کہ سیاست اسلام کے تاریک ترین لمحات میں مذہبی اسلام نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں صوفیا نے مسلمانوں کی دینی زندگی کو سیاسی زوال کے خطرناک اثرات سے بچایا اور زمانہ کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے مطابق مسلمانوں کے فکر و عمل میں تبدیلیاں پیدا کیں۔

۲۔ اسلامی تاریخ کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ صوفیا نے کس طرح "یدعون الی الخیر" اور "ینھون عن المنکر" کی خدمات انجام دی ہیں جب مسلمانوں کی سیاسی ترقی کا دور آیا اور عسکری کامیابیوں نے آنکھوں کو خیرہ کر دیا تو یہ بزرگ مادیت کے سیلاب کو روکنے کے لئے

گھل گئے۔ جب سیاسی نظام درہم برہم ہوا تو ذہنی انتشار کے خلاف لڑنے لگے۔ جب قوم کا اخلاقی مزاج بگڑتا ہوا پایا تو انھوں نے اپنی تمام ذہنی اور عملی صلاحیتیں صحت مند عناصر کو ابھارنے میں صرف کر دیں۔

۳۔ صوفیائے کرام نے اسلام کو ساری دنیا میں پھیلا کر اسے عالمگیر مذہب کی شکل دی۔

۴۔ تصوف کے اندر وہ ساری قوتیں موجود ہیں جو عصر حاضر کے انسانوں کے ذہنی اضطراب اور بے اطمینانی کو دور کر سکتا ہے۔

۵۔ تصوف نام ہے علم و عمل کا جس کے ذریعہ شرافت امن انسانیت اور مسالمیت کا درس دیا جا سکتا ہے۔ جس کے ذریعہ روزمرہ زندگی میں خوش خلقی اور نیکی کا طریقہ سکھایا جا سکتا ہے۔

۶۔ تصوف کے ذریعہ رنگ و نسل کے بت توڑ کر آج کے مہذب انسان کو مساوات کا درس دیا جا سکتا ہے۔

۷۔ مسلمان حکمرانوں نے کبھی تبلیغ اسلام کی کوشش نہیں کی ان کی تمام کوششیں فتوحات اور ملک کے نظم و ضبط تک محدود رہیں۔ تبلیغ کی ذمہ داری مذہبی پیشواؤں نے اپنے سر لی حالانکہ مذہبی پیشواؤں میں علمار شریعت کا بھی شمار ہوتا ہے مگر یہ طبقہ بھی محض ظاہری تعلیم تک محدود رہا بلکہ مشائخ اور صوفیا کی تبلیغی مساعی میں سدراہ ثابت ہوا۔

صوفیا مسلمانوں کو روحانی اور اخلاقی تربیت کے ذریعہ بلند کردار بناتے تھے۔ نیز غیر مسلموں کو دعوتِ اسلام دیتے تھے اگر صوفیا اور مشایخ

تبلیغ کو اپنا مقصد نہ بنائے تو آج نہ صرف ہندوستان کا بلکہ تمام دنیا کا نقشہ
کچھ اور ہی ہوتا نہ مسلمان آبادی کا اس قدر تناسب ہوتا اور نہ مسلمان
حکمراں ہوتے۔

یہ صوفیائے کرام تھے کہ جو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہونچے اور اپنے
دین اور اصلاحی فریضہ کی انجام دہی میں کوئی فروگذاشت باقی نہ
رکھی حتیٰ کہ اس میں انھوں نے اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کی۔

۸۔ کیا اس مادیت اور سائنس کے دور میں بھی جب کہ انسان مصنوعی
سیاروں کے ذریعہ مریخ و قمر پر اپنا اقتدار حاصل کرنے کی سعی کر رہا ہے
تصوف کی ضرورت ہے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ اب بھی تصوف کی بے حد
ضرورت ہے کیونکہ عقل و ذہانت کے اس ارتقا کے باوجود تمام دنیا
سرگرداں اور پریشان ہے ہر وقت یہ خدشہ لاحق رہتا ہے کہ امریکہ یا روس
کے ارباب حل و عقد پر کب جنون طاری ہو جائے اور کب یہ ایک دوسرے
پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے اپنی ایٹمی طاقتوں کو بروئے کار لا کر تمام دنیا
کو چشم زدن میں نیست و نابود کر دیں۔ بالفاظ دیگر مریخ و قمر کی تسخیر کے بعد
سب سے بڑی ضرورت اس امر کی ہے کہ انسان اپنے جذبات پر قابو رکھے اور اعلیٰ
اقدار حیات اور مکارم اخلاق کو حظ نفس پر قربان نہ ہونے دے۔ مگر یہ
صفات عالیہ اور اعلیٰ اقدار حیات انسان میں اس وقت تک پیدا نہیں
ہو سکتیں جب تک اس کا قلب روشن اور باطن منور نہ ہو جائے اور نور باطن
کے حصول کا راز محض صوفیائے کرام کے کردار، تعلیمات، سیرت اور احوال

میں مضمر ہے۔ ہم آپ سب دنیا میں طاقت چاہتے ہیں یا اختیار چاہتے ہیں یا اعزاز چاہتے ہیں اور شب و روز ان کے حصول کے لئے کوشاں رہتے ہیں لیکن وہ طاقت یا اختیار جو ہم دنیاوی تدابیر سے حاصل کرتے ہیں اول تو ہماری دنیوی تدابیر ناقابل اعتبار ہوتی ہیں اس لئے ان کے ذریعہ حاصل کردہ کمالات بھی ناپائیدار ہوتے ہیں کیونکہ مجاز سے جو شے پیدا ہوتی ہے وہ مجازی ہوتی ہے اور حقیقت سے جو چیز پیدا ہوتی ہے اس میں بقاء و دوام ہوتا ہے۔

ہمارا وجود روح و مادہ کا مجموعہ ہے۔ مادہ کا تعلق عالم ظاہر سے ہے اور روح کا عالم باطن سے۔ جسم سے جب روح الگ ہو جاتی ہے تو جسم فنا ہو جاتا ہے۔ اس جسم کو ذات سے کوئی تعلق نہیں رہتا برخلاف اس کے جسم سے الگ ہونے کے بعد بھی روح فنا نہیں ہوتی اور ہمارا عقیدہ ہے کہ روح عالم ارواح میں اپنی خصوصیات ذاتی کے ساتھ موجود رہتی ہے نیکوکار کی روح علیین میں اور بدکار کی روح سجین میں رکھی جاتی ہے۔ علیین میں بوجہ اعمال حسنہ اس کو راحت ملتی ہے اور سجین میں بوجہ معصیت عذاب ہوتا ہے مختصر یہ کہ جسم پیوند خاک ہو جاتا ہے جب کہ روح غیر فانی ہے۔

آج کل کے مادہ پرست انسان بھی اب ہر چیز کے ایسنس یا جوہر کی طرف مائل ہو گئے ہیں اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہر چیز کا جوہر (روح) ہی ہماری ضرورتوں کا مکتفی ہوتا ہے۔ اس سے بھی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسانی ترقیوں کا دارومدار بھی روحانی ترقی پر ہی ہے۔

لہٰذا اس دور میں بھی تصوف اور روحانیت کی از حد ضرورت ہے۔
تصوف حقیقت کی طرف مائل کرتا ہے اور مادیت مجاز کی طرف لے جاتی ہے
یہ ہماری پستی ہے۔ ہماری تنزلی ہے۔ ہمارا زوال ہے کہ ہم حقیقت سے منحرف
ہو کر مادہ اور مجاز کو اصل الاصول سمجھ بیٹھے ہیں لیکن مشکل یہ ہے کہ ہم اپنے
حواس ظاہری سے حقیقت باطنی کا انکشاف نہیں کر سکتے اس لئے ضروری ہے
کہ ہم روحانی طاقتوں کو بڑھائیں جن کے ذریعہ باطن کا ادراک کیا جا سکے۔

جب کوئی تحریک افراط و تفریط، عمل ورد عمل کا بازیچہ بنجاتی ہے تو اس کی
شکل مسخ ہوئے بغیر نہیں رہتی صرف اسلامی فقہ کی تدوین نے مسلمانوں کی دینی اور
سماجی زندگی کو سنوارنے میں عظیم الشان کام انجام دیا لیکن جب اس کو حیلہ
بازیوں اور مکاریوں کا ذریعہ بنایا گیا تو مسلمانوں کی عملی زندگی بالکل بے روح
ہو کر رہ گئی۔ متکلمین نے اسلام کو یونانی فلسفہ کی زد سے بچانے میں بڑی خدمت
کی لیکن جب علم کلام نے شبہات و شکوک پیدا کرنا اپنا مقصد بنالیا تو مسلمانوں
کی ذہنی زندگی میں بڑا انتشار پیدا ہو گیا یہی حال تصوف کا بھی ہوا۔ دنیا پرستی
سے گریز کو رہبانیت کی شکل دے دی گئی۔ مجاز پرستی، پیر پرستی، نغمہ و سرود کو
روحانی ترقی کا لازمی جزو قرار دے دیا گیا۔ بے شک یہ سب گمراہیاں تصوف میں
پیدا ہوئیں لیکن یہ حقیقت ناقابلِ فراموش ہے کہ صوفیا نے ہمیشہ ان گمراہیوں
کے خلاف آواز بلند کی ہے اور ان فاسد عناصر کے استخراج کے لئے بے حد
جدوجہد فرمائی ہے

شریعت و طریقت کا جھگڑا

متوفی حضرات نے باطنی زندگی کو علیحدہ

کر کے جو شریعت اور طریقت کا جھگڑا کھڑا کیا ہے وہ بے بنیاد و لغو ہے شریعت و طریقت کی تعریف مولانا روم رح نے یوں فرمائی ہے "شریعت ہمچوں شمعے است کہ راہ می نماید۔ چوں در راہ آمدی ایں رفتن تو طریقت است و چوں بہ مقصود رسیدی آں حقیقت است۔ حاصل آنکہ شریعت ہمچوں علم کیمیا آموختن است از استاد یا از کتاب۔ طریقت استعمال کردن دارو ہا و مس را در کیمیا مالیدن و حقیقت زر شدن مس"۔

یا مثالِ شریعت ہمچوں علم طب آموختن است و طریقت پرہیز کردن بموجب علم طب و دارو خوردن و حقیقت صحت یافتن"

مثلاً ایک شخص نے علم طب پڑھا یہ شریعت ہے، دوا استعمال کی یہ طریقت ہے۔ مرض میں افاقہ ہو گیا یہ حقیقت ہے۔ حاصل یہ کہ شریعت علم ہے طریقت عمل ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت اور طریقت دو متناقض چیزیں نہیں بلکہ دونوں میں جسم و جان، جسد و روح، ظاہر و باطن، پوست و مغز کی نسبت ہے شریعت اور طریقت کو مختصراً یوں سمجھئے کہ اتباع رسول صلعم جب تک محض ظواہر تک محدود ہے اس کا نام شریعت ہے اور جب قلب و باطن بھی نورانیت رسول صلعم سے منور ہو گیا تو یہی طریقت ہے۔ ایک شخص نے نماز حسبِ قواعد مندرجہ کتب فقہ ادا کی۔ شریعت کی رو سے یہ نماز جائز ہو گئی۔ طریقت اسے کافی نہ سمجھے گی وہ اس پر مُصِر ہو گی کہ جس طرح چہرہ کعبہ کی طرف متوجہ رہا، قلب بھی رب کعبہ کی طرف متوجہ رہے اور جس طرح جسم نماز کی حالت میں ظاہری نجاستوں سے

پاک رہا روح بھی باطنی آلائشوں اور پریشان خیالیوں سے پاک رہے اسی طرح کھانے پینے اور جنسی عمل سے ایک وقتِ خاص تک باز رہنے کا نام شریعت میں روزہ ہے لیکن طریقت میں اسی قدر کافی نہیں۔ وہ چاہتی ہے کہ کان، زبان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور باقی اعضاء کو گناہوں سے روکا جائے نیز دل کو پست ارادوں اور بیہودہ خیالیوں سے بچایا جائے اور ماسوائے اللہ سے کامل طور پر روکا جائے یہ شریعت کے مخالف نہیں بلکہ عین شریعت ہے۔!

اکبر الہ آبادی نے اپنے مخصوص انداز میں اس کی توضیح یوں کی ہے۔

شریعت درِ محفلِ مصطفےٰ	طریقت عروجِ دلِ مصطفےٰ
عبادت کی عزت شریعت میں ہے	محبت کی لذت طریقت میں ہے
شریعت میں ہے صورتِ فتحِ بدر	طریقت میں ہے معنیٔ شقِ صدر
شریعت میں ہے قیل و قالِ حبیب	طریقت میں حسن و جمالِ حبیب

نبوت کے اندر ہیں دونوں ہی رنگ
عبث ہے یہ ملّا و صوفی کی جنگ

خواجگانِ چشت اور تبلیغ ہندوستان میں جن سلاسل نے اشاعتِ اسلام کی وہ بہت ہیں مگر ان سب میں حسب ذیل زیادہ اہمیت و شہرت رکھتے ہیں۔

۱۔ چشتیہ ۳۲۶ھ ۹۳۲ء	۴۔ سہروردیہ ۶۲۳ھ ۱۲۲۶ء
۲۔ قادریہ ۵۵۶ھ ۱۱۶۱ء	۵۔ شاذلیہ ۶۵۳ھ ۱۲۵۶ء
۳۔ رفاعیہ ۵۷۰ھ ۱۱۷۵ء	۶۔ نقشبندیہ ۷۸۵ھ ۱۳۸۹ء

"حضرت خواجہ معین الدین چشتی رح کے متعلق تاریخ فرشتہ لکھتا ہے کہ:-
بسیارے از کفار بہ برکتِ انفاس آں میر طریقت بشرفِ ایمان مشرف گشتند
و آنانکہ ایمان نیاوردند محبت خواجہ در دل جائے دادہ پیوستہ فتوح بے حد و عد
بحضرتِ او می فرستادند"

راجہ پرتھوی راج آپ کی تبلیغی مساعی سے ناخوش تھا آپ کی جان
خطرہ میں تھی مگر آپ نے ان خطرات کی مطلق پرواہ نہیں کی اور دولاکھ چونسٹھ
ہزار ہندوؤں کو مشرف باسلام کیا۔

حضرت خواجہ رح نے اجمیر شریف کو مرکز بنانے کے بعد حضرت قطب الدین
بختیار رح کو دہلی میں اور حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین رح کو ناگور شریف
میں تبلیغ کے واسطے متعین کیا۔ ان ہردو مراکز نے اجمیر شریف کا نام خوب روشن
کیا۔ کتاب سلطان التارکین میں حضرت سلطان التارکین رح، ان کی اولاد اور ان
کے خلفاء کی تبلیغی مساعی اور تعلیمات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے جس کے مطالعہ
سے ناظرین اندازہ لگاسکتے ہیں کہ انھوں نے حکومت سے علیحدہ رہ کر کس
قدر اشاعتِ اسلام کی ہے اگر یہ کہا جائے کہ پورے راجستھان میں تبلیغ
اسلام حضرت سلطان التارکین رح ان کی اولاد اور ان کے خلفاء کی بدولت
عمل میں آئی ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

حضرت بختیار رح اور ان کے خلفاء کے تبلیغی کارناموں پر مفصل وبسیط
کتابیں موجود ہیں۔ یہاں صرف اتنا عرض کرنے پر اکتفا کروں گا کہ حضرت بختیار
کاکی رح نے دہلی میں رشد وہدایت کی شمع روشن کی۔ لوگ پروانہ وار آپ کے

حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔

حضرت بختیار رحمۃ اور انکے خلیفہ بابا فرید گنج شکر نے پنجاب اور دیگر صوبہ جات شمالی ہند میں تبلیغ اسلام کر کے سیال راجپوت اور وٹو قبیلوں کو مشرف باسلام کیا اور آپ کی تعلیم سے شمالی ہند کا گوشہ گوشہ منور ہو گیا۔ حضرت نظام الدین اولیا حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی، حضرت علاؤ الدین علی احمد صابر آفتابِ چشت کی درخشندہ شعاعیں ہیں جن کے تبلیغی کارہائے نمایاں کے متعلق یوں کہیئے کہ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما۔

یہ تو رہا حال شمالی ہند اور راجستھان کا۔ اگر ہم بنگال، آسام، بہار اور دکن میں صوفیا کرام کی تبلیغی مساعی کا جائزہ لیں تو یہی ماننا پڑے گا کہ ان علاقوں میں بھی تبلیغِ اسلام انہیں بزرگوں کے ہاتھوں سرانجام پائی ہے۔

تصوف کے چند مسائل متنازعہ فیہ ہونے کے باوجود بھی اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ اس علم کا مقصد تصفیہ نفس اور تزکیہ قلب ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصد کسی معمولی حیثیت کا حامل نہیں اسی پر قصرِ انسانیت کی بنیاد قائم ہے اور یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے کہ انسان جب تک انسان نہیں بنتا وہ کچھ بھی نہیں۔ وہ ایجادات و اختراعات کے میدانوں میں کتنی ہی ترقی کر لے۔ علوم و فنون کی کتنی ہی گہرائیوں میں اتر جائے۔ تہذیب و تمدن کی کسی بھی منزل پر جا پہنچے لیکن اگر اس میں انسانیت نہیں تو کچھ بھی نہیں۔

جب یہ بات تسلیم کر لی گئی کہ تصوف کی حقیقی اور آخری منزل انسان کو انسان بنانا ہے تو اس کی ضرورت و اہمیت سے انکار کیسے ممکن ہے۔ مگر اب نہ

وہ صوفی ہیں اور نہ وہ ان کی تعلیم۔ وہ تصوف جو قرآن اور سنت سے ماخوذ تھا اس دور میں جس کو اس کا دورِ انحطاط کہنا مناسب ہوگا ایک ایسا مسخ شدہ اور زنگ خوردہ بن کر رہ گیا ہے جو دوسروں کو تو کیا صیقل کر سکتا ہے خود ہی صیقل سے محروم ہے۔

بقول کسے جو تصوف حال تھا آج اس دور میں بے حال ہو چکا ہے اسکو تصوف کا دورِ انحطاط کہیئے۔ اگر تصوف کی یہ حالت نہ ہوتی تو یہ ارتقاء کے اور زیادہ منازل طے کرتا اور زوال سے ہمکنار نہ ہوتا۔ مگر اس سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکلتا کہ فی زمانہ کوئی حقیقی صوفی نہیں ہے۔ ہر دیہہ، ہر قریہ اور ہر بستی میں صوفی ہوتے ہیں اور اب بھی موجود ہیں جو بڑی رفعتوں کے حامل ہیں اور رہتی دنیا تک رہیں گے۔!

ہیچمداں

پیرزادہ احسان الحق فاروقی

ناگور کی تاریخی اہمیت

پیرزادہ احسان الحق فاروقی ایم اے

فنِ تاریخ نے جتنے ارتقائی منازل طے کر کے بامِ عروج حاصل کیا ہے اس کی مثال دیگر فنون میں بہت کم ملتی ہے۔ یہاں تک کہ ہزارہا کتب تواریخ و سیر کے ذریعہ نہ صرف اولیاء اللہ، اکابرانِ دین، شاہانِ سلطنت اور والیانِ دیار کے حالات بسوط طور پر موجود ہیں بلکہ مختلف ممالک اور قصبہ جات کے تاریخی حالات بھی بڑی کاوش اور تحقیق کے ساتھ سپردِ قلم کئے گئے ہیں جن کا بہت بڑا ذخیرہ ہمارا ادبی سرمایہ تھا مگر دستبردِ زمانہ سے کون بچا ہے جو وہ ادبی سرمایہ محفوظ رہتا۔

تقسیم ملک اور قیام پاکستان نے اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کے لئے نہ صرف ایک جائے پناہ فراہم کی بلکہ ساتھ ہی ساتھ ایک نیا دائرۂ عمل ایک نئی جولانگاہ، ایک نیا دارالمحنت اور ایک نئی جائے قرار مہیا کر دی لیکن افسوس یہ ہے کہ جو ادبی اور تاریخی سرمایہ بعد از کاوشِ بسیار ایک مدت مدید میں تاریخ دوست حضرات نے فراہم کیا تھا اس کا بیشتر حصہ بیک گردشِ چرخِ نیلوفری تلف ہو گیا اور اب اگر ہم ہندوستان کے غیر معروف لیکن تاریخی اہمیت اور عظمت رکھنے والے مقامات کے حالات جاننا چاہیں تو مایوس ہونا پڑتا ہے مگر بقول کسے ع

فزوں تر حوصلہ دشواری منزل سے ہوتا ہے

یہ صورت حال بھی ایک نیا جذبۂ تحقیق اور تصنیف ابھارتی ہے اور ہمارے ملک کے ادیب اور استاد تاریخ داں اس سے غافل نہیں ہیں

انھیں فراموش کردہ قصبوں میں سے ناگور بھی ہے جو موجودہ ریاست جودھپور کے ضلع ناگور کا صدر مقام ہے اور جودھپور بیکانیر ریلوے پر واقع ہے۔

وجہ تسمیہ کہتے ہیں کہ اس قصبہ کے بانی ناگا راجپوت تھے جن کی قومی نسبت سے اس کا نام ناگور پڑ گیا۔

اس قصبہ کے حالات مشتے از خروارے کے طور پر ہدیۂ ناظرین ہیں جس میں اختصار کے ساتھ ساتھ یہ بھی کوشش کی گئی ہے کہ ضروری حالات نظر انداز نہ ہونے پائیں۔

صاحب تاریخ فرشتہ و سیر المتاخرین نے لکھا ہے کہ جس زمانہ میں شہر غزنیں میں امیر ناصر الدین سبکتگین فرماں روا تھا لاہور میں راجہ جے پال حکمرانی کرتا تھا اس کو مسلمانوں سے بے حد تعصب تھا اسی باعث اس نے ملک افغانستان سے اسلام کو ختم کرنے کی غرض سے امیر ناصر الدین سبکتگین پر حملہ کیا تھا۔ امیر ناصر الدین سبکتگین کو بھی مجبوراً اپنے دشمن کے مقابلہ پر آنا پڑا سرحد غزنیں پر فریقین میں سخت جنگ ہوئی اسی جنگ میں امیر ناصر الدین کا ولیعہد بھی شریک تھا جو اپنی قابلیت اور شجاعت کے باعث فتحیاب ہوا یہ وہی ولیعہد تھا جو امیر ناصر الدین کے بعد سلطان محمود غزنوی کے نام سے مشہور ہوا۔

راجہ جے پال کو اس شکست سے بڑی شرمندگی ہوئی وہ امیر ناصر الدین

کے معتمدین کو بتاوان اور پیشکش ادا کرنے کی غرض سے اپنے ہمراہ لاہور لایا
مگر دل میں آتش تعصب مشتعل تھی اس لئے اپنے وعدہ سے منحرف ہوگیا
اس کے مشیروں نے اس کو بہت سمجھایا کہ وعدہ سے انحراف نہایت معیوب
ہے مگر اس نے ایک نہ سنی اور امیر ناصر الدین کو لکھ بھیجا کہ آپ اگر میرے ملازمین
کو جو آپ کی قید میں ہیں چھوڑ دیں گے تو میں بھی آپ کے معتمدان کو رہا کردوں گا
ورنہ یہ بدستور میری قید میں رہیں گے۔ یہ تحریر بھیجنے کے بعد اس نے راجگان
اجمیر، کالنجر، قنوج وغیرہ کو متفق کر کے امیر ناصر الدین سے مقابلہ کے لئے ایک
بڑی زبردست فوج جمع کی تمام راجگان کے درمیان یہ عہد نامہ بھی مرتب
ہوا کہ جو راجہ مسلمانوں سے نعوذ دفعہ جنگ ہار جائے گا وہ راج کے قابل تصور
نہ ہوگا اور اس کو ریاست سے علیحدہ ہونا پڑے گا۔ اس تیاری کے بعد اس
نے پنجاب میں مسلمانوں کی آمدورفت بالکل بند کردی اور باشندگان ہند کو
مسلمانوں سے اس قدر متنفر کردیا کہ اگر کوئی مسلمان اتفاق سے پنجاب میں آجاتا تو
یہاں کے باشندے اسے طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے اور اس پر عرصۂ حیات
تنگ کردیتے۔ جے پال کے مذہبی تعصب کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا
ہے۔

آخرکار اس نے اپنی متفقہ افواج سے نہایت شدومد کے ساتھ امیر
ناصر الدین پر فوج کشی کی۔ امیر بھی اس کے مقابلہ پر آیا۔ فریقین کے درمیان
گھمسان کی جنگ ہوئی لیکن تائید غیبی ہمیشہ حق کے ساتھ ہوتی ہے اس لئے
اس مرتبہ بھی جے پال نے منہ کی کھائی اور شکست فاش کھا کر لاہور واپس آیا

اور اپنے عہد نامہ کی شرط کے بموجب مسلمانوں سے نو مرتبہ شکست کے باعث آگ میں جل کر مر گیا اس کے بعد اس کا بیٹا انند پال راجہ ہوا۔ جے پال کی موت نے اہلِ ہند کے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے اور بھی عداوت پیدا کر دی۔ اب یہ لوگ مسلمانوں کو مارنا اور ایذا پہونچانا اپنا مذہبی فرض سمجھنے لگے۔ ایک مدت تک ہندوستان کا یہی حال رہا مگر مسلمان ان حالات میں بھی ہراساں اور نا امید نہ ہوئے بلکہ اپنے دینی اور دنیوی دشمن کو زیر کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ امیر ناصر الدین اور سلطان محمود غزنوی متواتر ہندوستان پر حملے کرتے رہے مگر ان کی مراجعت کے بعد ہی راجگانِ ہند ان کے عاملوں کا ہندوستان سے اخراج کرتے رہے۔

تاریخ فرشتہ میں مذکور ہے کہ مسلمانوں سے مقابلہ کے واسطے راجگان ہند نے تمام ملک سے چندہ جمع کیا تھا حتیٰ کہ سوت کاتنے والی عورتیں بھی چندہ میں شریک تھیں۔ اللہ اللہ مسلم دشمنی کا یہ عالم تھا۔

سلطان محمود کو ملک گیری مقصود نہ تھی بلکہ اس کا منشا محض اہلِ ہند کو ان کے تعصب کی سزا دینا تھا لہٰذا وہ فتحیابی کے بعد ہی اپنے ملک کو واپس چلا جاتا تھا مگر اس کے انتقال کے بعد سلاطین غزنہ نے ہندوستان کی طرف زیادہ توجہ نہیں کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راجگان ہند نے ان مسلمانوں پر جو سلطان محمود کے حملوں کے زمانہ میں یہاں سکونت پذیر ہو گئے تھے ظلم ڈھانے شروع کر دیئے، مسلمان نہایت ذلیل و خوار سمجھے جانے لگے۔ ان کو اذان اور صلوٰۃ سے منع کر دیا گیا عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی ممانعت کر دی گئی معمولی سی غلطی پر ان کو کڑی سزا

دی جاتی تھی یہ ظلم و تعدی کا سلسلہ پرتھوی راج چوہان کے زمانہ تک جاری رہا

دور پرتھوی راج جب پرتھی راج اجمیر اور دہلی کا راجہ ہوا تو اس نے ان تمام شہروں اور قصبوں کو دوبارہ آباد کیا جو سلطان محمود کے حملوں سے غیر آباد ہو گئے تھے اس نے اپنی قلمرو کے صدر مقامات میں بڑے بڑے بت خانے تعمیر کرائے اور ان کی کفالت کے لئے جاگیریں مقرر کیں اور ہر صدر مقام کے حاکم کو یہ حکم دیا[1] کہ ہر مندر کی مورت پر روزانہ ایک مسلمان کا خون بھینٹ چڑھایا جائے چنانچہ تمام ملک میں اس حکم کی تعمیل ہونے لگی۔ ناگور پرتھوی راج کے بھائی رائے بیسل خورد کے زیر حکم تھا جو اتنا ظالم راجہ تھا کہ رات کے وقت بھیروں کے استھان میں روزانہ ایک مسلمان بند کر دیتا تھا اور صبح مورت پر اس کو بھینٹ چڑھانے کے بعد کھانا کھاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان شہاب الدین غوری کے حملہ سے تین[2] چار سال قبل معہ اپنے دیوان اور بارہ ہزار ندباریوں کے حضرت قاضی حمید الدین ناگوری رح کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا مصنف افادات حمیدیہ نے یہ واقعہ اس طرح بیان کیا ہے کہ ۵۸۲ھ یا ۵۸۳ھ میں جب قاضی صاحب رح ناگور تشریف لائے تو ایک ضعیفہ تیلن کے گھر فروکش ہوئے۔ اس روز وہ نہایت رنجیدہ اور غمگین تھی جب قاضی صاحب رح نے اس سے کھانا پکا دینے کو کہا تو اس نے انکار کر دیا اور

---

۱ افادات حمیدیہ صفحہ ۶

۲ افادات حمیدیہ صفحہ ۱۲

اپنے رنج وغم کی یہ وجہ بتلائی کہ یہاں کا حاکم بھیل نہایت ظالم و جابر ہے روزانہ ایک مسلمان کو بھیروں کے بھینٹ چڑھا کر کھانا کھاتا ہے چنانچہ کل میرے اکلوتے بیٹے کی باری ہے جس کو آج رات بھیروں استھان میں بند کر دیا جائے گا اور صبح کے وقت مورت پر بھینٹ چڑھا دیا جائے گا قاضی صاحب نے یہ سن کر ضعیفہ کو تسلی دی اور اس کے لڑکے کے عیوض بھیروں استھان میں خود بند ہو جانے کا وعدہ فرمایا۔ آپ کے فرمانے سے ضعیفہ کو قدرے اطمینان ہوا اور اس نے آپ کو کھانا پکا کر کھلایا۔ مغرب کا وقت ہو گیا۔ آپ نے نماز مغرب علانیہ ادا کرنا چاہا۔ ضعیفہ نے آپ کو منع کیا اور کہا کہ اگر آپ ایسا کریں گے تو قتل کر دیئے جائیں گے مگر ع

اللہ کے بندوں کو آتی نہیں روباہی

آپ نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی اور نماز مغرب علانیہ ادا فرمائی۔ رات کو جب راجہ بھیل کے سپاہی ضعیفہ کے لڑکے کو لینے آئے تو آپ ان کے ہمراہ تشریف لے گئے اور بھیروں استھان میں جا کر بند ہو گئے یہاں رات بھر آپ معبود برحق کی عبادت میں مصروف رہے۔ صبح کے وقت جب بھیل کے سپاہیوں نے آ کر بھیروں کی مورت پر بھینٹ کے لئے آپ کو باہر نکالا تو مورت کو غایب پایا البتہ مورت کو گھسیٹ کر لے جانے کی ایک لکیر پڑی ہوئی تھی۔ راجہ کے سپاہی قاضی صاحب کو قتل کرنے کے بجائے اس مورت کی تلاش میں لگ گئے اور دیکھا کہ وہ سنگین پتھر کی مورت قلعہ ناگور کی برج کے نیچے پڑی ہے۔ تمام شہر میں اس واقعہ کی خبر پھیل گئی راجہ بھی مورت کی اس تحقیر پر بڑا شرمندہ ہوا۔!

قاضی صاحب اس اثنا میں ضعیفہ کے گھر تشریف لے آئے تھے۔ راجہ کی فوج اور
شہر کے آدمیوں نے آپ کا محاصرہ کر کے سنگ باری شروع کر دی کہتے ہیں
کہ آپ پر اس قدر پتھر برسائے گئے کہ بعد میں ان سے ایک مسجد تعمیر ہو گئی جو محلہ
خرادیاں میں واقع ہے۔ آپ ضعیفہ کے مکان میں بدستور یادِ حق میں مصروف
رہے اور آپ کو کوئی گزند نہیں پہونچا۔ راجہ اس واقعہ سے اور بھی متاثر ہوا
اور سمجھ گیا کہ آپ خاصانِ خدا میں ہیں۔ وہ مع اپنے دیوان اور بارہ ہزار
درباریوں کے حاضرِ خدمت ہو کر مشرف باسلام ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ آپ نے
اس راجہ کا نام سلطان زیرک اور دیوان کا نام خواجہ لعل رکھا۔

قصبہ کھاٹو میں پرتھوی راج کی بڑی رانی رہا کرتی تھی اس لئے یہاں بھی
مسلم کشی کا وہی عالم تھا جو ناگور اور دیگر مقامات میں تھا غرض کہ مسلمانوں
پر عرصۂ حیات تنگ تھا مگر کوئی چارہ کار بھی نہ تھا تڑپنے کے سوا وہ نہایت
عاجزی کے ساتھ شبانہ روز قادر مطلق سے اس ظلم سے چھٹکارا پانے کے
لئے دعا کیا کرتے۔ آخر کار ان بیکسوں کی دعا قبول ہوئی اور ان کی گلو خلاصی
کے لئے صوفیائے کرام کا ایک گروہ شہاب الدین محمد غوری کے حملوں سے
پہلے ۵۸۲ھ کے قریب ہندوستان میں وارد ہوا جس میں سے سید روشن علی
وغیرہ اجمیر میں سید محمد طاہر مشہدی کھاٹو میں سید انس مشہدی ڈیڈوانے میں
اور حضرت حمید الدین ریحانی ناگور شریف میں پہونچے ان کے قدوم میمنت
لزوم سے اسلام کا پرچم تب سے بلند ہوا یہ حضرات خفیہ اور علانیہ طور پر
تبلیغ اسلام فرماتے تھے اس کے بعد ۵۸۷ھ میں خاصانِ خدا کا دوسرا گروہ

حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری رح کی قیادت میں داخل ہندوستان ہوا جس کی تبلیغی مساعی نے ظلمت کدہ ہند کو نورِ اسلام سے جگمگا دیا۔

راجپوتوں کے دورِ حکومت میں ناگور کے ابتدائی تاریخی حالات پردۂ اخفا میں ہیں لیکن یہ وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی عہدِ حکومت کے ابتدائی دور میں جب شمالی ہند سلاطین غزنہ کے زیرِ نگیں آیا تو ناگور بھی اس حکومت کا ایک جزو بن گیا تھا۔

دورِ غزنوی غزنوی خاندان کے پندرہویں حکمراں بہرام شاہ غزنوی نے اپنی باغی رعایا کی سرکوبی اور تحصیلِ وصول کی خاطر ہندوستان پر دوبار فوج کشی کی اس کی پہلی یورش محمد بہالیم حاکم لاہور پر ہوئی، جس میں محمد بہالیم، ۲۷ رمضان ۵۱۲ھ مطابق ۱۱۱۸ء کو شکست کھاکر اسیر ہوا لیکن عہدِ وفاداری کر لینے کے باعث معاف کر دیا گیا اور بدستور حاکم لاہور بحال رہا۔ بہرام شاہ کے غزنی واپس چلے جانے کے بعد محمد بہالیم نے ناگور صوبہ سوالک میں ایک مستحکم قلعہ تعمیر کرایا جس میں اس نے اپنے اہل و عیال اور مال و متاع کو منتقل کر کے عربوں، ایرانیوں، افغانیوں اور خلجیوں پر مشتمل ایک فوج فراہم کی اور ہندوستانی ریاستوں پر بڑی کامیاب تاخت و تاراج شروع کر دی۔

سلطان بہرام کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے ہندوستان پر دوبارہ یورش کی۔ محمد بہالیم سلطان سے مقابلہ کے لئے ملتان تک آیا اس کے ہمراہ علاوہ افواج اس کے دس لڑکے بھی تھے۔ ملتان کے قریب فریقین میں جنگ ہوئی

لیکن اس مرتبہ ناشکر گزاری کی لعنت اس پر برق تپاں بن کر گری وہ شکست خوردہ راہ فرار میں بھاگ کر مع اپنے دسوں فرکول او جاں نثاروں کے دفعتاً ایک عمیق غار میں گر پڑا اور تباہ ہو گیا۔

اس فتح کے بعد سلطان بہرام نے سالار حسن بن ابراہیم علی کو ہندوستان میں اپنے مفتوحہ علاقوں کا حاکم مقرر کیا اور خود غزنی مراجعت کر گیا۔

بعض مورخین نے تاج المعاصر نیز دیگر تواریخ کی اسناد پر بیان کیا ہے کہ ۵۹۲ سنہ ھ میں ناگور کے راجہ نے باشتراک دیگر راجگان ہندوالی نہروالہ کو مسلمانوں پر حملہ کی دعوت دی اس وقت قطب الدین ایبک اجمیر شریف میں تھا جب اس کو راجپوتوں کے اس سازباز کی اطلاع ہوئی تو وہ پیشقدمی کر کے معینہ جگہ پر پہونچ گیا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں وہ فتحمند ہوا اور براہ انکر دہلی مراجعت کر گیا۔

حاجی الدبیر نے طبقات ناصری کے حوالہ سے اپنی عربی تاریخ گجرات میں تحریر کیا ہے کہ امیر اختیار الدین محمد بن بختیار جو غور کا باشندہ اور قبیلہ خلجی سے تھا سلطان معز الدین محمد غوری کے عہدِ حکومت میں اس مقصد سے غزنی پہونچا تاکہ فوج میں نامزد ہو جائے۔ سلطان کے عملہ میں شامل ہونے کے بعد وہ دہلی گیا لیکن اپنے فرائض منصبی میں قطب الدین ایبک کی ہمنوائی نہ کر سکنے کے باعث واپس غزنی آگیا اور اپنے چچا امیر محمود بن محمود کے پاس رہنے لگا۔

گلاب رائے پتھورا کے خلاف جنگ میں وہ بھی اپنے چچا کے ساتھ تھا جس میں اس نے پتھورا کو پسپا کیا بعد ازاں وہ اپنے بھائی علی محمد بن سبکتگین حاکم ناگور کے

پاس چلا آیا۔ قنوج بھی ناگور میں شامل کر لیا گیا جس کے باعث امیر علی کا حلقۂ اختیار وسیع تر ہو گیا اس لئے اپنے بھائی محمد کو کاشمنڈی کی فرمانروائی کا اعزاز بخشا لیکن اختیار الدین محمد اس کے ساتھ رہا جب امیر محمد بن محمود کاشمنڈی میں دوران جنگ شہید ہو گیا تو اختیار الدین محمد نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور امیر علی کو اس کے بھائی کی جگہ مقرر کر کے خود مستقل طور پر امیر ہو گیا اس کے بعد اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی نے اور بہت سی فتوحات حاصل کیں۔ یہی بنگال کا پہلا مسلم حکمراں تھا۔ ۶۰۲ھ مطابق ۱۲۰۶ء تک سریر آرائے سلطنت رہا۔

پہلی اسلامی ٹکسال یہ حقیقت محتاج بیان نہیں ہے کہ ناگور ہندوستان میں مسلمانوں کے عہد حکومت کے ابتدا ہی سے زیر نگیں آگیا تھا۔ ۶۰۷ھ مطابق ۱۲۱۰ء میں جب سلطان شمس الدین التمش آرام شاہ پر فتحیاب ہو کر سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے اپنا سکہ جاری کیا جس پر مذہبی آیات بادشاہ کا نام اور گھوڑے پر سواری کی تصویر اور ٹکسال کا نام کندہ تھا تھامس نے ان سکوں میں سے ایک سکہ کا حوالہ دیا ہے جو ناگور کی ٹکسال میں ۶۱۰ھ مطابق ۱۲۱۳ء التمش کے دور حکومت کے دوسرے سال میں بنایا گیا تھا اس سے راجپوتانہ کے اس حصہ پر بھی التمش کی شہنشاہیت صاف طور پر واضح ہو جاتی ہے۔ التمش پہلا مسلمان بادشاہ ہے جس نے سب سے پہلے اپنے سکے ناگور میں ڈھلوائے تھے اس کے بعد غیاث الدین الغ خاں بلبن نے بھی اپنے سکے ناگور کی ٹکسال ہی میں بنوائے۔

سلطان التمش نے ۶۲۳ھ مطابق ۱۲۲۶ء میں رنتھنبور کو ہندوؤں کے قبضہ سے آزاد کرایا اس کے بعد سوالک کے حدود میں منڈور کا قلعہ فتح کیا۔

قلعہ منڈور کی تسخیر کے بعد سلطان دارالخلافہ میں مراجعت کر آیا تاکہ خلیفۂ بغداد کے سفرا کا استقبال کرے جو ۶۲۶ھ مطابق ۱۲۲۸ء میں خلیفہ کی جانب سے معہ اعزاز اور بیش بہا تحائف بمراہ بندرگاہ دیبل ناگور کی حدود سے گزر کر دہلی پہونچے تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بغداد کے سفرا نے دیبل سے دہلی تک کی مسافت اس دور کی عام گرانڈ ٹرنک روڈ کے ذریعہ طے کی ہوگی اس سے عربوں کی ابتدائی فتوحات کے دائرے کا اندازہ کیا جاسکتا ہے فاتح اعظم محمد بن قاسم کا جانشین مر سکی زیادہ عرصہ زندہ نہ رہا۔ اس کے بعد جنید بن عبدالرحمٰن المری ۱۰۷ھ مطابق ۷۲۵ء میں گورنر سندھ مقرر ہوا اس نے محمد بن قاسم کی یاد تازہ کی حالانکہ اس کی فتوحات دیرپا ثابت نہیں ہوئیں مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جنید کی سرگرمیوں نے عرب حکومت کا دائرہ وسیع کیا اور اس باب میں وہ محمد بن قاسم پر سبقت لے گیا۔ اندرونی شورشوں سے انفراغ حاصل کرنے کے بعد اس نے سب سے پہلے کیراج پر لشکرکشی کی اور اس کے کچھ دن بعد مانڈل پر حملہ کیا اور قلعہ منڈور فتح کیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ عرب ایک طرف سے راجپوتانہ کی حدود میں داخل ہوگئے تھے اور انھوں نے ایک شاہراہ دیبل سے منڈور تک

بنا دی تھی یہی شاہراہ بعد میں دہلی تک پہنچائی گئی۔ بغداد کے سفراء نے براہ ناگور اسی شاہراہ سے سفر کیا تھا۔

التمش کے دورانِ حکومت میں ملک تاج الدین بن الغین خوارزمی سوالک کے حاکم ملک کریم الدین حمزہ کے ہاں ناگور میں ملازم تھا ملک کریم الدین اس صوبہ کا گورنر تھا۔

ملک تاج الدین اچ کی طرف چلا گیا اور ملک ناصر الدین قباچہ کا ہمنوا ہو گیا جب سلطان جلال الدین الخوارزم شاہ سندھ کی حدود میں داخل ہوا تو تاج الدین بن الغین اچ سے سلطان جلال الدین خوارزم کی معیت میں کرمان تک گیا جہاں سلطان خوارزم شاہ نے اس کو کن اور لک کے اضلاع تفویض کیے۔

بعد ازاں سلطان التمش کے دور حکومت میں ملک معز الدین بلبن کاشلو کو ناگور کا علاقہ اور ایک ہاتھی سلطان کی طرف سے تفویض ہوئے۔

دور سلطان ناصر الدین جب سلطان ناصر الدین تخت نشین ہوا تو ملک عز الدین نے درخواست کی کہ اچ اور ملتان کے علاقے بھی اس کے زیر اقتدار کر دیئے جائیں۔ سلطان نے ملک عز الدین کی اس درخواست کو اس شرط کے ساتھ شرف قبولیت بخشا کہ وہ سوالک اور ناگور سے بیکدوش ہو جائے نیز سلطنت دہلی کو اختیار ہو گا کہ الغ خاں اعظم کے بھائی ملک سیف الدین ایبک کا شلی خاں ان علاقوں کے لئے نامزد کر دے۔ ۶۴۴ھ مطابق ۱۲۴۶ء میں ملک عز الدین سلطان ناصر الدین کی افواج میں مع

اپنے دستہ فوج شامل ہوگیا تاکہ مغلوں کو پسپا کیا جاسکے ۶۴۷ھ مطابق ۱۲۴۹ء میں ملک سیف الدین ایبک کاشلی خاں امیر حاجب بنادیا گیا اور صوبہ ناگور اس کے اقتدار میں دے دیا گیا۔

طبقات ناصری میں مذکور ہے کہ ۶۴۹ھ میں ملک بلبن کاشلو خاں نے ناگور میں متمردانہ طرز عمل اختیار کیا جس کے باعث سلطان کو اس کے خلاف قدم اٹھانا پڑا۔ اسی سال کے چوتھے مہینہ میں ملک بلبن کو بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوکر معافی کا خواستگار ہونا پڑا لیکن معافی نامہ سلطانی ناگور پہونچنے سے قبل وہ شیر خاں کے ہاتھوں اسیر ہوگیا۔ ملک العظام الغ خاں اعظم افواج لے کر ناگور کی طرف بڑھا دریائے سندھ کے کنارے اس میں اور ملک شیر خاں میں محاربہ ہوا نتیجہ میں شیر خاں شکست کھا کر شمالی ترکستان کی طرف فرار ہوگیا۔

۶۵۱ھ مطابق ۱۲۵۳ء میں الغ خاں اعظم ہانسی سے کوچ کر کے ناگور میں قیام پذیر ہوا۔ سلطان نے ہانسی کا پرگنہ امیر حاجب کے عہدہ کے ساتھ شہزادہ رکن الدین فیروز شاہ کو تفویض فرمایا۔

احکام سلطانی کی اتباع میں الغ خاں اعظم نے ایک لشکر جرار کیساتھ قلعہ رنتھنبور کی طرف رخ کیا۔ ہندوستان کے بڑے بڑے راجے مہاراجے عمائدین اور سوسار نے اس کے مقابلہ کے لئے افواج جمع کیں مگر مسلمانوں نے وہ بہادری اور شجاعت دکھائی کہ راجپوت سورما بری طرح میدان ہار گئے مسلمانوں کے ہاتھ بہت سامان غنیمت آیا۔ الغ خاں کی بدولت ناگور کو اور

بھی اہمیت حاصل ہوئی۔

عماد الدین کی عہدۂ وزارت سے علیحدگی

عماد الدین ریحانی اور الغ خاں میں اس بنا پر مخاصمت رونما ہوئی کہ ایک دفعہ اول الذکر کی ریشہ دوانیوں کے باعث موخر الذکر کو عدالت شاہی سے نکال دیا گیا تھا۔ الغ خاں نے عماد الدین ریحانی کو بے دخل کرنے کی خاطر ناگور سے کوچ کیا ان دونوں میں محاربہ ہوا۔ اور عماد الدین نے سلطان ناصر الدین محمود شاہ کو مشورہ دیا کہ بنفس نفیس اقدام کر کے باغیوں کی سرکوبی کرے چنانچہ سلطان نے لشکر شاہی کے ساتھ جانب سنام کوچ کیا اور وہاں ۶۵۲ھ مطابق ۱۲۵۴ء میں عید الفطر منائی۔ اس وقت الغ خاں بتر ہندا میں تھا اور اس کے ساتھ ملک تاج الدین۔ ملک ارسلان خاں۔ ملک سنجر چشت بت خاں۔ ملک سیف الدین۔ ملک ایبک اور ختائے ملک جلال الدین مسعود شاہ جیسے سرداروں کی افواج بھی تھیں۔

طرفین کے سرداروں نے مصالحت کا مشورہ دیا۔ غیر مطمئن سرداروں نے سلطان کے پاس یہ معروضہ پیش کیا کہ وہ سب فرماں برداری کے لئے تیار ہیں مگر اس شرط پر کہ عماد الدین ریحانی کو دربار سلطانی سے برطرف کر دیا جائے کیونکہ اس کی ریشہ دوانیوں اور مغلوب الغضبی سے انھیں فلاح کی امید نہیں چنانچہ سلطان نے ان کی یہ درخواست منظور کر لی اور عماد الدین کو عہدۂ وزارت سے برطرف کر کے اس کو پرگنہ بدایوں تفویض فرما دیا۔

ملک تاج الدین سنجری تبر خاں سلطان شمس الدین التمش کا زر خرید تھا جس کو سلطان نے امیر حاجب کے عہدہ پر فائز کیا تھا لیکن سلطان

ناصر الدین نے اس کو تنزل کر کے نائب امیر حاجب بنا دیا۔ جب الغ خاں نے ناگور کی طرف فاتحانہ شان سے کوچ کیا تو اس نے الغ خاں کے مقاصد کو فروغ دینے کے لئے اور اس کی رفاقت حاصل کرنے کے لئے خود کو پوری طرح وقف کر دیا اور الغ خاں کے مزید عروج کے بعد بھی وہ اس کے ساتھ نہایت صلح و آشتی سے پیش آتا رہا۔

یہاں اس حقیقت کا اظہار کر دینا بھی ضروری ہے کہ ہندوستان میں اشاعت اسلام کا باعث مجاہدین کی شجاعت و ایثار ہی نہیں تھا بلکہ اس کا بڑا سبب صوفیاء کرام اور اولیائے عظام کی روحانیت تھی جن کی خاموش اور موثر رشد و ہدایت نے اسلام کو ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا۔ ہر وہ شہر جو اپنے پیچھے ایک تاریخی پس منظر رکھتا ہے اولیائے عظام کی خانقاہوں کے لئے بھی مشہور ہے جن کی عظمت و عقیدت کا سکہ آج تک لاکھوں انسانوں کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے اور وہ ان کے سالانہ عرس میں دور دراز مقامات سے آکر شرکت کرتے ہیں اور اپنے لئے سعادتِ دارین تصور کرتے ہیں۔ اس باب میں ناگور کا مقام بہت بلند ہے اور ہندوستان میں اجمیر شریف کے بعد اسی کا نمبر ہے۔ ناگور کے مشہور ترین اولیا حضرت صوفی سلطان التارکین حمید الدین ناگوری۔ حضرت فرید الدین چاک پراں نبیرہ حضرت سلطان التارکین۔ حضرت خواجہ مخدوم حسین ناگوری نبیرہ حضرت سلطان التارکین کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان بزرگوں کی بدولت سلسلۂ چشتیہ کی تعلیمات کو پورے راجستھان میں بڑا فروغ حاصل ہوا۔ حضرت

سلطان التارکین صوفی حمید الدینؒ حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ کے خلفائے عظام میں سے ہیں۔ آپ کا وصال ۵۷۳ھ میں ہوا۔ آپ کا مزار پر انوار ناگور میں ہے۔

ناگور شریف بڑا متبرک مقام ہے۔ یہاں بڑے بڑے صوفیاء کرام اور اولیاء عظام کے مزارات ہیں جنہوں نے اس علاقہ میں خفیہ اور علانیہ طور سے اس دور میں تبلیغ اسلام کی جس کا مختصر سا حال گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے جس کے تصور سے انسانیت کا نپ کانپ اٹھتی ہے۔

ہفت حمید ناگور میں حمید نام کے سات بزرگ ہوئے ہیں جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) حمید الدین ریحانی۔ آپ جلیل القدر بزرگ ہیں کہتے ہیں کہ آپ غازی معز الدین سام المشہور شہاب الدین غوری کے حملوں سے قبل ۵۸۶ھ میں ناگور تشریف لائے اور حالات کے ناساز گار ہونے کے باعث خفیہ طور پر تبلیغ اسلام فرمایا کرتے تھے۔ آپ سنسکرت کے جید عالم تھے۔ ہندو مسلمان دونوں آپ کو اپنا پیشوا مانتے تھے اس لئے آپ کے انتقال پر جنازہ اٹھانے کی بابت ہندو مسلمانوں میں جھگڑا ہوا ہر فریق آپ کی تجہیز و تکفین اپنے طریقہ پر کرنا چاہتا تھا۔ اکثریت کی بناء پر اس جھگڑے میں ہندو غالب آئے اور آپ کی نعش کی ارتھی بنا کر ماہی دروازے کی طرف چلے مگر راستہ میں نعش غایب ہوگئی۔ جب ہندوؤں نے پتہ چلایا تو معلوم ہوا کہ نعش مبارک مسلمانوں کے مجمع میں موجود ہے۔ ہندوؤں نے آپ کی نعش کو دوبارہ اٹھانا چاہا مگر نہ اٹھی

اس کے بعد مسلمانوں نے آپ کی تجہیز وتکفین بطریقہ اسلام انجام دی ہندوؤں نے بھی آپ کی ارتھی کے پھول لے جاکر نو چھتریوں میں دفن کئے۔ اس روز سے آج تک کسی ہندو کی ارتھی ماہی دروازے سے نہیں نکلتی۔

(۲) حمید الدین مغربیؒ:۔ آپ بڑے صاحب کرامت بزرگ گزرے ہیں آپ کا مزار حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین رح کی درگاہ کے احاطہ کی پشت پر ہے۔

(۳) حمید الدین خوئی رح
(۴) حمید الدین عصا رح
(۵) حمید الدین خاصہؒ

ان ہرسہ بزرگوں کے مزارات ماہی دروازے کے باہر احاطہ سہروردیان میں متصل مزار حضرت مولانا ظہیر الدین رح واقع ہیں۔

(۶) قاضی حمید الدین رح:۔ آپ کا اسم گرامی محمد بن عطا ہے۔ ہندوستان کے قدیم مشائخ میں سے ہیں۔ علوم ظاہری وباطنی میں کامل تھے۔ خواجہ قطب الدین بختیار قدس سرہ کے مصاحبین میں سے تھے۔ اگرچہ آپ کو سلسلہ سہروردیہ سے بھی نسبت ہے۔ آپ شہاب الدین سہروردی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ سماع سے والہانہ ذوق رکھتے تھے۔ آپ کے حضور میں علمائے وقت کا مجمع رہتا تھا۔ آپ بہت سی تصانیف کے مالک ہیں آپ کا انداز بیان عشق ومستی سے بھرپور ہے۔ آپ کی مشہور تصنیف طوالع شموس ہے اس میں اسمائے ربی کی شرح بیان کی گئی ہے۔ مطالب نہایت بلند اور انداز بیان نہایت موثر ہے۔ آپ جامع علوم شریعت، طریقت اور حقیقت تھے۔ آپ کے مزاج میں ظرافت اور شوخی بھی تھی۔ آپ کا انتقال دہلی میں ہوا۔ مزار مبارک خواجہ

قطب الدین بختیار کے پائیں ایک اونچے چبوترے پر واقع ہے ناگور کا راجہ بیل جو پرتھوی راج کا بھائی تھا معہ اپنے دیوان اور بارہ ہزار درباریوں کے آپ کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوا تھا۔ راجہ کا نام آپ نے زیرک اور دیوان کا نام خواجہ لعل رکھا تھا۔ آپ بڑے پایہ کے شاعر بھی تھے کہتے ہیں کہ آپ کی اس رباعی پر حضرتِ قطب الدین بختیار پر رقت طاری ہو گئی تھی۔

رباعی	ترجمہ
آں عقل کجا کہ در کمال تو رسد	وہ عقل وفہم کہاں جو تیرے کمال کا ادراک کر سکے
آں روح کجا کہ در جلال تو رسد	وہ روح کہاں جسکو تیرے جلال تک رسائی ہو
گیرم کہ تو پردہ گرفتی ز جمال	میں مانتا ہوں کہ تو نے اپنا جمال بے نقاب کر دیا ہے
آں دیدہ کجا کہ در جمال تو رسد	مگر وہ بصیرت والی آنکھ کہاں سے لائیں جو اس کی حقیقت آشنا ہو۔

اس واقعہ کی تفصیل حضرت عبدالحق محدث رح نے اخبار الاخیار میں لکھی ہے۔

(۷) حمید الدین صوفی رح الملقب سلطان التارکین۔ آپ کا مفصل حال اس کتاب زیر تصنیف میں قلمبند کیا جائے گا۔

ان بزرگان کے علاوہ حضرت شیخ کبیر رح حضرت شیخ فرید الدین چاک پراں حضرتِ خواجہ مخدوم حسین ناگوری رح نبیرگان حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری رح اور ان کے خلفاء میں حضرت شیخ احمد مجد شیبانی رح اور مولانا ضیاء الدین نخشبی رح ناگور کے مشہور اولیائے عظام میں سے ہیں جن کا حال حضرت سلطان التارکین رح کے خلفاؤں کے باب میں بیان کیا

جائے گا۔

بادشاہ محمد تغلق حضرت فرید الدین چاک پراں علیہ الرحمت نبیرہ حضرت سلطان التارکین کا بے حد معتقد تھا۔ اس نے اپنی صاجزادی مسماۃ راستی بیگم کی شادی بھی میاں فتح اللہ کے ساتھ کی تھی جو حضرت فرید الدین چاک پراں رح کے پوتے تھے۔

حضرت سلطان التارکین رح کی خانقاہ، احاطہ اور بلند دروازہ کی تعمیر بھی سلطان محمد تغلق نے ۷۳۲ھ میں بصرف کثیر کرائی تھی۔

مسٹر گیرک نے مقامی اسناد کی بناء پر نتیجہ اخذ کیا ہے کہ حضرت صوفی سلطان التارکین ؒ نے سب سے پہلے ناگور میں سکونت اختیار فرمائی تھی۔ مسٹر گیرک کا یہ قول تاریخی اعتبار سے صحیح ہو یا نہ ہو مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کی ذات بابرکات سے ناگور کی شہرت اور ہندوستان کے تمام مسلمانوں کے تمدنی فروغ میں چار چاند لگ گئے۔

خزینۃ الفتوح میں حضرت امیر خسرو نے علاؤ الدین خلجی کا حال لکھتے ہوئے مغلوں کی شکست کو بایں الفاظ بیان کیا ہے۔

"جب قبائلیوں کی جنگجو افواج (غضب اللہ علیہ) ہندوستان کے سرسبز مرغزاروں میں موسم خزاں کی طرح داخل ہوئیں تو سرزمین سندھ غبار سے تہ و بالا ہو گئی اور وہاں کے باشندے خزاں کی جھڑی ہوئی پتیوں کی طرح منتشر ہو گئے لیکن تباہ کاری کی باد سموم سرزمین کہرام اور سمانا کے علاقوں

کو متاثر نہ کرسکی اور اس نے صحرائے ناگور کی طرف رخ پلٹا اور وہاں کی آبادی کو زیر و زبر کر کے سرنگوں کیا۔ جب ان ناسزاواران ازلی اور مردار خواہان ابدی کا علاقہ وسیع ہوگیا جن کی قیادت شکاری کئے کر رہے تھے تو ناگور کا شیریں علاقہ جو صندل سائیدہ کی طرح خوشبودار ہے سرگرم عمل ہوا تمام حالات کی تفصیل علاؤالدین خلجی کو ذریعہ قاصد پہونچائی گئی۔ خبر ملتے ہی سلطان علاؤالدین خلجی نے ملک کافور کو افواج شاہی کے ساتھ فتنہ کی بیخ کنی کے لئے ناگور بھیجا۔ سلطانی افواج نے اپنے شکار کو پالیا اور منگول (بک رکتے) کے تمام ساتھی یا تو قتل کر دیئے گئے یا ان کو دہلی لے جاکر قید کر دیا گیا۔"

حضرت امیر خسرو کی مندرجہ بالا تحریر سے یہ نتیجہ بآسانی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس دور میں ناگور اپنے گلاب کے لئے مشہور تھا چنانچہ آج بھی باوجود پراگندگی اور ابتری ناگور کے گلاب تمام راجستھان میں مشہور ہیں۔

محمد تغلق کی ناگور سے وابستگی | تغلق خاندان کے عہد حکومت میں بھی ناگور سلطنت کا ایک اہم جزو اور گوناگوں سرگرمیوں کا مرکز رہا ہے۔

مسٹر ٹاڈ نے لکھا ہے کہ خلجی دور حکومت میں جب چوہان راجگان کا تسلط رنتھنبور سے جاتا رہا تو راجہ مالدیو کے لڑکے نے دہلی پہونچ کر سلطان محمد خلجی کو مہارانا ہمیر کے خلاف اقدام کی ترغیب دی۔ سلطان نے بے سوچے سمجھے مہارانا ہمیر پر فوج کشی کر دی مگر نتیجہ میں شکست ہوئی اور تین ماہ مسلسل قلعہ چتوڑ میں مقید رہا بالآخر اپنی رہائی کے لئے اس نے رانا ہمیر کو اجمیر

رنتھنبور، ناگور اور سوئس پور کے علاقے دیئے۔

ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے اپنے جریدہ "Ragore a[1]
Forgotten Kingdom" مطبوعہ دکن کالج پونا ۱۹۴۱ء
میں مسٹر ٹاڈ سے اختلاف کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ رانا ہمیر کا یہ محاربہ محمد خلجی
کے بجائے محمد تغلق سے ہوا تھا حالانکہ کسی مستند تاریخ میں اس کے شواہد
نہیں ملتے۔

اسی جریدہ میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے مسٹر گیرک کے اس قول
سے بھی اختلاف کیا ہے کہ بلند دروازہ درگاہ معلیٰ حضرت سلطان التارکین
کی تعمیر ۶۳۲ھ مطابق ۱۲۳۵ء میں سلطان محمد تغلق نے کرائی تھی فرماتے ہیں
کہ جو کتبہ مسٹر گیرک کو دستیاب ہوا اگر وہ محمد بن تغلق کے عہد کا ہوتا تو اس
کا سن ۷۳۲ھ مطابق ۱۳۳۲ء ہونا چاہیئے تھا۔ یہاں ہمیں ڈاکٹر صاحب
سے اتفاق ہے مسٹر گیرک سے کتابت کی غلطی کی بناء پر بجائے ۷۳۲ھ
۶۳۲ھ تحریر ہو گیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے خیال کے مطابق یہ تعمیر بلند دروازہ فیروز شاہ تغلق
کے عہد سے متعلق ہو سکتی ہے جیسا کہ اس کی صناعی غمازی کرتی ہے۔
آگے چل کر ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ان کے پاس دو تحریریں بھی موجود
ہیں جن میں سے ایک لاڈنو کے متعلق ہے اور دوسری ڈیڈوانہ کے متعلق

---

[1] صفحہ ۵

جن کے سن ۷۷۸ھ اور ۷۷۹ھ ہیں جن پر واضح طور پر فیروز شاہ تغلق کا نام درج ہے اس سے یقین کیا جاتا ہے کہ مرکزی اسلامی حکومت کی مطلق العنانی اس دور میں بھی ہر جگہ تسلیم کی جاتی تھی ممکن ہے کہ فیروز شاہ کے بعد راجپوتانہ کے کچھ مقامات منجملہ ناگور راجپوت حکمرانوں کے زیر اقتدار آ گئے ہوں کیونکہ ۷۹۸ھ مطابق ۱۳۹۵ء میں ظفر خاں والیٔ گجرات نے منڈور کے راجپوتوں پر فوج کشی کی تھی اور ایک سال کے محاصرہ کے بعد وہاں کے راجہ کو شکست دی تھی اس کے بعد وہ پاپیادہ زیارت کے لئے اجمیر شریف آیا تھا اور وہاں سے سانبھر، ڈیڈوانہ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ اور وہاں کے ہندوؤں کو پسپا کیا تھا اور دلواڑہ اور جالور کے باغیوں کی سرکوبی کر کے پاٹن چلا گیا تھا۔

ہمیں ڈاکٹر صاحب موصوف کی اس تحقیق سے اتفاق نہیں کیونکہ حضرت فرید الدین چاک پراں نبیرہ حضرت سلطان التارکین جو سلطان محمد تغلق کے پیر طریقت تھے سرور الصدور میں فرماتے ہیں کہ

"دروازہ خانقاہ حضرت شیخ حمید الدین رح ہم بسعی شیخ فرید الدین بادشاہ محمد تغلق کنانیدہ است چنانچہ فرمان بادشاہ مذکور ہم بنا بر بنائے خانقاہ آمدہ اینست:-

ماموردار و کارکنانِ ناگور بدانند کہ

ایں فرمان اعلیٰ نفاذ یافت تا ایشاں

مقبرہ کہ در ناگور نسبت آبا و اجداد

شیخ امام ہمام عالم عابد متقی متدین
ناسک سالک فرید الملۃ والدین
معین طریقت نصیر شریعت معدن
الزہاد و منبع العباد قدوۃ المفسرین
ملک المشائخ محمود سعید صوفی دامۃ
فضائلہ دارد آنہ عمارت کنند و
خرج آں از محصول ناگور بدہند و
برحکم فرماں روند تا پسندیدہ افتد
بمشیت اللہ تعالیٰ وعونہٖ۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

"سلطان محمد تغلق خواست کہ روضہ
برمزار پر انوار حضرت سلطان
التارکین بنا کند روزے خفتہ بود
چوں بیدار شد دید کہ بسینہ وے
یک پارچۂ قرطاس افتادہ است
و براں ایں بیت نوشتہ بود ؎

قبہ ام آسمان و فرش زمیں
روضۂ صوفی حمید الدیں

سلطان از داعیہ قبہ باز ماند و دروازہ

دخانقاہ واحاطہ طیار کنانید رسالہ

بریں فرمان بخط طغریٰ باین عبارت

بود۔

رسالہ بامر الاعلیٰ اعلاہ اللہ دنفدہ

شرقاً وغرباً دتبلیغ صدر امام عالم

باورع متقی متدین نور الملۃ والدین

معین الشریعت قوۃ العلما ابو محمد

اوہمی زیدہ فضایلتہ فی السادس

عشر من ذالحجہ ۸۳۲ھ اثنتے

وثلثین وسبعمایہ

ان دستاویزی شواہد کی موجودگی میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی قیاس آرائی کو کوئی اہمیت نہیں دی جا سکتی اس باب میں مسٹر گیرک کی رائے صائب ہے۔

شمس الدین دندانی اور اسکے خاندان کی ناگور پر حکومت

ناگور شریف میں ایک بہت بڑا تالاب ہے جس کو شمس تالاب کہتے ہیں اور ایک بہت بڑی مسجد ہے جو شمس مسجد کے نام سے موسوم ہے۔ صاحب افادات حمید[1] لکھتے ہیں کہ شمس الدین دندانی جو اس تالاب اور مسجد کا بانی ہے ایران کا شہزادہ تھا

---

[1] افادات حمید صفحہ ۷۳

اس کے دانت بڑے بڑے تھے اور آگے کو نکلے ہوئے اس لئے دندانی
کہلاتا ہے۔ منجموں نے اس مولود کو شاہ ایران کے حق میں نحس قرار دیا تھا
اس لئے بادشاہ نے بغرض پرورش اس کو شمس الدین التمش کے پاس
ہندوستان بھیج دیا تھا شمس الدین التمش نے اس پر نوازشات خسروانہ
کیں اور پرگنہ ناگور جاگیر میں عطا فرمایا۔ دوران قیام ناگور اس نے شمس
تالاب اور اس پر مسجد تعمیر کی شمس تالاب پر اس کا بہت بڑا مقبرہ بنا
ہوا ہے۔

پروفیسر کمسریٹ نے مرات سکندری کی سند پر شمس خاندان کا مخرج
واضح کیا ہے کہ سلطان معظم محمد تغلق کے عہد حکومت میں ولیعہد سلطنت
شہزادہ فیروز ایک مرتبہ شکار کے لئے گیا اور اتفاق سے اپنے ہمراہیوں
سے بچھڑ گیا اور راستہ بھول گیا اور آخر کار تعلقہ تھانیسر میں قیام پذیر ہوا
جو پنجاب کے ضلع سرہند میں واقع ہے اس قصبہ کے سربراہ سادھو
اور سہران دو بھائی تھے جو صاحب دولت و ثروت تھے اور راجپوتانہ
کے قبیلہ ٹانک سے تعلق رکھتے تھے ولیعہد کا انھوں نے بڑے تپاک
سے خیر مقدم کیا۔ ولیعہد ان کی بہن پر شیدا ہو گیا جب ولیعہد نے اپنے
حسب نسب کے متعلق ان کو یقین دلایا تو اس کا نکاح اس لڑکی سے
کر دیا گیا۔ شادی کے بعد شہزادہ فیروز اپنے دونوں سالوں کے ہمراہ
دہلی آیا انھوں نے بھی اپنی قسمت آزمائی کے لئے ولیعہد کیساتھ
رہنا پسند کیا کچھ عرصہ بعد دونوں بھائی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے سہران

کی وفاداری اور اخلاص کے صلہ میں اس کو دربارِ سلطانی سے وجیہہ الملک کا خطاب عطا ہوا۔ جب فیروز تغلق دہلی کے تخت پر جلوہ افروز ہوا تو اس نے وجیہہ الملک کے دونوں صاحبزادوں کو جن کا نام ظفر خاں اور شمس خاں تھا حلقۂ امرا میں شامل کرلیا اور ان کو باڈی گارڈ کے معززعہدوں پر فائز کر دیا ظفر خاں ۳۰ جون ۱۳۴۳ء میں تولد ہوا تھا جب اس کو ۱۳۹۱ء میں نئے خطاب سے سرفراز فرمایا گیا اور صوبہ گجرات کا صوبہ دار مقرر کیا گیا تو وہ شباب کی منزلوں سے آگے نہ بڑھا تھا۔!

گجرات کا پہلا مسلماں حکمراں منگلوں کے حملوں سے جب مرکزی حکومت کا شیرازہ منتشر ہوگیا اور تغلق حکومت زوال پذیر ہوگئی ظفر خاں کے لڑکے تاتار خاں کے دل میں دہلی پر حکمرانی کی خواہش پیدا ہوئی۔ ظفر خاں اس وقت گورنر گجرات تھا اس نے اپنے والد کو دہلی پر فوج کشی کی ترغیب دی۔ ظفر خاں کی عمر اس وقت ساٹھ سال ہوچکی تھی وہ گجرات پر اپنے خود مختارانہ اقتدار پر قانع تھا۔ اس نے تاتار خاں کی اس خطرناک مہم سے اتفاق نہیں کیا چنانچہ تاتار خاں نے اپنے والد کو نظر بند کرکے گجرات کی خود مختار حکمرانی کا اعلان کر دیا اور محمد شاہ لقب اختیار کیا۔ بعد ازاں اس نوجوان حکمراں نے تخت دہلی پر قبضہ کرنے کے خیال سے کوچ کیا۔ ظفر خاں نے محبس سے ایک دوست کو خفیہ طور پر اپنے بھائی شمس خاں کے پاس بھیجا تاکہ اسے اپنے بیٹے کی اس ناشائستہ حرکت

سے مطلع کرے اور اسے تاتار خاں کے قتل کی ترغیب دی تاکہ وہ قید
سے رہائی حاصل کر سکے۔ چنانچہ شمس خاں نے تاتار خاں کو قصبہ سیتور میں
زہر دے دیا۔ تاتار خاں نے حالانکہ صرف دو ماہ حکمرانی کی مگر وہ گجرات
کا پہلا مسلمان حکمراں کہلایا جا سکتا ہے۔ ظفر خاں دوبارہ برسر اقتدار آنے
پر دار الخلافہ پٹن کو بحیثیت مظفر شاہ سلطان والی گجرات لوٹا۔ کہتے ہیں
کہ اس دن سے مظفر شاہ کی آنکھ سے آنسو کبھی نہیں رکے۔ اس نے کئی
بار چاہا کہ سلطنت اپنے چھوٹے بھائی شمس خاں کو سپرد کر کے خود گوشۂ
تنہائی اختیار کر لے مگر اس کے بھائی نے اس کی یہ تجویز منظور نہیں کی
آخر اس نے شمس خاں کو ناگور بھیجا تاکہ جلال خاں کھوکھر سے وہاں کی حکومت
اپنے قبضہ میں لائے۔ بعد ازاں مظفر شاہ نے احمد خاں کے لڑکے سلطان
محمود کو اپنا جانشین قرار دیا یہی احمد خاں مظفر شاہ کے بعد احمد شاہ اول کے
لقب سے تخت نشین ہوا۔ یہی احمد شاہ بانیٔ احمد آباد ہے۔

۸۱۹ھ مطابق ۱۴۱۶ء میں سلطان ہوشنگ والیٔ مالوہ نے فوج
فراہم کرنی شروع کی اور شمس خاں دندانی کو ناگور لکھا کہ اگر وہ تعاون کرے
تو پاٹن اور اس کے مواضعات اس کو دے دیئے جائیں گے۔ بصورت
دیگر سلطان احمد اس کی نازیبا حرکتوں کا بدلہ لیگا۔

شمس خاں دندانی نے فوراً سلطان احمد کو سلطان ہوشنگ کے
عزائم سے آگاہ کیا اور لکھا کہ جب سلطان نے مجھے اپنی سلطنت کے
ایک حصہ (ناگور) پر مطلق العنانی عطا فرمائی ہے میں اس کے ساتھ اپنی

وفاداری پر کبھی حرف نہ آنے دوں گا۔

بعض مورخین کہتے ہیں کہ سید بادشاہ سلطان خضر خاں نے جب
سلطان احمد کی ناگور کو فتح کرنے کی غرض سے آمد کی خبر سنی تو اس نے
اپنا قاصد ناگور بھیجا جس کے نتیجہ میں سلطان احمد مالوہ واپس لوٹ آیا
تاریخ فرشتہ اور بعض اور مورخین اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ بعہد شمس خاں
دندانی ناگور میں کچھ خرابیاں تھیں جن کی بنا پر ۸۱۹ھ میں سلطان احمد
نے ناگور کا رخ کیا اور سلطان خضر خاں نے بھی مداخلت کی۔

اسی طرح کے واقعات فیروز خاں پسر شمس خاں کے دور حکومت
میں بھی رونما ہوئے جن کی بنا پر سلطان احمد اوّل والی گجرات نے ۸۳۷ھ
مطابق ۱۴۳۳ء میں ناگور اور میوات کا سفر اختیار کیا تھا۔ فیروز خاں
سلطان کے آگے نیازمندانہ کورنش بجالایا اور ایک لاکھ روپیہ بطور
نذرانہ پیش کیا جس سے سلطان احمد بہت خوش ہوا اور فیروز خاں
کو بہت سے مراحم خسروانہ سے نوازا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ناگور
گجرات کے سلاطین کے زیر نگیں بھی رہا ہے۔ اس خاندان کی ناگور پر
تقریباً ایک سو پچیس سال تک حکومت رہی یعنی عہد مغلیہ کے
ابتدا تک۔

شجرۂ نسب

وجیہہ الملک

- ظفر خاں
  - فیروز خاں (سنہ ۸۲۹-۸۹۷ھ)
    - شمس خاں
- شمس خاں دندانی المتوفی سنہ ۸۲۹ھ
  - مجاہد خاں سنہ ۸۲۹-۸۷۲ھ
  - صلابت خاں سنہ ۸۷۳-۸۷۵ھ
  - فیروز خاں سنہ ۸۷۵-۸۹۹ھ
  - محمد شاہ خاں سنہ ۸۹۹-۹۱۵ھ
  - فیروز خاں سنہ ۹۱۵-۹۲۲ھ
  - محمد خاں سنہ ۹۲۲-۹۲۳ھ

مسٹر یزدانی نے مجاہد خاں کے دو سے کچھ کتبے قصبہ نرائنہ ریاست جے پور سے دستیاب کر کے اس خاندان کے حالات پر روشنی ڈالی ہے وہ کہتے ہیں کہ ان کتبوں کی رو سے وجیہہ الملک کا نام اسی خانوادۂ ناگور کے بانی کی حیثیت سے ملتا ہے یہ کتبے ۸۴۰ھ اور ۸۴۸ھ کے ہیں ان کتبوں میں سے ایک کے اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجاہد خاں نے ان مقامات پر رانا مسکل کے ساتھ جنگ کر کے قبضہ کیا تھا۔

اوراد قادریہ کے مسودہ سے جو درگاہ معلی حضرت صوفی سلطان التارکین میں محفوظ ہے اس خانوادے کے نسب نامہ کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شمس خاں گجرات سے ناگور آیا تھا اس خاندان کا آخری حکمران محمد خاں تھا جس کے عہد میں رائے مالدیو نے قبضہ پالیا اور وہاں کی مساجد اور مقابر کو مسمار کیا اس کے بعد ناگور مغل بادشاہ اکبر کے زیر فرمان آگیا۔

قطب الدین سلطان گجرات اور رانا کمبھا کی جنگ

۸۵۵ھ مطابق ۱۴۵۳ء میں شمس خاں دندانی ناگوری کے لڑکے فیروز خاں کا انتقال ہوگیا اور شمس خاں کے دوسرے لڑکے مجاہد خاں نے ناگور کا قلعہ فتح کیا اس پر فیروز خاں کے لڑکے شمس خاں نے اپنے چچا مجاہد خاں کے خلاف کمبل گڈھ کے حکمران رانا کمبھایت کی اعانت طلب کی شمس خاں اس وقت غالباً ڈیڈوانہ کی ایک جداگانہ حکومت کا مالک تھا فیروز خاں اور رانا کمبھا کے درمیان کئی جنگیں ہوئیں جن میں ہزاروں راجپوت مارے گئے اس لئے رانا کمبھا نے شمس خاں کی معاونت اس شرط پر منظور

کی کہ ناگور کے قلعہ کی تین محرابیں توڑ دی جائیں۔ شمس خاں نے اس کی یہ شرط منظور کرلی اس کے بعد رانا کمبا فوج لے کر آگے بڑھا۔ مجاہد خاں محمود خلجی والئ مالوہ کے پاس بھاگ گیا اور شمس خاں نے ناگور کا قلعہ فتح کرلیا اس نے شرط کے بموجب ناگور کے قلعہ کی تین محرابیں توڑنے کا ارادہ کیا مگر اس کی فوج اور امرار نے اسکی اس تجویز کیخلاف احتجاج کر کے اسکو باز رکھا۔ رانا کمبا اس باعث ناراض ہوگیا اور شمس خاں پر حملہ کی تیاری کرنے لگا اس لئے شمس خاں فوراً قطب الدین والئ گجرات کے پاس گیا تاکہ رانا کے خلاف اس کی مدد حاصل کرے اور ناگور کی دوبارہ رانا کے قبضہ میں جانے سے حفاظت کرے۔ سلطان قطب الدین نے ناگور کی حفاظت کے لئے فوراً ایک فوج روانہ کی۔ شمس خاں گجرات میں سلطان کی خدمت میں ہی رہا اور اپنی لڑکی کا عقد سلطان قطب الدین سے کر دیا۔ اس رشتہ نے ان کی محبت کا رشتہ اور مستحکم کر دیا۔ اس اثنا میں رانا کمبا ایک کثیر فوج لے کر ناگور کی تاخت وتاراج کی غرض سے پہونچ گیا جہاں قطب الدین کی فوج سے اس کی سخت جنگ ہوئی۔ مسلمان کافی تعداد میں شہید ہوئے اور رانا کی فوج نے ناگور کے پورے علاقہ پر قبضہ کرلیا۔

۸۶۰ھ میں مجاہد خاں جو بھاگ کر محمود خلجی کے پاس چلا گیا تھا تاکہ ایک نیا محاذ بنائے، مجاہد خاں کے دار السلطنت منڈیوانہ کی طرف بڑھا اس کا مقصد تسخیر ناگور تھا۔ اس نے امیر کبیر سید عطا اللہ قوام الملک کی ناگور کے قرب میں آمد کی خبر سنی۔ قوام الملک کا ارادہ شب خون مارنے کا

تھا وہ نواح میں قیام پذیر تھا اور حالات کا منتظر تھا لیکن جب اس نے حملہ کیا تو خلجی کو متوقع مقام پر نہ مل سکے اس لیے وہ پریشان ہو کر لوٹا۔ خلجی اس کے عزائم سے پہلے سے باخبر ہو گئے تھے۔ خلجیوں نے اس کی تجویز ناکام بنا دی اور اس کو مراجعت کے لئے مجبور کر دیا۔

سنہ ۸۶۰ھ مطابق سنہ ۱۴۵۵ء میں جب سلطان قطب الدین کو اپنی افواج کی شکست کی افسوسناک خبر ملی تو اس نے سروہی کی طرف کوچ کیا جو پہاڑی کے دامن میں واقع ہے اور اس کو فتح کر لیا اس کے بہت سے محافظ اس فتح کے بعد قتل کر دیئے گئے۔ اس کے بعد مسلمان فاتحین نے کمبل گڈھ کا رخ کیا جس کے پہاڑی قلعے سروہی کے قلعوں سے زیادہ مستحکم تھے اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ رانا کمبا یہیں پناہ گزیں تھا کئی خونریز جنگوں کے بعد مسلمانوں نے کمبل گڈھ فتح کر لیا اور راجپوتوں کو مکمل شکست دی۔ راجپوتوں نے ہتھیار ڈالنے کے بعد صلح کی درخواست پیش کی۔ گجرات کے سلطان نے ناگور کی واگذاشت اور رانا کی جان بخشی کے عیوض ایک ہاتھی اور شمس خاں کے عیوض دس ہزار طلائی مہریں طلب کیں ان شرائط کی تکمیل کے بعد گجراتی افواج فاتحانہ احمد آباد لوٹ آئیں۔

مرات سکندری میں مذکور ہے کہ رانا کمبا نے بہت سخت شرائط منظور کیں اور وعدہ کیا کہ آئندہ ناگور یا کسی اور مسلم ملک پر حملہ نہیں کرے گا لیکن سلطانی افواج کے مراجعت کرنے کے بعد ہی وہ قطب الدین اور خلجیوں کے خلاف جنگ میں پھر مشغول ہو گیا مگر پھر منھ کی کھائی اور نتیجہ

میں جذیہ دینا منظور کیا اور سابقہ عہد کی تجدید کی کہ ناگور کے علاقہ پر کبھی یورش نہیں کرے گا لیکن تین ماہ بعد پھر عہد شکنی کی اور ناگور کی تاراج کے لئے قدم بڑھایا اس کی اطلاع وزیر ملک شعبان عماد الملک کو آدھی رات گئے ملی وہ فوراً بادشاہ کے حضور میں بنا بر اطلاع وحصول حکم مناسب حاضر ہوا اس پر سلطان بنفس نفیس خود افواج لے کر رانا کی سرکوبی کے لئے سروہی ہوتا ہوا کمبل گڈھ میں داخل ہوا اور اس کو تہ و بالا کر کے ۸۶۲ھ مطابق ۱۴۵۷ء اپنے دار الحکومت میں لوٹا۔

"رائے بہادر گوری شنکر نے تاریخ ادھے پور میں ایک کتبہ نقل کیا ہے جس میں درج ہے کہ رانا کمبا نے سلطان گجرات سے بغاوت کر کے ناگور پر قبضہ کیا اور فیروز کی بلند و بالا مسجد نذر آتش کی اور قلعہ کو تباہ کیا ہاتھیوں پر قبضہ کیا مسلمان عورتوں کو اسیر کیا اور بہت سے مسلمانوں کو سزائیں دیں۔ گائیں مسلمانوں کے قبضہ سے چھین کر ناگور کو چراگاہ بنا دیا شہر کی تمام مساجد کو نذر آتش کر دیا۔ شمس خاں کے خزانوں پر تسلط کر کے کثیر مال و متاع حاصل کیا۔"

اگر ہم تاریخوں کا تعین اس بنا پر کریں کہ شمس الدین خاں دندانی کے لڑکے فیروز خاں نے ناگور پر اٹھائیس برس حکومت کر کے ۸۵۷ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا تو یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ وہ ۸۲۹ھ میں اپنے والد کی وفات پر سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس کے بعد ناگور آماجگاہ جنگ و جدال بن گیا اگرچہ مجاہد خاں نے اسے فتح کرنے کی کوشش

کی لیکن شمس خاں مجاہد خاں اور رانا کمبا کے درمیان نبرد آزمائی کے باعث اس پر قابض نہیں رہ سکا۔ کتبے کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ فیروز خاں کی وفات کے وقت مجاہد خاں سانبھر، ڈیڈوانہ اور نرائنہ کی ایک جداگانہ مملکت کا مالک تھا۔ یہ زیادہ قرین قیاس ہے کہ شمس خاں دندانی کی سنہ ۸۲۵ھ میں وفات پر ناگور کا مرکز دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا۔ مقامی اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ شمس خاں نے سنہ ۸۷۲ھ مطابق سنہ ۱۴۶۷ء تک (۱۴ سال) حکومت کی۔ ڈیڈوانہ میں سیدوں کی مسجد کے دروازہ کے کتبہ پر سنہ ۸۴۰ھ درج ہے اور دوسرے کتبہ پر جو جامع مسجد کے ستون کے زیریں حصہ میں بخط دیوناگری ہے

سنہ ۸۶۸ھ مطابق سنہ ۱۴۶۳ء درج ہے۔ جو مجاہد خاں کے عہد حکومت سے متعلق ہے۔ مجاہد خاں کے بعد اس کا لڑکا صلابت خاں برسر اقتدار آیا اور تین سال تک یعنی سنہ ۸۷۵ھ مطابق سنہ ۱۴۷۰ء تک حکمراں رہا اس کے بعد اس کے لڑکے فیروز خاں کے ہاتھ میں چوبیس سال تک عنان حکومت رہی اور اس کا انتقال سنہ ۸۹۹ھ مطابق سنہ ۱۴۹۳ء میں ہوا۔ اس کے دور حکومت میں سنہ ۸۸۶ھ اور سنہ ۸۹۶ھ میں مقامات کھاٹو اور ڈیڈوانہ میں مساجد تعمیر ہوئیں جیسا کہ کتبوں سے ثابت ہے۔

قیاس یہ ہے کہ یا تو فیروز خاں نے خود کھاٹو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا یا پھر اس کے پیشرو مجاہد خاں نے کیا ہوگا۔ مسٹر یزدانی کے مرقومہ کتبوں کی بنا پر ہم بآسانی کہہ سکتے ہیں کہ سنہ ۸۴۰ھ میں جب مجاہد خاں نے اپنے

لئے جداگانہ سلطنت کی داغ بیل ڈالی۔ اس وقت اس کی سلطنت سانبھر، ڈیڈوانہ اور نرائنہ پر مشتمل تھی نیز ہم یہ بھی یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خانوادہ ناگور ہی سے منظر عام پر آیا۔

خان جہاں لودھی نے تاریخ لودھیان میں سکندر لودھی کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب وہ ۹۱۵ھ مطابق ۱۵۰۹ء میں اپنے مشغلہ سیر و تفریح میں مصروف تھا ناگور اس کے تصرف میں آگیا۔ مورخ نے لکھا ہے کہ علی خاں اور ابوبکر نے جو محمود خاں والیٔ ناگور کے عزیز تھے اپنے سربراہ کے خلاف ایک سازش مرتب کی جس کا مقصد والیٔ ناگور سے قطع تعلق کرکے اس کی مملکت پر قبضہ کرنا تھا محمود خاں نے اس سازش کی اطلاع پاکر اس کو ناکامیاب بنادیا جس کے نتیجہ میں دونوں باغیوں نے راہ فرار اختیار کی اور سلطان سکندر لودھی کی پناہ میں آگئے۔ محمود خاں والیٔ ناگور نے فوراً سلطان سکندر لودھی کی خدمت میں بیش بہا تحفے اور لوازمات بھیج کر اپنی وفاداری کا یقین دلایا اس کے اس طرزِ عمل سے مطمئن ہوکر سلطان نے اس کو خلعت خسروانہ سے نوازا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمود خاں والیٔ ناگور نے لودھیوں کی شہنشاہی تسلیم کرلی تھی کہتے ہیں کہ محمود خاں ناگور میں پندرہ برس تک یعنی ۹۱۵ھ تک حکمراں رہا اور اس کے بعد اس کے بیٹے فیروز خاں نے سات برس حکومت کی۔ فیروز خاں کی سن وفات ۹۳۳ھ مطابق ۱۵۲۶ء ہے۔ لودھیوں کے زوال پر ناگور پھر دوبارہ راجہ مالدیو والیٔ جودھپور کے تصرف میں چلا گیا۔

شیر شاہی دور ہمایوں اور شیر شاہ کے مجادلوں میں ناگور نے اچھی خاصی سیاسی

اہمیت حاصل کر لی تھی اس وقت ناگور مالدیو والئ جودھپور کے قبضہ میں تھا سنہ ۹۵۰ھ مطابق سنہ ۱۵۴۳ء میں ہمایوں نے بیکانیر اور ٹھٹھ کے نواح میں اپنا قیام نامناسب سمجھ کر براہ جیسلمیر میواڑ کی طرف کوچ کیا راجہ جیسلمیر نے ہمایونی افواج کا راستہ مسدود کر دیا اور نبرد آزما ہوا جس میں ہمایوں کو شکست ہوئی اس لق ودق اور بے آب بیابان میں ہمایوں کی افواج کو نہایت پریشانی کا سامنا تھا کہ یہ خونریز جنگ درپیش ہوئی اور بجائے پانی کنوؤں کے قریب خون بہنے لگا ہمایونی افواج کے اکثر سپاہیوں نے پانی نہ ملنے کی بنا پر کنوؤں میں گر کر خودکشی کر لی۔ جوں توں کر کے انتہائی پریشانی کے عالم میں ہمایونی افواج جیسلمیر سے مارواڑ (جودھپور) پہونچیں۔ ہمایوں نے آتکا خاں کے ذریعہ مالدیو والئ جودھپور سے کمک طلب کی مگر چونکہ ناگور شیر خاں کے تصرف میں آگیا تھا اس لئے اس سے خائف ہو کر مالدیو نے ہمایوں کی مدد کرنے سے انکار کر دیا بلکہ شیر خاں کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے ہمایوں کو اسیر کرنا چاہا آتکا خاں یہ تاڑ گیا اور اس نے اس کی نیت بد سے ہمایوں کو مطلع کیا جس پر وہ تیزی کے ساتھ امرکوٹ کی طرف کوچ کر گیا۔ ہندوستان کے اسلامی دور حکومت میں شیر شاہ سوری کو مابہ الامتیاز درجہ حاصل ہے تاریخ کا ہر طالب علم اس کے اصلاحی اور فلاحی کارناموں سے واقف ہے۔ مغلیہ سلطنت کا تمام تر ڈھانچہ شیر شاہ سوری کے مرتبہ اصول و قوانین پر قائم تھا۔

شیر شاہ کی مختلف سرکاروں میں سے ناگور بھی ایک سرکار تھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ناگور کو شیر شاہی دور میں ایک اہم سیاسی مقام حاصل تھا

شیر شاہ کے بعد اس کا لڑکا اسلام شاہ سریر آرائے سلطنت ہوا اس کے عہد میں بھی ناگور بدستور سوری حکومت کا ایک حصہ رہا۔ کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ناگور کی ایک مسجد اسلام شاہ کے دور میں اس کے قاضی القضاۃ حاجی عمر بن رکن الدین ناگوری نے ۹۶۰ھ مطابق ۱۵۵۲ء میں تعمیر کرائی تھی

ناگور میں اکبر اعظم اور راجگان ہند کی آمد

سوری خاندان کے بعد ناگور مغلوں کے زیر نگیں آگیا مغلوں کے دور میں بھی ناگور کو ایک خاص مقام حاصل رہا۔ اکبر اعظم ۹۷۰ھ مطابق ۱۵۷۰ء میں جب اجمیر شریف گیا تو وہاں سے وہ ناگور شریف بھی گیا جہاں اس کے عزیز ترین درباریوں شیخ مبارک کے لڑکوں ابوالفیضی اور ابوالفضل کا گھر تھا۔ یہاں اس نے ناگور کے بڑے تالاب کی مرمت کا حکم دیا کیونکہ قصبہ کی زرعی خوشحالی کا دار و مدار اسی تالاب پر تھا اور ایک چشمہ بھی تعمیر کرایا جس کی ستر نہ گزرگاہیں تھیں۔ ناگور کے دوران قیام اکبر کی خدمت میں راجہ مالدیو کا لڑکا چندر سین باجگذاری اور اطاعت گزاری کے لئے حاضر ہوا۔ بیکانیر کے راجا کلیان مل نے معہ اپنے لڑکے رائے سنگھ شرف باریابی حاصل کر کے خراج پیش کیا۔ جیسلمیر کے راول ہر رائے کی لڑکی کو جے پور کا راجہ بھگوانداس لے کر حاضر ہوا جس کو شاہی حرم میں داخل کیا گیا۔ سرکش باز بہادر نے جس کی مالوہ کی حکومت واگذاشت کرنے کی تمام امیدیں مایوسی سے مبدل ہو گئی تھیں حاضر ہو کر اکبر کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور شاہی خدمت میں ایک ہزاری منصب قبول کیا۔

آئینہ اکبری کے مطابق ناگور کا پرگنہ تیس گاؤں پر مشتمل تھا اور مغلوں

کے آخری مغل شہنشاہ کے دورِ حکومت تک یہ پرگنہ مغل حکومت کا ایک اہم جزو رہا۔

سرچشمۂ علم و فضل جس قدر صوفیائے کرام ناگور میں بحیثیت مبلغ اسلام قیام پذیر ہوئے ان میں سے اکثر عالم متجر اور بلند پایہ شاعر اور صاحب تصنیف تھے۔ حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین رح اس باب میں مایہ الامتیاز مقام کے مالک تھے۔ آپ کی تجر علمی نیز آپ کے خلفاء عظام کی علمی خدمات کا مفصل حال کتاب ہٰذا میں مناسب جگہ پر بیان کیا گیا ہے البتہ یہاں علامہ شیخ مبارک ناگوری کا تذکرہ کر دینا نا مناسب نہ ہوگا۔

شیخ مبارک ناگوری علامہ شیخ مبارک جن کے صاحبزادے ابوالفیضی اور ابو الفضل جیسے فاضل اجل اور عالم بے بدل تھے ناگور ہی کے رہنے والے تھے۔ دربار اکبری سے منسلک ہونے سے قبل وہ حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری رح کے مزار پر انوار کی مجاورت کرتے تھے۔

بعہد سلطان سکندر لودھی ناگور میں سید یحییٰ بخاری اوچی مسند نشین حضرت مخدوم جہانیاں اور حضرت شیخ عبد الرزاق قادری بغدادی اولاد حضرت غوث الاعظم و شیخ یوسف سندھی و شیخ عطن ناگوری بڑے مشہور بزرگ تھے شیخ خضر یمنی جو بزرگ سیرت اللہ باعمل شخص تھے اولیائے ہند سے فیض باطنی حاصل کرنے کی غرض سے وارد ہند ہوئے۔ جب انھوں نے متذکرہ بالا بزرگوں کے اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کا شہرہ سنا تو وہ سندھ ہوتے ہوئے سنہ ۹۱۱ھ میں ناگور چلے آئے۔ ان بزرگوں نے خضر کی دلجوئی کی اس لئے شیخ خضر

نے ناگور میں اپنی سکونت اختیار کرلی اور یہیں شادی بھی کرلی۔ ان کو جھیلیوں
کے چوک والی مسجد کا پیش امام مقرر کر دیا گیا ان کی امامت کے باعث ہی اس
مسجد کا نام خضر مسجد مشہور ہوگیا جب ان کے فرزند تولد ہوا تو اس کا نام شیخ
مبارک رکھا گیا کچھ عرصہ بعد ناگور میں قحط اور وبا ایسی نمودار ہوئی جس سے
ہزاروں جانیں تلف ہوگئیں۔ شیخ خضر کے گھر میں بھی سوائے شیخ مبارک اور
اس کی والدہ کوئی باقی نہ بچا۔ شیخ مبارک کے یتیم ہونے پر حضرت شیخ عبدالرشید
سجادہ نشین حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین رح نے اس کی پرورش کی
اور علم و فضل سے مزین کیا۔ تکمیل علم کے بعد شیخ مبارک کی ناگور ہی میں شادی ہوگئی
اللہ تعالیٰ نے ان کو چار فرزند عطا کئے جن کے نام ابوالفیض فیضیؔ فیاضی۔ شیخ
ابوالفضل۔ شیخ ابوالخیر و شیخ ابوالبرکات تھے ان ہر چہار فرزندوں نے اپنے
والد سے ہی علم حاصل کیا ان میں سے فیضی اور فضل آسمان علم و فضل پر آفتاب و
ماہتاب بن کر چمکے۔ جب ہندوستان میں شیخ مبارک اور ان کے فرزندوں
کے علم و فضل کا شہرہ ہوا تو اکبر نے ان کو بصد عزت و احترام اپنے دربار سے
منسلک کرلیا اور قادر مطلق کے لطف و کرم سے ابوالفضل دربار اکبری میں
وزارت عظمیٰ تک پہونچا۔

اکبر آباد میں پہونچ کر شیخ مبارک نے جمنا پار محلہ چار باغ میں قیام کیا
اور درس و تدریس میں مصروف ہوگیا اس کے زہد و ورع کا یہ عالم تھا کہ اس کی
مجلس میں کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ سرخ کپڑے، ریشمی لباس، سونے کی انگوٹھی
یا ٹخنوں سے نیچا پائجامہ پہن کر آئے۔ سوری سلاطین کے عہد میں جب

مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری امور مذہبی کے صدر الصدور تھے اور مہدویت
اور بدعت کا قلع قمع کر رہے تھے شیخ مبارک خفیہ طور پر ان کے فتووں پر نکتہ چینی
کیا کرتا تھا جس کا بدلہ مخدوم الملک نے شیخ مبارک سے عہد اکبری میں لیا جب
دربار اکبری میں فیضی اور ابوالفضل کے قدم جم گئے تو انھوں نے اپنے والد
شیخ مبارک کی تبحر علمی سے اکبر کو واقف کیا اور یہ ذہن نشین کرایا کہ شیخ مبارک
مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی سے کسی اعتبار سے کم نہیں ہے۔ شیخ مبارک جب
اکبر کے مزاج میں دخیل ہو گیا تو اس نے اپنے حریفوں سے خوب انتقام لیا جس
کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ آخر عمر میں صحت کی خرابی کے باعث لاہور آگیا
اس نے اس زمانہ میں ایک تفسیر منبع نفائس العیون چار جلدوں میں لکھی ۱۷ ذیقعد
۱۰۰۱ھ کو لاہور میں وفات پائی اور آگرہ میں مدفون ہوا۔

فیضی اکبر کے دربار سے منسلک ہونے کے بعد کچھ عرصہ بعد فیضی کو ملک الشعرا
کا خطاب عطا ہوا۔ اکثر شاہزادوں کی تعلیم اس کے سپرد ہوئی وہ ایک بلند مرتبہ
شاعر تھا اس کی مثنوی "نل دمن" فارسی ادب میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے
اس نے سنسکرت کی کتب مہابھارت، رامائن وغیرہ کے فارسی تراجم کیے
اور ایک بے نقط تفسیر سواطع الالہام لکھی یہ فیضی کا اس قدر عظیم الشان کارنامہ
ہے کہ نہ اس سے پیشتر اور نہ اس کے بعد کسی نے ایسی تفسیر قرآن لکھی ہے
یہ تفسیر اس کی تبحر علمی پر دلالت کرتی ہے مگر افسوس اس کا بے پناہ علم اس کے لئے
حجاب اکبر بن کر رہ گیا اور اس میں ذہنی بے راہ روی پیدا ہو گئی جس کی تفصیل نامناسب
سمجھ کر نظر انداز کی جاتی ہے فیضی نے آگرہ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوا۔

ابوالفضل ابوالفضل شیخ مبارک کا دوسرا بیٹا تھا بچپن ہی سے بڑا ذکی اور فہیم تھا اس نے اپنے والد شیخ مبارک اور بھائی فیضی سے تعلیم حاصل کی تھی یہ بھی اپنے والد اور بھائی کی طرح وحید العصر عالم تھا۔ ۹۸۲ھ میں اس نے اکبر کو بنگال کی فتح سے واپسی پر سورہ فتح کی تفسیر پیش کی جس سے اکبر اس قدر خوش ہوا کہ اس نے اس کو منصب پنج ہزاری پر مقرر کیا اور اپنا میر منشی مقرر کیا۔ تمام احکام شاہی اس کی قلم سے نکلتے تھے اور جملہ آئین و ضوابط اس کی رائے سے مرتب کئے جاتے تھے لیکن افسوس یہ بھی اپنے باپ اور بھائی کی طرح گمراہ ہو گیا جب اکبر نے دین الٰہی کی بنیاد رکھی تو اس کے قوانین اور ضوابط بنانے والا یہی تھا۔ جہانگیر کے ایما سے بندھیلہ کے راجہ نرسنگ دیو نے اس پر دو تین ہزار فوج کے ساتھ حملہ کیا جس میں وہ مارا گیا اس کا سر جہانگیر کو بھیج دیا گیا اور دھڑ گوالیار کے قریب انتری میں دفن ہوا۔ آئین اکبری۔ اکبر نامہ۔ رقعات ابوالفضل۔ عیار دانش۔ انجیل کا فارسی ترجمہ اس کی تصانیف ہیں جو اس کے بے پناہ علم کی شاہد ہیں۔

ناگور کی قدیم یادگاریں فن تعمیر کا جہاں تک تعلق ہے ناگور کی پرانی یادگاروں کے بارے میں یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ یہ مختلف اقسام اور مختلف طرز کی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ناگور تاریخ کے مختلف ادوار میں مختلف قسم کے باشندوں کی رہائش گاہ رہا ہے۔

ناگور کی سب سے قدیم عمارت حضرت صوفی سلطان التارکین شیخ حمید الدین ؒ کے مقبرہ کا دروازہ ہے جو تغلق دور میں تعمیر ہوا تھا جس کے بارہ میں سر

جان مارشل نے یوں لکھا ہے کہ ایک بہت بلند دروازہ ہے جو اجمیر میں واقع ڈھائی دن کے جھونپڑے کی طرز پر تعمیر کیا گیا ہے جس میں محرابوں اور میناروں کا ایک تسلسل ہے۔

مگر بقول کسے حضرت سلطان التارکین کی درگاہ کا دہ یہ بلند دروازہ آپ کی عظمت۔ بزرگی اور برتری کا شاہد ہے (۲) یہ بلند دروازہ بیکسوں کی امید کا مرکز ہے (۳) یہ بلند دروازہ کمزوروں کو توانائی بخشتا ہے (۴) یہ بلند دروازہ آپ کی حکومت کا گواہ ہے (۵) یہ بلند دروازہ آپ کی روحانی سلطنت کا اشارہ ہے (۶) یہ بلند دروازہ اس بادشاہ کا ہے جس کی سلطنت کو زوال نہیں (۷) یہ بلند دروازہ اس بادشاہ کا ہے جو لاکھوں دلوں پر حکومت کرتا ہے (۸) یہ بلند دروازہ آپ کی ریاضت اور مجاہدہ نفس کا صلہ ہے (۹) یہ بلند دروازہ آپ کے پیر و مرشد خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی دعا کا ثمرہ ہے (۱۰) یہ بلند دروازہ عروج انسانیت کا آئینہ دار ہے (۱۱) یہ بلند دروازہ فلاح و خیر سے معمور ہے اور مقاصد اور مرادوں کے حصول کا ذریعہ ہے (۱۲) یہ بلند دروازہ عرفان حق کے راز کو آشکارا کرتا ہے (۱۳) یہ بلند دروازہ حضرت سلطان التارکین کی عظیم المرتبت شخصیت کا ترجمان ہے (۱۴) یہ بلند دروازہ زندگی کو نشیب سے فراز کی طرف لے جانے کا اشارہ ہے (۱۵) یہ بلند دروازہ عوام الخواص کی آپ سے عقیدت کا مظہر ہے (۱۶) یہ بلند دروازہ تبلیغ دین کی روشنی کا ایک بلند مینار ہے۔

ناگور کی دوسری یادگار شمس مسجد ہے جس کی بنا گورنر شمس خاں نے رکھی تھی اس کے زوال پذیر مینارے۔ بلند اور پتلی محرابیں مربع گیلری جو وسطی گنبد میں ہے گجراتی فن تعمیر کی غمازی کرتی ہیں۔

شمس تالاب کا بانی بھی شمس خاں ہے غالباً یہ وہی تالاب ہے جس کی مرمت رانا کمبا کی ناگور میں تاخت وتاراج کے بعد اکبر اعظم نے کرائی تھی۔

اکبری جامع مسجد۔ اس عظیم الشان مسجد کی تعمیر اکبر کے دورِ حکومت میں حسین قلی خاں نے ۹۷۲ھ مطابق ۱۵۶۴ء کرائی تھی۔

ناگور کی شہر پناہ کے دروازے بھی ایک خاص خصوصیت کے حامل ہیں۔ ناگور کی دیگر یادگاروں کا حال معلوم نہ ہو سکا کیونکہ رانا کمبا نے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے مساجد اور دیگر اسلامی نشانیوں اور یادگاروں کو وسیع پیمانہ پر منہدم کیا تھا۔ بایں ہمہ جس قدر ہمیں تاریخی مواد دستیاب ہوا اس کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ناگور ایک قدیم شہر ہے جس کی آغوش میں صدیوں کی داستان مضمر ہے راقم الحروف کے نزدیک ناگور کی عظمت اور اہمیت کی خاص وجہ یہ ہے کہ یہ حضرت صوفی سلطان التارکین رحمۃ اللہ علیہ کی آخری خواب گاہ اور آرام گاہ ہے اور آپ کی رشد و ہدایت کا مرکز رہا ہے

تیرا مسکن بھی یہی ہے ترا مدفن بھی یہی
یہ زمیں اوج میں ہے عرش معلیٰ صوفیؒ

اسم مبارک آپ کا اصل نام نامی محمد بن شیخ احمد بن محمد ہے عرف حمید الدین کنیت ابو احمد اور لقب سلطان التارکین ہے۔

وجہ تسمیہ سلطان التارکین ان کا سلطان ہے جتنے تارکِ دنیا جو لوگ

تیری کیا بات ہے اے تارکِ دنیا صوفی

شیخ عبد الحق محدث دہلوی "اخبار الاخیار" میں یوں رقمطراز ہیں۔

روزے خواجہ معین را وقت خوش بود فرمود ہر کس ہر چہ خواہد بخواہد کہ ابواب اجابت مفتوح است۔ یکے دنیا بخواست و دیگر عقبیٰ۔ رو بجانب شیخ حمید الدین کرد کہ تو خواہی کہ در دنیا و عقبیٰ معزز و مکرم باشی۔ گفت بندہ را خواستی نباشد۔ خواست خواست مولاست بعد ازاں رو بجانب قطب الدین بختیار آورد ہمیں کلمہ را فرمود۔ او عرض کرد کہ بندہ را اختیارے نیست ہر چہ حکم شود اختیار است۔ خواجہ بعد فرمود التارک الدنیا والفارغ عن العقبیٰ سلطان التارکین حمید الدین صوفی ازاں روز اور ا سلطان التارکین

ایک روز خواجہ معین الدین چشتی رحؒ پر جذبہ خوشی مستولی تھا۔ فرمایا اس وقت جو شخص جو کچھ چاہے مانگ لے کیونکہ مقبولیت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ حاضرین میں سے کسی نے دنیا طلب کی۔ کسی نے عقبیٰ۔ آپ نے شیخ حمید الدین ناگوری رحؒ سے دریافت فرمایا کہ تو دنیا و عقبیٰ میں معزز ہونا چاہتا ہے آپ نے عرض کیا ؎

ہر چہ تو می خواہی بخواہم رو برای آستانم
بندہ را فرماں نباشد۔ ہر کہ فرمائی برآنم

اس کے بعد یہی سوال حضرت قطب الدین بختیارؒ سے کیا۔ آپ نے بھی عرض کیا کہ بندہ کا کوئی اختیار نہیں جو حکم ہو آپ کا اختیار ہے اس کے بعد خواجہ صاحب نے فرمایا تارک الدنیا

لقب آمد۔ ناارغ الحقبی سلطان التارکین حمید الدین صوفی۔ اس روز سے آپ کا لقب سلطان التارکین ہوا۔!

یہاں تارک الدنیا کی تشریح کر دینا ضروری ہے۔ ترکِ دنیا سے مراد رہبانیت ہرگز نہیں ہے کیونکہ جس چیز کو صوفیا کرام نے ترک کیا وہ دنیا نہ تھی بلکہ دنیا کا بے اعتدالانہ استعمال تھا۔ وہ دنیا میں رہتے تھے مگر ان کا دل حبِ دنیا سے آلودہ نہیں ہوتا تھا۔ ان کی زیست و مرگ صرف اللہ کے لئے تھی ؎

مقصود من بندہ ز کونین توئی
از بہر تو میرم ز برائے تو زیم

حضرت محبوب الٰہی نے ترکِ دنیا کی تعریف خوب کی ہے وہ فرماتے ہیں۔

ترکِ دنیا آں نیست کہ کسے خود را برہنہ کند مثلاً لنگوٹا ببندد لباس بپوشد و طعام بخورد و آنچہ می رسد روا دارد و بہ جمع او میل نکند۔

ترکِ دنیا یہ نہیں کہ آدمی برہنہ پھرے یا لنگوٹا باندھ کر بیٹھ جائے بلکہ یہ ہے کہ جو چیز میسر ہو اس کو جائز سمجھے لیکن اس کے جمع کرنے کی فکر نہ کرے۔

کسی شاعر نے اس مفہوم کو اس طرح بیان کیا ہے ؎

رہ تو دنیا میں مگر وابستہ دنیا نہ ہو
ہے وہی دانا نکل جائے جو بچ کر دام سے

وجہ تسمیہ سوالی پرگنہ ناگور میں سوال ایک موضع کا نام تھا جہاں آپ سکونت پذیر تھے اور ایک بیگہ زمین اپنی اور اپنے اولاد کی گذر اوقات کے لئے خود کاشت

کرتے تھے۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ خدائے علیم نے آپ کو بے پناہ علم کی دولت عطا فرمائی تھی معاصرین علماء اور صوفیائے کرام حتیٰ کہ خود آپ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ بزرگ رح آپ سے دینی سوالات دریافت کرتے تھے جن کے جوابات آپ عالمانہ اور فاضلانہ دیا کرتے تھے۔ ان سوالات اور جوابات کو اس کتاب میں رسالہ سوال و جواب کے عنوان سے جزو کتاب کیا گیا ہے۔

وجہ تسمیہ سعیدی آپ سے پانچ پشت پہلے آپ کے خاندان میں ایک ولی کامل شیخ سعیدی بن شیخ محمود ہوئے ہیں اس نسبت سے آپ کو سعیدی کہتے ہیں۔

دوسری وجہ سعیدی کہلانے کی یہ بھی ہے کہ آپ سعید بن زید بن امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب کی اولاد سے ہیں۔

مسامحت مولانا عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب اخبار الاخیار میں سلطان التارکین کے نسبتی تعلق کا اظہار بایں الفاظ کیا ہے۔!

"وے از اولاد سعید بن زید ست کہ از عشرہ مبشرہ اند"

مولانا کا یہ فرمانا صحیح نہیں کیونکہ حضرت زید جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے امیر المومنین حضرت بن الخطاب کے بہنوئی تھے نہ کہ صاحبزادے۔

عشرہ مبشرہ کا ٹکڑا مولانا سے یا تو بلا تحقیق یا پھر سہواً معرض تحریر میں آگیا ہے۔

اس باب میں اخبار الاخیار سے قبل کے تذکرے مثلاً گلزار ابرار سیر العارفین

وغیرہ ہمارے لئے زیادہ وقیع و مستند ہیں۔

(۱) مولانا جمالی سیر العارفین (تصنیف ۹۳۷ھ) میں فرماتے ہیں: "شیخ حمید الدین محمد بن احمد صوفی چشتی سعیدی عمری فاروقی ناگوری اند"

(۲) مولانا محمد غوثی بن حسن مانڈوی نے گلزار ابرار (تصنیف ۱۰۲۲ھ) میں حضرت سلطان التارکین کو حضرت فاروق اعظم کی اولاد سے لکھا ہے۔

رشید میاں گجراتی احمد آبادی اولاد حضرت یحییٰ مدنی اپنی تصنیف مخبر الاولیا میں لکھتے ہیں کہ:-

"حضرت سلطان التارکین خواجہ حمید الدین ناگوری الفاروقی السوالی مرید و خلیفہ اعظم خواجہ معین الدین رح از اولاد زید بن عمر بن خطاب است وانچہ از اولاد سعید بن زید گوید غلط وفاحش است"۔

صاحب مخبر الاولیا کا یہ قول یوں قابلِ پذیرائی ہے کہ یہ اولاد حضرت شیخ یحییٰ مدنی سے ہیں اور اولاد حضرت سلطان التارکین میں قدیم زمانہ سے قرابت اور رشتہ داری ہے اس لئے حضرت سلطان التارکین کے حسب نسب کا جو حال ان کو معلوم ہے دوسرے کو نہیں ہو سکتا۔

ولادت مبارک

ولادت آپ کی ولادت کی صحیح تاریخ اور سنِ تحقیق کے ساتھ نہ معلوم ہو سکے۔ کتب معتبرہ میں صرف اتنا درج ہے کہ آپ ہندوستان کے مشائخ متقدمین میں سے تھے اور آپ نے طویل عمر پائی تھی۔

خود حضرت سلطان التارکینؒ نے فرمایا ہے کہ "بعد از فتح دھلی اول مولودے کہ در خانۂ مسلمانان آمدہ منم" (یعنی فتح دہلی کے بعد پہلا بچہ جو مسلمانوں کے گھر پیدا ہوا وہ میں ہوں) از روئے تاریخ سلطان معز الدین الملقب شہاب الدین غوری نے ۵۷۱ھ میں دہلی فتح کی اس کے بعد ۵۸۴ھ میں سلطان قطب الدین ایبک دہلی کا بادشاہ ہوا لہٰذا آپ کے اس قول کے مطابق آپ کی ولادت انہیں سنوں میں ہوئی ہوگی۔ آپ کا وصال ۶۷۳ھ مطابق ۱۲۹۴ء بمقام ناگور شریف واقع ہوا۔ اس لحاظ سے آپ نے سو برس کی عمر پائی۔

محققین نے لکھا ہے کہ آپ خواجہ بزرگ حضرت معین الدین حسن سنجری اجمیری رح کے زمانہ سے لے کر شیخ نظام الدین کے اوائل وقت وقت تک حیات رہے اور بہت ممکن ہے کہ ان حضرات کی ایک دوسرے سے ملاقات بھی ہوئی ہو۔

شیخ سعیدی نے اپنے والد بزرگوار حضرت شیخ فرید الدین چاکرانؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جد بابا بزرگ (حضرت سلطان التارکین) کے نانا شیخ سعیدی عربی النسل تھے۔ جب بابا بزرگ کے والد محترم

محمد صوفی. جو ایک عالم متبحر اور درویش کامل شخص تھے لاہور سے دہلی تشریف لائے تو اس عرب نے اپنی لڑکی کا عقد ان کے ساتھ کر دیا کچھ عرصہ تک محمد صوفی دہلی میں ہی مقیم رہے اور وہیں ان کے ہاں شیخ بزرگ حضرت سلطان التارکین تولد ہوئے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ شیخ بزرگ کا مسقط الراس رجائے پیدائش دہلی ہے۔

پیشین گوئی

آگے چل کر لکھتے ہیں کہ حضرت سلطان التارکین کے نانا منجم تھے انہوں نے اپنی لڑکی سے فرمایا تھا کہ تمہارے لڑکا تولد ہوگا جس کا آدھا جسم سبز اور سینہ ابھرا ہوا ہوگا۔ اور وہ عالم متبحر ہوگا مگر وہ لڑکا میرے انتقال کے بعد پیدا ہوگا شیخ بزرگ کی والدہ نے یہ بات سن کر بہت افسوس کیا کہ میں ایسے لڑکے کا کیا کروں گی جو میرے باپ کے مرنے کے بعد پیدا ہوگا چنانچہ وہ اپنے گھر کے قریب ایک حوض میں جا گری مگر اللہ تعالیٰ کو اس کی جان بچانا مقصود تھی اس کو صحیح سلامت نکال لیا گیا کچھ عرصہ بعد شیخ بزرگ تولد ہوئے ان میں وہ سب نشانیاں موجود تھیں جن کی پیشین گوئی ان کے نانا مرحوم نے کی تھی۔ شیخ فریدالدین رح فرماتے ہیں کہ بابا کا نصف جسم سبز اور سینہ ابھرا ہوا تھا۔

والدہ محترمہ:۔ حضرت سلطان التارکین کی والدہ محترمہ بھی اپنے زمانہ کی رابعہ تھیں۔ حضرت سلطان التارکین فرمایا کرتے تھے۔ اگر کوئی عورت میری والدہ سے بہتر اور بزرگ ہوتی تو میں اس کے بطن سے پیدا ہوتا یعنی آپ کی والدہ اطہر اپنے زمانہ کی بہترین اور بزرگ ترین تھیں۔

حَسَب نَسَب

حَسَب نَسَب

حضرت سلطان التارکین حمید الدین[۱] محمد صوفی بن شیخ احمد صوفی[۲] بن شیخ محمد[۳] بن شیخ ابراہیم[۴]۔ بن شیخ محمد[۵]۔ بن شیخ سعیدی[۵]۔ بن شیخ محمود[۶]۔ بن شیخ عبد اللہ[۷]۔ بن شیخ عمر[۸]۔ بن شیخ نصیر[۹]۔ بن شیخ ابراہیم[۱۰]۔ بن شیخ عبد الرحمن[۱۱]۔ بن شیخ یوسف[۱۲]۔ بن علی حارث[۱۳]۔ بن شیخ حسین[۱۴]۔ بن شیخ زید[۱۵]۔ بن شیخ سعید[۱۶]۔ بن زید[۱۷]۔ بن حضرت امیر المومنین عمر فاروق[۱۸] بن خطاب[۱۹]۔ بن نفیل[۲۰]۔ بن عبد العزیٰ[۲۱]۔ بن رباح[۲۲]۔ بن عبد اللہ[۲۳] بن قرط[۲۴] بن زراح[۲۵]۔ بن عدی[۲۶]۔ بن کعب[۲۷]۔ (کعب[۲۸] تک پہنچ کر آپ کا نسب رسول علیہ السلام کے نسب میں مل جاتا ہے) بن لوی[۲۹]۔ بن غالب[۳۰]۔ بن فہر[۳۱]۔ بن مالک[۳۲]۔ بن نضر[۳۳]۔ بن کنانہ[۳۴]۔ بن خذیمہ[۳۵]۔ بن مدرکہ[۳۶]۔ بن الیاس[۳۷]۔ بن نزار[۳۸]۔ بن معد[۳۹]۔ بن عدنان[۴۰]۔

روضۃ الاحباب وغیرہ کتب سیر و تواریخ میں لکھا ہے کہ عدنان تک تو مورخین کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلعم کا نسب نامہ صحیح ہے مگر عدنان سے لے کر آدم تک بہت اختلاف ہے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے "قال علیہ السلام کذب انسابان کا فوق عدنان (یعنی عدنان کے آگے نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بیان کیا ہے) نیز یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق فرمایا کرتے تھے کہ ہم کو تو اپنا نسب معد تک یاد ہے۔ اس کے بعد معلوم نہیں البتہ معارج النبوت میں لکھا ہے کہ جمہور کے نزدیک آنحضرت صلعم کا

نسب عدنان تک اس طرح سے ہے کہ عدنان بن اُدَد بن والیع بن ہمیع - بن نبت - بن حمل - بن قیدار - بن اسمعیل علیہ السلام بن ابراہیم علیہ السلام - بن تارخ المعروف آذر بن تراحش بن ناخور - بن ارغو و بقو یارا غو - بن اسروع و بقولے ساروع بن فانع و بقولے فالج - بن شالخ - بن عامر المعروف بہ ہُود - بن ارفخشد - بن سام بن نوح - بن ملک بقولے لامک - بن متوشلخ بن اخنوخ بعرف ادریس - بن برد و بقولے بارد - بن مہلائیل بن قینان - بن انوش - بن شیث - بن آدم علیہ السلام -

شجرۂ نسب

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب
حضرت زید
حضرت شیخ سعید
حضرت شیخ حسین
حضرت شیخ علی
حضرت شیخ یوسف
حضرت شیخ عبد الرحمن
حضرت شیخ ابراہیم
حضرت شیخ نصیر
حضرت شیخ عمر

حضرت شیخ عبداللہ
حضرت شیخ محمود
حضرت شیخ سعیدی
حضرت شیخ محمد
حضرت شیخ ابراہیم
حضرت شیخ احمد
حضرت سلطان التارکین
صوفی حمید الدین رح

× × × × × × ×

× × × × × × ×

زوجہ محترمہ و اولاد

حضرت سلطان التارکینؒ کی زوجہ محترمہ کا نام خدیجہ تھا یہ سیدانی اور قاضی قصبہ لاڈنو کی صاحبزادی تھیں جو عین القضات ہمدانی کی اولاد سے تھے۔

سیر العارفین میں شیخ جمالی فرماتے ہیں کہ آپ زہد و ورع اور اتقاء میں اپنے زمانہ کی رابعہ تھیں۔ ہفتہ میں ایک بار نیم کے پتوں سے روزہ افطار کرتی تھیں۔

حضرت سلطان التارکین کا ارشاد گرامی ہے کہ اگر میری بیوی سے بہتر اور بزرگ تر کوئی دوسری عورت ہوتی تو میرا عقد اس سے ہوتا۔ حضرت کا آپ کے متعلق یہ فرمانا اس امر کی دلیل ہے کہ آپ اپنے زمانہ کی بہترین اور بزرگ ترین عورت تھیں۔

سرور الصدور میں مذکور ہے کہ آپ عالی ہمت اور صاحب کرامت تھیں۔ لوگوں کے دل کی بات تک بتا دیتی تھیں رحم دل اور سخی اس قدر تھیں کہ کسی سوالی کو اپنے در سے محروم نہیں لوٹاتی تھیں۔

ایک مرتبہ شاہ ناگور نے ایک بنئے کے لڑکے کو گرفتار کر لیا یہ بی بی صاحبہ کا منہ بولا بیٹا تھا۔ بادشاہ نے اس سے کہا کہ تیری رہائی کی بس یہی صورت ہے کہ جس قدر تیرا اندوختہ ہے لا کر پیش کرو ورنہ تو بدستور مقید رہے گا۔ وہ لڑکا بی بی صاحبہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ دہی سے مکھن نکال رہی تھیں اور عرض کیا مجھے اپنا

مال بادشاہ کو دینا پڑے گا یا میں بغیر اس کے چھوٹ جاؤں گا۔
آپ نے فرمایا کیا تو دیکھ نہیں رہا کہ میں رئی سے دہی بلو رہی ہوں
اور رئی سے دہی اس لئے بلویا جاتا ہے کہ اس میں جس قدر مکھن
ہو نکال لیا جائے۔ چونکہ تو ایسے وقت آیا ہے اس لئے تیرا حال بھی
ایسا ہی ہوگا۔ جس طرح میں دہی میں مکھن نہیں چھوڑوں گی اسی طرح
بادشاہ تیرے پاس مال نہیں چھوڑے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ
آپ نے فرمایا تھا۔

حضرت سلطان التارکینؒ فرمایا کرتے تھے جس شخص کو کوئی حاجت
درپیش ہو وہ بی بی صاحبہ کی قبر پر جاکر عرض کرے کیونکہ آپ نے
کسی حاجت مند کو اپنے دروازہ سے محروم نہیں کیا۔

بی بی صاحبہ کے اتقا اور عالی ہمتی کے حالات حضرت سلطان
التارکین کے مجاہدہ نفس کے تحت بیان کئے جائیں گے اس لئے تکرار
غیر ضروری سمجھ کر ان واقعات کو یہاں بیان نہیں کیا گیا۔

آپ کے بطن سے حضرت سلطان التارکین کے دو صاحبزادے
اور ایک صاحبزادی تولد ہوئے۔ صاحبزادی کا نام معلوم نہیں ہو سکا
صاحبزادوں کے اسماء گرامی شیخ عزیز الدین اور شیخ مجیب الدین ہیں
جن کا مفصل حال مناسب جگہ پر کتاب ہذا میں بیان کیا جائے گا۔

بی بی صاحبہ کی تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی۔ آپ کا مزار
پر انوار ناگور شریف میں شیخ بزرگ کے مزار کے برابر واقع ہے
اور مرجع ہر خاص و عام ہے۔

شجرۂ طریقت چشتیہ

سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ

حضرت خواجہ حسن بصری

حضرت خواجہ عبدالواحد زید

حضرت فضیل بن عیاض

حضرت ابراہیم ادہم بلخی

خواجہ شفیق بلخی

حضرت خواجہ حذیفتہ المرعشی

حضرت خواجہ امین الدین ابی ہبیرۃ بصری

حضرت خواجہ علوی دینوری

حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی چشتی

حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی

حضرت خواجہ ابو محمد چشتی

حضرت خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی

حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی

حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی

حضرت خواجہ عثمان ہرونی

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری

حضرت خواجہ حمید الدین صوفی سلطان التارکین

نہو کیوں مقتدی عالم حمید الدین صوفی کا
معین الدین اجمیری سا پایا مقتدا دیکھا

شجرۂ بیعت

حضرت سلطان التارکین خواجہ حمید الدین صوفی ناگوریؒ
خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیریؒ
کے خلفاء عظام میں سے ہیں۔ سولہ واسطوں سے آپکا شجرۂ بیعت
امام الاولیاء حضرت علی کرم اللہ وجہ سے ملتاہے شجرۂ بیعت حسب
ذیل ہے:۔

سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری وہو من۔ حضرت
خواجہ معین الدین حسن سنجریؒ وہومن حضرت خواجہ عثمان ہارونی رح
وہومن حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی قدس اللہ سرہٗ وہومن
خواجہ قطب الدین مودود چشتی قدس اللہ سرہٗ وہومن خواجہ
ناصر الدین ابویوسف چشتی وہومن خواجہ ناصر الدین ابو محمد چشتی قدس اللہ
سرہٗ وہومن قدوۃ الحق والدین خواجہ ابو احمد بن سلطان فرستانۃ
الچشتی قدس اللہ سرہٗ وہومن حضرت خواجہ ممشاد دینوری
قدس سرہٗ وہومن حضرت خواجہ امین الدین ابی ہبیرۃ البصری
قدس اللہ سرہٗ وہومن حضرت خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشی
قدس اللہ سرہٗ وہومن حضرت خواجہ امان الارض سلطان ابراہیم

ادہم بلخی قدس اللہ سرہٗ وہو من حضرت خواجہ ابی الفیض فضیل
بن عیاض قدس اللہ سرہٗ وہو من حضرت خواجہ ابی الفضل عبدالواحد
بن زید قدس اللہ سرہٗ وہو من حضرت خواجہ ابی النصر حسن بصری
الانصاری قدس اللہ سرہٗ وہو من حضرت امیرالمومنین ابی الحسن
علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وہو من حضرت سیدالمرسلین ابی القاسم
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

چشتی کہلانے کی وجہ تسمیہ

یہ خیال غلط ہے کہ چشتی سلسلے کے
بانی حضرت خواجہ معین الدین حسن
سنجری ہیں چشتیوں کے مبتدا اور منشاء حضرت خواجہ ابواسحاق
شامی ہیں۔ واقعہ یوں ہے کہ یہ بیعت کی غرض سے حضرت خواجہ ممشاد
علا دینوری کی خدمت اقدس میں بغداد شریف حاضر ہوئے
حضرت خواجہ ممشاد علا دینوری نے آپ کو بیعت ارادت سے
مشرف کرنے کے بعد آپ سے دریافت فرمایا۔

تیرا نام کیا ہے؟

حضرت ابو اسحاق شامی نے عرض کیا۔ اس عاجز کو ابو اسحاق
شامی کہتے ہیں۔ یہ سنکر حضرت خواجہ ممشاد علا دینوری نے
ارشاد فرمایا آج سے ہم تجھے ابو اسحاق چشتی کہیں گے اور جو تیرے
سلسلۂ ارادت میں تا قیامت داخل ہو گا وہ بھی چشتی کہلائے گا

حضرت خواجہ اسحاق شامی اپنے پیر و مرشد کے فرمان کے مطابق
چشت میں تشریف لاکر رشد و ہدایت میں مصروف ہوئے۔ آپ کے
سلسلے کے اور بزرگ یعنی حضرت خواجہ احمد چشتیؒ حضرت خواجہ محمد چشتیؒ

حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی اور حضرت قطب الدین مودود چشتی بھی چشت ہیں قیام پذیر ہوئے اور رشد و ہدایت میں تادم آخر مصروف رہے۔ اور چشت میں ہی واصل بالحق ہو کر مدفون ہوئے۔ یہ تمام بزرگان معہ حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی اور ان کے خلفا سب چشتی کہلاتے ہیں۔

مولانا شمس الدین حلوائی حضرت سلطان التارکین کے علم ظاہر کے استاد تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرے تین پیر ہیں۔ حضرت خواجہ بزرگ معین الحق والدین خلافت کے پیر۔ شیخ حمید خوئی خرقہ کے یعنی روحانی پیر اور مولانا شمس الدین حلوائی علم ظاہر و صحبت کے پیر۔ صاحب سیر الاولیاء نے حضرت خواجہ بزرگ سے آپ کے مرید و خلیفہ ہونے کا واقعہ اس طرح رقم کیا ہے کہ آپ نہایت حسین و جمیل تھے۔

ایک روز جب آپ حضرت خواجہ بزرگ کے سامنے سے گذر رہے تھے تو حضرت خواجہ کی نظر آپ پر پڑی۔ خواجہ بزرگ نے فرمایا کس قدر حسین و جمیل شخص ہے جس پر دنیا فریفتہ ہے۔ اگر یہ میرے پاس آئے تو اللہ بھی اس کا شیدا ہو جائے۔ چنانچہ آپ خدمت خواجہ بزرگ میں حاضر ہوئے جب آپ کی نظریں اس آفتاب ولایت پر پڑیں۔ تو خیرہ ہو کر رہ گئیں۔ معدن جود و کرم اور مصدر لطف و عطا خواجہ بزرگ نے جب آپ کو جوہر قابل پایا تو اپنی دولت خلافت سے نوازا آپ نے اپنے اندر ایک تبدیلی محسوس کی۔ حجابات جو حائل تھے اٹھ گئے۔ دنیا کی محبت سے دل یک سر خالی ہو گیا اور آپ نے زندگی کی نئی راہ اختیار کی جو کچھ آپ کے پاس تھا۔ فقیروں اور درویشوں میں تقسیم کر دیا اپنی اور اپنے بال بچوں کی کفالت کے لئے محض دس جریب زمین

لہ مسالک السالکین جلد دوم صفحہ ۱۹۶ و احسن السیر صفحہ ۱۴۳

موضع سوال میں رکھی اور تمام عمر اسی پر قانع رہے۔

سیرت واخلاق حمیدہ

حضرت سلطان التارکینؒ سادہ رہائش اور اعلیٰ افکار کے مصداق تھے۔ آپ گدڑی پہنا کرتے تھے فتوح اور نذرانہ قبول نہیں فرماتے آپ نے صفات بشری ترک کرکے اعلیٰ روحانی مرتبہ حاصل کیا تھا آپ کے پیرو مرشد حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ آپ سے بہت خوش تھے۔ حضرت خواجہ بزرگ نے آپ کو سلطان التارکین کے گراں قدر لقب سے سرفرمایا تھا۔

حضرت سلطان التارکین اتباع سنت کے بڑی سختی سے کاربند تھے اپنے مریدین اور متعلقین کو علم فرائض حاصل کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ سرور الصدور میں لکھا ہے۔ فرمودند اگر فرائض بحث کنند نیکو باشد کہ اول علمے کہ مقصود باشد علم فرائض باشد و پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ است کہ تعلموا الفرائض وعلموھا آپ صحیح دینی جذبہ پیدا کرنے کے لئے بے چین رہتے تھے اور چاہتے تھے کہ ہر مسلمان دین کے بنیادی مسائل اوامر و نواہی اور فرائض سے پوری طرح واقفیت حاصل کرے۔ آپ نے ہمیشہ علم حدیث کو علم تصوف پر فوقیت دی۔ ایک دن آپ نے کسی مرید سے فرمایا۔

"مرا ایں جا مشغولی است کہ خلق ناگور دریں وقت از من علم احادیث می شنوند و مرا فرصت نیست کہ دریں میان ترا علم تصوف بیاموزم"

ترجمہ:۔ "مجھے یہاں یہ مشغولیت ہے کہ آجکل ناگور کے لوگ

مجھ سے علم حدیث سنتے ہیں مجھے فرصت نہیں کہ اس دوران میں تجھے علم تصوف سکھاؤں)

آپ کو فنا فی اللہ کا درجہ حاصل تھا۔ آپ کا تمام وقت عبادت وریاضت اور مجاہدہ نفس میں گذرتا تھا آپ کو سماع کا بہت شوق تھا بیشتر وقت آپ حالتِ استغراق میں گذارتے اور آنکھیں بند رکھتے تھے آپ پر دو قسم کی کیفیات طاری ہوتی تھیں کبھی جلالی اور کبھی جمالی۔ حضرت بیخود بدایونی نے ان کیفیات کا ذکر اپنے شعر میں یوں کیا ہے

کہیں شانِ جلالی ہے کہیں شانِ جمالی ہے ؛ یہاں نام خدا اک رنگ محویت نہاں دیکھا

آپ ہمیشہ خوف خدا سے کانپتے رہتے اور روتے رہتے تھے۔ اپنا وقت زیادہ تر جنگل وبیابان اور غیر آباد مقام میں گذارتے تھے آپ کو نام ونمود وشہرت سے بے حد نفرت تھی چنانچہ خود فرماتے ہیں کہ ؎

درویش نہ آنست کہ مشہور جہانست ؛ درویش ہمانست کہ بے نام ونشانست

آپ کی خوراک بہت کم تھی۔ صاحب سیر الاولیا لکھتے ہیں کہ آپ صائم الدہر تھے

روزہ روزہ دو قسم کا ہوتا ہے :۔

مجازی روزہ کھانے پینے سے باز رہنا ہے۔

حقیقی روزہ اٹھتے بیٹھتے اور خواب وبیداری میں عبادت میں مشغول رہنا ہے۔

چنانچہ الجوع طعام اللہ فی ۔ گرسنگی عمارت باطن ہے اور سیری عمارت ظاہر ہے اگر روزہ مدام نہ رکھا جا سکے تو طعام قدرے کم کھائے جیسا کہ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے ؎

اندرون از طعام خالی دار ؛ تا درون نور معرفت بینی

اور سعدی علیہ الرحمۃ کا یہ شعر ترجمہ ہے حدیث شریف کا جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے شکموں کو گرسنہ رکھو۔ جگروں کو تشنہ اور تنوں کو برہنہ تاکہ اپنے رب کو دیکھ سکو۔

جو سانس اس کی یاد سے خالی ہے حقیقتاً مردہ ہے۔ مومن دونوں جہان میں زندۂ جاوید ہے ؎

ہر زندگی کہ بے تو باشد ؛ مرگیست بنام زندگانی

صاحب سیر الاولیا فرماتے ہیں کہ حضرت سلطان التارکین صائم الدہر تھے یہ اسقدر جامع لفظ ہے کہ مندرجہ بالا تعریف پر محیط اور بسیط ہے۔ آپ کا کھانا باسی اور خشک روٹی اور ایک پیالہ پانی پر مشتمل تھا۔ آپ تارک حیوانات تھے۔ سرور الصدور میں آپ کا ارشاد ہے کہ اگر چاہو کہ میری روح کو کچھ دو تو گوشت نہ دو یعنی لوگوں کو گوشت پر اپنی فاتحہ دلانے سے منع فرمایا۔ آپ اسوۂ حسنہ کا اعلیٰ نمونہ تھے تحمل و بردباری سے کام لیتے تھے۔ آپس کی شکر رنجی اور فساد کو ناپسند فرماتے تھے شیخ فریدالدین سرور الصدور میں لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ شیخ بزرگ کی خدمت میں گھر سے باہر آیا آدمیوں کی ایک بھیڑ لگی ہوئی تھی اور وہ آپس میں لڑ رہے تھے کسی کا سر پھٹ گیا تھا کسی کا ہاتھ ٹوٹ گیا تھا سب کو قاضی صاحب کے پاس پیش کیا گیا یہ عالم دیکھکر آپ نے حضرت فریدالدین سے فرمایا کہ اگر کوئی تجھ سے پوچھے کہ فرشتوں کو یہ کہاں سے معلوم ہوا جو انہوں نے کہا تھا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا

وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ اِنِّی جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً یعنی خلیفہ پیدا کرنا ہے کہ فساد کریں اور خون بہائیں تو جواب دے دیا کہ خلیفہ کے لفظ سے فرشتوں نے جانا تھا کیونکہ جہاں کہیں خلیفہ آیا بغیر فساد کئے نہ رہا

عبادت وریاضت

ریاضت کی جہاں میں ایسی ہو گئی شہرت زمانہ ہو گیا شیدا حمید الدین صوفی کا سرور الصدور میں مذکور ہے کہ حضرت سلطان التارکین اپنے شیخ طریقت کی خدمت میں رہ کر ہمہ وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے اور ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرتے تھے۔ آپ کی مجلس میں دنیا کا ذکر بالکل نہیں ہوتا تھا آپ خدا و رسول کا ذکر فرمایا کرتے اور سامعین اور مصاحبین سماعت کرتے تھے۔

نماز

صوفیاء کرام کے نزدیک نماز تکبیر مقام ہیبت ہے۔ قیام مقام قربت اور قرأت مقام مکالمت۔ رکوع مقام خوف سجود مقام مشاہدہ اور قعود مقام الفت ہے۔

دوران نماز بندہ اگر کسی چیز کی طرف دیکھتا ہے تو اس سے اللہ فرماتا ہے تو کس لئے دیکھتا ہے مت دیکھ۔ مجھے دیکھ کیونکہ میں ہر چیز سے بہتر ہوں۔ اگر وہ مکرر ایسا ہی کرتا ہے تو ارشاد خداوندی ہوتا ہے کیا وہ چیز جس کو تو دیکھتا ہے مجھ سے عزیز اور بزرگ تر ہے۔ اگر اس پر بھی باز نہیں آتا اور مکرر دیکھتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ تو اسی کا ہو جا جس کو بار بار دیکھتا ہے۔

اسی طرح وضو کے متعلق بھی صوفیہ کرام کا نظریہ یہ ہے کہ

وضور قلب ترک حب دنیا ہے۔ جب تک بندہ ان صفات سے متصف نہیں ہوتا اس کو قرب الٰہی حاصل نہیں ہوتا ہے

ہر آں نماز کہ باشد بدیں صفت موصوف :: شود بقربت معبود حاجتش مخصوص

اگر پیشانی فرش مسجد پر اور دل بھٹکا ہوا ہو تو وہ سجدہ مسجود تک نہیں پہنچتا بلکہ سجدہ کرنے والے کو مردود بنا دیتا ہے اسی باعث صوفیاء کرام کا قول ہے کہ حضور قلب کے ساتھ مختصر نماز اس طویل نماز سے بہتر ہے جو بے حضور قلب ہو

چندیں ہزار سجدہ بکردی بغافلی :: بنشیں بصدق سجدۂ خود را شمار کن

یک سجدہ کن چوں سحرہ فرعون با حضور :: وانگہ میان جنت ماوی قرار کن

چنانچہ خشوع و خضوع کا اصل الاصول یہ ہے کہ نماز میں چپ و راست نہ دیکھا جائے اور یہ سمجھے کہ اپنے معبود کے سامنے کھڑا ہے اور یہ یقین کرے کہ معبود اسے دیکھ رہا ہے

سرور الصدور میں مذکور ہے کہ حضرت سلطان التارکینؒ نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے۔ ویسی دو رکعتیں پڑھنا بھی ہر شخص کا کام نہیں۔ جب شیخ بزرگ نماز پڑھنے کے لئے دست مبارک سینے پر رکھتے تو اس طرح سے حضوری قلب کے ساتھ مشغول ہوتے تھے کہ دنیا ومافیہا سے بے خبر ہو جاتے۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ حمید الدین صوفی سر نہر والی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے وہاں آپ کے استاد مولانا شمس الدین حلوائی رح اور چند دوسرے بزرگ اجمیر سے آپ سے ملاقات کی غرض سے تشریف لائے۔ شیخ بزرگ اپنی نماز میں بدستور مشغول رہے۔ کافی دیر ہو گئی اور یہ حضرت انتظار کی تاب

سنا کر واپس چلے گئے جب کسی اور جگہ ملاقات ہوئی تو مولانا شمس الدین ؒ نے شکوہ کیا۔ فرمایا کہ ہم تو تمہاری ملاقات کے لئے آئے اور تم نماز ہی پڑھتے رہے۔ شیخ بزرگ نے کہا قبلہ مجھ کو بالکل خبر نہیں کہ مسجد میں کون آیا اور کب گیا۔ آپ کے خشوع و خضوع استغراق و محویت کا یہ عالم تھا

سرور الصدور میں مذکور ہے کہ شیخ بزرگ کے سامنے شیخ عبداللہ تستری کے چلّہ کی اسناد پڑھی جا رہی تھیں۔ اس میں لکھا تھا کہ آدم علیہ السلام کے ایک فرزند کا نام "سقنا ر" تھا ان کی دوستی جنوں سے تھی کسی جن نے اُن کو ایک دعا بتائی تھی جس کے باعث وہ بھوک اور پیاس سے بے نیاز تھے اور اسی سال کے بعد ایک بار سجدہ سے سر اٹھاتے اور اپنے خالق کی اس طرح عبادت کیا کرتے تھے۔ شیخ فریدالدین نے یہاں تک ہی پڑھا تھا کہ شیخ بزرگ کی زبان سے کلمۂ سبحان اللہ نکلا یہ کلمہ سن کر شیخ فریدالدین خاموش ہو گئے۔ شیخ بزرگ نے فرمایا کہ میں نے آج اپنی عمر کا حساب لگایا تھا جس کی رو سے میں اسی سال کا ہو گیا ہوں اور اب تک میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔ اس حکایت سے اللہ تعالےٰ نے مجھے آگاہ فرمایا ہے کہ حمید تو اپنے اسی سال کا کیا حساب لگاتا ہے ہمارا ایک بندہ گذرا ہے جو اتنی مدت میں تو ایک سجدہ بجا لاتا تھا۔ آپ وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (کسی سوالی کو نہ جھڑکو) کی اتباع میں کسی سوالی کا سوال رد نہیں فرماتے تھے اور خطا وار کی خطا معاف فرما دیا کرتے تھے۔ خواجگی نامی شخص سے آپ کچھ رنجیدہ خاطر تھے۔ ایک دفعہ شیخ عزیزالدین نے شیخ بزرگ سے عرض کیا "بابا خواجگی اکثر آپ کے پاس آتے ہیں مگر آپ ان سے نہ معلوم کیا فرماتے ہیں کہ وہ اٹھ کر چلے جاتے ہیں ایسی بات کیوں نہیں فرماتے کہ وہ اٹھ کر نہ جائیں۔ آپ نے فرمایا

عزیز او آمدنی نیست۔ اگر من بدانم کہ او آمدنی باشد در خانہ او بردم و سر در قدمش آرم و او را بیارم۔

کچھ عرصہ بعد شیخ خواجگی نے یہ غزل لکھ کر شیخ بزرگ کی خدمت میں بھیجی۔

غزل

عیسےٰ دم است یار دم از من دریغ داشت

بیمار او شدم قدم از من دریغ داشت

(ترجمہ) یار عیسےٰ نفس ہے مگر اس کو مجھ پر دم کرنے میں دریغ ہے میں اس کا بیمار ہوں مگر اس کو آنے میں دریغ ہے۔

من چوں کبوتراں بو فا طوق دار او!

او کعبہ من ازیں جرم از من دریغ داشت

(میں قمری کی طرح اس کی وفا کا طوق پہنے ہوئے ہوں وہ میرا کعبہ ہے اور صرف اتنے سے جرم کی وجہ سے اس نے مجھے محروم کر رکھا ہے۔)

آخر چہ مستی است ازاں آفتاب روے

کز بوئے خود بہ صبح دم از من دریغ است

(اخر اس آفتاب کی یہ کیا مستی ہے کہ صبح کے وقت اس نے مجھ کو اپنی خوشبو سے محروم کر رکھا ہے)

من ز آب دیدہ نامہ نوشتم ہزار فصل

او ز آب دجلہ کیر تم از من دریغ داشت

(میں نے آنسوؤں سے ہزار بار خط لکھا اس نے آب دجلہ کے ساتھ

ایک بار لکھنے سے دریغ کیا) رقعہ کی پشت پر ایک دائرہ بنا کر اس کے بیچ میں ایک شکل بنائی شیخ بزرگؒ نے جب یہ رقعہ پڑھا تو قلم دوات طلب فرمایا جو پیش کر دیا گیا۔ آپ نے اس کے جواب میں یہ بیت لکھی جو آپ ہی کی تصنیف ہے ؎

چشم چوں براں رُوے نکویت نگریست

فریاد برآورد و بزاری بگریست

(جب میری آنکھ نے تیرے جمال کو دیکھا فریاد کرنے لگی اور پھوٹ پھوٹ کر روئی)

گر باتو بوم در یغ باید مرد وز بے تو بوم دریغ باید زیست

(اگر تیرے ساتھ مجھے حضوری حاصل ہے تو مجھے مرجانے میں افسوس ہوگا۔ اور اگر مجھ کو حضوری حاصل نہیں ہے تو جینے پر افسوس ہوگا۔

آپ نے یہ جواب لکھکر خواجگی کو بھجوانا چاہا شیخ عزیزالدین نے حضرت شیخ بزرگ سے دریافت فرمایا کہ بابا اس رقعہ کی پشت پر گول گول سی کیا شکل بنی ہوئی ہے آپ نے فرمایا جس رقعہ پر یہ شکل بنائی جاتی ہے وہ مسترد نہیں کیا جاتا۔ شیخ عزیزالدین نے عرض کیا بابا آپ بھی اس رقعہ کو مسترد نہ فرمائیں یہ سنکر شیخ بزرگ اٹھے اور مع حاضرین خواجگی کی مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ تھی آپ کی عفو و درگذر کی کیفیت۔

حج بیت اللہ

سرور الصدور میں مذکور ہے کہ حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدینؒ ناگور شریف سے جب سفر حج کے لئے روانہ ہوئے تو تمام معتقدین دوست احباب اور اعزا و آپ کو مسجد نبی تک پہنچانے آئے۔ آپ کے خاص مریدین میں یہ حضرات تھے :۔

(۱) شیخ ابوبکر کہائی (۲) نصیر الدین خوئی (۳) یٰسین ترک (۴) شیخ صلاح الدین (۵) شیخ عبداللہ (سرور الصدور میں مذکور ہے" اد محرم دے بود دروزہ بداشتنے کے آخر ذی الحجہ۔ دوم اول محرم تا انتہا") (۶) محمود قتال (جن کا مزار کھاٹو میں پہاڑی پر واقع ہے۔ قاضی عالم جن کا مزار دہلی میں ہے اور جو سلطان المشائخ کے ہمعصر تھے۔

جب قاضی کمال الدین حضرت صوفی علیہ الرحمۃ سے بغل گیر ہوئے اس وقت اُن سے آپ نے فرمایا ہمیں معتقدم سمجھو۔ یہ سنکر سب آبدیدہ ہوئے اُس زمانہ کے احباب واعزا کے اخلاص کا یہ عالم تھا

حضرت سلطان التارکین فرماتے ہیں کہ دوران سفر حج جب ہمارا گروہ جو فقراء پر مشتمل تھا ایک مقام پر پہنچا تو میرے ساتھیوں نے مجھ سے کہا کہ آج تک تو ہم مانگ کر لائے ہیں آج آپ مانگ کر لائیں گے اور ہم لوگوں کو کھلائیں گے۔ آپ یہ سنکر خاموش ہوگئے اور سوچنے لگے کہ حاجت براری کے لئے خدا کے

سوا میں کس کے سامنے ہاتھ پھیلاؤں کیوں کہ مصرعہ

کسی کے سامنے اب ہاتھ پھیلایا نہیں جاتا

اِدھر دوستوں کی فرمائش کا خیال۔ بہر حال خیالات کی اسی کشمکش میں آپ جھولی ہاتھ میں لٹکا کر چل پڑے۔ مگر منہ سے کسی قسم کی صدا نہیں لگاتے تھے۔

فرماتے ہیں کہ ایک عورت مجھے بغور دیکھ رہی تھی۔ میں نے کہا بی بی کیا دیکھتی ہو اور کیا سوچتی ہو۔ اس نے جواب دیا کہ اے فقیر میں یہ سوچ رہی تھی کہ تو گداگر نہیں ہے۔ آپ نے کہا کہتی تو ٹھیک ہو۔ یہ زندگی میں پہلا اتفاق ہے اس نے کہا اپنی جھولی دے وہ جھولی دودھ اور چاول سے اتنی بھر لائی کہ دوسرے در پر جانے کی ضرورت نہ رہی۔ میں اپنی قیام گاہ پر واپس آگیا اور کھانے سے بھری ہوئی جھولی ساتھیوں کے سامنے رکھدی وہ کھانا سب نے خوش ہو کر کھایا۔

چنانچہ حضرت سلطان التارکین فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے رب کو روزی رسانی کے باب میں نہیں پہچان سکتا وہ اس کو کسی مقام میں نہیں پہچان سکتا۔

مجاہدۂ نفس

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ ٭ ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

حضرت صوفی حمید الدین سلطان التارکین عسرت و تنگی میں بسر

کرتے تھے مگر اس فقر و فاقہ کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے۔

سر در الصدور میں مذکور ہے کہ حضرت شمس الدین حلوائی رح کو جو آپ کے استاد تھے کسی بزرگ نے خواب میں دیکھا فرماتے تھے کہ ہمارے حمید نے ما مال الی الدنیا قسط۔ دنیا کی طرف مطلق توجہ نہیں کی۔ آفریں ہے اس کی عالی ہمتی پر۔

حضرت سلطان التارکین رح کا ارشاد گرامی ہے کہ ترک دنیا کی راہ صرف یہی ہے کہ درویش عالی ہمت ہو۔

ترک لیین نامی آپ کا ایک مرید تھا جو نہایت دولت مند اور صاحب ثروت تھا مگر کسی حادثہ کے باعث بالکل مفلس ہو گیا تھا اس کے لئے آپ فرمایا کرتے تھے کہ میرا جی اکثر چاہتا ہے کہ میں اسکے لئے اللہ سے کچھ مانگوں مگر پھر یہ خیال مانع رہتا ہے کہ دنیا میں اس کو پھر کیوں مبتلا کر دوں۔

آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ خدائے عزوجل اپنے بندوں سے یہ پوچھے گا کہ دنیا سے میرے واسطے کس قدر ترک لائے ہو

ایک مرتبہ حاکم ناگور نے چاہا کہ آپ کی خدمت میں کچھ نذرانہ پیش کرے۔ اس کو خیال لاحق ہوا کہ آپ کہیں اس کے نذرانہ کو مسترد نہ فرما دیں اس لئے شیخ وحید الدین سے اپنی خواہش ظاہر کی انہوں نے اس کو بتایا کہ شیخ بزرگ کے مسلک میں نذرانہ روا نہیں پھر اس نے اپنے رشتہ دار سے جو شیخ بزرگ کا مرید تھا اپنا خیال ظاہر کیا

تا ایسے اس باب میں شیخ عزیز الدین رح کی وساطت حاصل کی جب شیخ عزیز الدین نے شیخ بزرگ سے حاکم ناگور کی سفارش کی تو

توآپ نے بیوی صاحبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا تمہیں معلوم ہے میں کسی قسم کا نذرانہ قبول نہیں کرتا۔ اس پر بی صاحبہ نے عرض کیا آپ اپنے ترک پر قائم رہیں اللہ ہمارے اتقا میں معاونت فرمائے گا۔

قرآن مجید کے اٹھارھویں پارہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

یَا اَیُّهَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (اے نبی نفیس یعنی حلال کھاؤ اور عمل صالح کرو) اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عمل صالح سے پہلے اکل حلال کا حکم دیا گیا ہے۔

نیز سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنے ہاتھ کی کمائی سے زیادہ حلال رزق اور کوئی نہیں۔ چنانچہ ہم انبیاء کرام ذوی الاحترام کی فہرست میں دیکھتے ہیں تو حضرت ذکریا علیہ السلام بڑھئی تھے حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بن کر اور حضرت سلیمان علیہ السلام بوریئیں بن کر گذر اوقات فرماتے تھے۔ حلال روزی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ زراعت بھی ہے چنانچہ حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ نے اپنے واسطے پیشۂ زراعت پسند فرمایا پرگنہ ناگور کے موضع سوال میں آپ ایک بیگہ زمین خود کاشت کر کے اپنی اور اپنے بال بچوں کی روزی حاصل کرتے تھے۔

لباس کا یہ حال تھا کہ ایک چادر کمر پہ اور دوسری جسم پر پڑی رہتی تھی۔ بیوی صاحبہ کے سر پر بھی دوپٹہ تک نہ تھا پیراہن کا دامن سر پر ڈال لیا کرتی تھیں لیکن آپ کی اس عسرت وتنگی کی زندگی میں بھی ایک شان استغنے تھی۔

آپ کی مجلس میں جاہ وحشم اور مال ومتاع دنیاوی کا ذکر تک

نہیں ہوتا تھا بقول حکیم سنائی آپ اس دنیا میں اس طرح زندگی گذارتے تھے۔

این دو روزہ حیات نمہ د خرد　　　　چہ خوش زنا خوش چہ نیک وچہ بد

اکل حلال انسان کے دل اور جوارح کو اللہ کی یاد اور عبادات کی طرف راغب کرتا ہے اور اکل حرام یا مشتبہ دل کی نورانیت کو زائل کر کے انسان کو مالک حقیقی کی بغاوت پر آمادہ کرتا ہے سلطان محمود غزنوی جب ہندوستان پر فتح کی دعا کرانے کی غرض سے حضرت خواجہ ابوالحسن خرقانی رح کی جھونپڑی پر حاضر ہوا تو خواجہ صاحب نے سنت محمدی کے مطابق کھانا پیش کیا جو رات کی باسی روٹی کے چند ٹکڑوں اور پانی کے ایک پیالہ پر مشتمل تھا محمود نے کہا "حضرت مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یہ باسی ٹکڑے میرے معدے کو خراب نہ کر دیں،، خواجہ صاحب نے اس کی رد میں فرمایا "محمود مجھے خطرہ ہے کہ کہیں یہ مشتبہ اور مشکوک مال جو تو میرے نذرانہ کے لئے لایا ہے میرے دل کو زنگ آلود نہ کر دے"۔

اس حکایت سے غرض یہ تھی کہ نذرانہ و فتوح مال مشتبہ ہے اس لئے بزرگانِ چشت نے اسے قبول نہیں فرمایا۔

حضرت شیخ صوفی سلطان التارکین رح بھی چونکہ اکل حلال کی برکات و کیفیات سے واقف تھے اس لئے نذرانہ و فتوح قبول نہیں فرماتے تھے

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حاکم ناگور نے شاہ وقت کی جانب سے کچھ زمین اور نقد روپیہ آپ کی خدمت اقدس میں پیش کیا اور اس کو قبول کرنے کی درخواست کی تاکہ آپ فراغ دلی سے عبادت الٰہی میں مشغول رہیں حضرت صوفی علیہ الرحمۃ نے فرمایا جب میرے خواجگان میں سے کسی نے نذرانہ و فتوح قبول نہیں کی تو میں کیسے کر سکتا ہوں میرے

واسطے میری ایک بیگہ زمین کافی ہے۔ آپ نے معذرت چاہی اور فرمان اس حاکم کو واپس کر دی۔ اس حاکم نے آپ کی قناعت اور مجاہدۂ نفس کا حال بادشاہ سے عرض کیا۔ جس پر بادشاہ نے اس کو ایک گاؤں کا فرمان اور پانصد روپیہ بھیج کر لکھا کہ یہ نذرانہ عقیدت میری جانب سے حضرت صوفی کی خدمت میں پیش کر کے اس کو قبول فرمانے کی درخواست کرو۔ چنانچہ حاکم ناگور اس فرمان شاہی کی تعمیل میں پھر حضرت سلطان التارکین کی خدمت میں حاضر ہوا اور بادشاہ کا نذرانہ پیش کیا۔ آپ نے اس سے تو کچھ نہیں فرمایا اور اٹھ کر گھر کے اندر تشریف لے گئے اور بیوی صاحبہ سے فرمایا کہ بادشاہ نے ایک گاؤں کا فرمان اور پانصد روپیہ بھیجا ہے اس کو قبول کیا جائے یا نہیں۔ اس وقت بیوی صاحبہ سر برہنہ تھیں اپنے پیراہن کا دامن سر پر ڈال رکھا تھا حضرت کا تہ بند بھی بوسیدہ ہو کر پھٹ چکا تھا اللہ رے شان استغنیٰ بیوی صاحبہ نے جواب دیا کیا اس کو قبول کر کے اپنے فقر کو باطل کرو گے میں نے دو سیر سوت کاتا ہے اس کی قیمت سے میری چادر اور دوپٹہ اور آپ کا تہ بند بن جائیں گے۔ بیوی صاحبہ کا یہ جواب سنکر صوفی علیہ الرحمۃ بے حد خوش ہوئے اور آکر حاکم سے کہدیا کہ مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔

ملک کر یہ شیخ بزرگ کے وظیفہ دینے میں حیل و حجت کیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ جب تک شیخ بزرگ میرے پاس نہیں آئیں گے میں وظیفۂ شاہی

نہیں دوں گا۔ حاضرین مجلس اور آپ کے صاحبزادے شیخ عزیزالدین رح نے آپ سے عرض کیا وہ ترک بچہ جو اس وقت حاکم ناگور ہے بڑا ہمدرد واقع ہوا ہے اگر آپ ایک مرتبہ اس کے پاس تشریف لے جائیں تو بہتر ہے تاکہ وظیفہ جاری ہو جائے آپ نے فرمایا اگر میں کسی کے پاس جاکر وظیفہ لوں گا تو دنیا یہ کہے گی کہ صوفی وظیفہ کے واسطے ترک بچہ کے پاس گیا تھا۔ چنانچہ آپ نے اس کے پاس جانے سے صاف انکار کر دیا۔

سرورالصدور میں مذکور ہے کہ ایک دن آپ نے اپنے مرید حضرت عبداللہ قدس سرہٗ کے مکان پر دوران گفتگو یہ فرمایا کہ وہ کون ہے جو یہ کہتا ہے کہ اس نے سلوک کی تمام منازل طے کر لی ہیں سب حاضرین خاموش رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کے صاحبزادے شیخ عزیزالدین رح نے عرض کیا بابا آپ نے یہ کیا فرمایا آپ نے جواب دیا کہ راہ سلوک میں قدم رکھنے کے لئے پہلے ترک دنیا کرنا ہے پس وہ شخص کون ہے جو ترک دنیا کا دعویٰ کرتا ہے یا تو کوئی راہ خدا میں چلنے کا دعویٰ نہ کرے اور اگر کرے تو چل کر بتائے۔

صاحب سرورالصدور فرماتے ہیں کہ اللہ نے یہ توفیق آپ کو عطا فرمائی تھی آپ ایسے فارغ من الدنیا ہو گئے تھے کہ دنیا کے کاموں میں کبھی ایک پیسہ تک صرف نہیں کرتے چنانچہ آپ نے اس مسلک کا اظہار یوں فرمایا ہے رباعی

دنیا ز خیال خود بروں بردستم عقبےٰ ہمہ وقت یاد نیا ور دستم

(میں نے دنیا کو اپنے خیال سے بالکل نکال دیا ہے حتیٰ کہ میں عقبےٰ کو بھی ہر وقت یاد نہیں کرتا۔)

روزے کہ روندگان بروئیت برسند　　من باشم و دامن وصال تو در دستم

(جس روز ہو پہنچنے والے تجھ تک پہنچ جائیں گے۔

میں ہوں گا اور تیرے وصال کا دامن میرے ہاتھ میں ہوگا

شیخ الاسلام بہاء الدین ذکریا سے فقر و غنا کے موضوع پر حضرت سلطان التارکین کی بہت خط و کتابت ہوئی تھی اس میں سے ایک مراسلہ کا مضمون یہ ہے کہ مشائخ کے خیال کے مطابق اور نصوص اور احادیث کی رو سے دنیا اور اس کا مال و اسباب حضرت تعالیٰ تک پہنچنے میں مانع ہے اور جب ہم یہ سنتے ہیں کہ ہمارے زمانہ کے بعض مشائخ کے پاس اس کا کثیر حصہ ہے اور اس کے باوجود ان سے خوارق عادات اور کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں تو اس فقیر کو اس بارہ میں سخت حیرت ہوتی ہے اگر آنجناب براہ لطف و کرم اس عقدہ کی گرہ کشائی کریں تو عین عنایت ہوگی۔

دوسرے خط میں رقمطراز ہیں کہ اس احقر نے شیخ بہاؤ الدین کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا تھا اور اس میں ان مشکلات کے بارے میں جو اس مسکین کو درپیش تھیں حضرت عالی سے جواب کی التماس کی تھی حضور نے کسی وجہ سے اس کا جواب نہیں دیا اور اگر دیا بھی تو تسلی بخش نہ تھا۔ چنانچہ اس حقیر نے درگاہ حضرت تعالےٰ میں منت کی اور گریہ و زاری سے دعا کی کہ اپنے بندہ کی مشکل آسان کر اور اس مقصود کا کوئی سراغ دے۔ حضرت مجیب الدعوات نے بندے کی دعا قبول فرمائی اور یہ معلوم ہوا کہ اہل شریعت جو ثواب اُخروی کے طالب ہوتے ہیں اور ثواب حاصل کرنے کے لئے خویش و

سلہ اخبار الاخیار صفحہ ۹۹

نزدیک سے پاکیزہ افعال کا اکتساب کرتے ہیں ان سے تقویٰ اور پرہیز گاری کے حقائق اور وہ روحانی و نفسانی اسرار جن کو ارباب طریقت پالیتے ہیں مخفی رہتے ہیں۔ اسی طرح ارباب طریقت قرب اور نزدیکی کے ان اسرارات اور تجلی ذات کے ان انوار سے جو طالبانِ مولیٰ کے لئے مخصوص ہیں جن کے نزدیک ماسوائے حق ہر چیز خواہ وہ کشف و مشاہدہ ہی کیوں نہ ہو حجاب ذات کا باعث ہوتی ہے محجوب و معذور رہتے ہیں۔ پس جو شخص ہر اس چیز کی تحقیل میں جو ماسوائے حق ہے عاجز ہو درحقیقت محجوب ہے خواہ وہ نہ جانتا ہو کہ وہ محجوب ہے

حضرت شیخ صوفی علیہ الرحمۃ نے حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانی کو کبھی شیخ بہاؤ الدین نہیں کہا۔ آپ ہمیشہ مولانا بہاؤ الدین کہتے تھے آپ اُن کو خدا رسیدہ تصور نہیں کرتے تھے آپکا ارشاد ہے جب اللہ تعالےٰ بندہ کو عزیز کرتا ہے تو دنیا کو اس کی نظروں میں خوار کرتا ہے اور جسے خوار کرتا ہے اس کی نگاہوں میں دنیا عزیز کرتا ہے۔

ایک دفعہ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خلفا سے فرمایا کہ درویش کو اختیار دیا گیا کہ خواہ دنیا اور مافیہا کو پسند کرے خواہ عاقبت کو مگر اس نے عاقبت اختیار کی۔ خواہ کوئی صائم الدہر کیوں نہ ہو اور شب بیدار کیوں نہ ہو اگر حُبِّ دنیا اسکے دل میں باقی ہے تو اس روزہ داری اور شب بیداری سے اس کو کچھ حاصل نہ ہوگا وہ دنیا پرست ہے اس کو تارک نہیں کہہ سکتے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اکرمؐ نے

اصحاب صفہ کی مجاہدۂ نفسی اور دلوں کی پاکیزگی سے واقف ہو کر فرمایا کہ میں تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ جو تم میں سے موجودہ سختی پر رضا اور رغبت سے قائم رہے گا وہ قیامت کے دن میرا رفیق ہو گا۔

سیر العارفین میں حضرت شیخ جمالی رقمطراز ہیں کہ جب شیخ نجم الدین صغری شیخ الاسلام دہلی نے حضرت جلال الدین تبریزی رح پر تہمت لگائی تھی اس مقدمہ کے انفصال کے واسطے سلطان شمس الدین نے حضرت صوفی سلطان التارکین اور شیخ الاسلام بہاؤ الدین زکریا ملتانی کو بلایا تھا۔ اس موقعہ پر ان ہر دو بزرگوں میں فقر و غنا پر کافی گفتگو ہوئی۔ حضرت صوفی علیہ الرحمۃ نے شیخ الاسلام بہاؤ الدین ذکریا سے استفسار کیا کہ مخدومی اس میں کیا حکمت ہے کہ جس جگہ مال و متاع رکھا جاتا ہے وہاں سانپ بھی رہنے لگتا ہے اور یہ مشہور بھی ہے کہ جس جگہ خزانہ ہو گا وہاں سانپ بھی ہو گا۔ اور جہاں پھول ہونگے وہاں کانٹے بھی ہوں گے حالانکہ سانپ اور مال میں نہ ظاہری مناسبت ہے نہ باطنی۔ پھر دونوں کی یکجائی کا کیا سبب ہے۔

شیخ الاسلام بہاؤ الدین نے جواب دیا اگرچہ دونوں میں ظاہری مناسبت تو نہیں مگر باطنی ضرور ہے وہ یہ کہ زہر کے باعث سانپ بھی مہلک ہے اور مال بھی اکثر آدمیوں کی ہلاکت کا موجب بنتا ہے۔ حضرت صوفی علیہ الرحمۃ نے فرمایا بقول آپ کے سانپ اور مال اس معنی میں مترادف ہیں یا یوں کہیئے کہ جو مال رکھتا ہے سانپ رکھتا ہے۔

شیخ بہاؤ الدین صاحب دولت و ثروت ہونے کی بنا پر

سمجھ گئے کہ حضرت صوفی علیہ الرحمۃ کا کنایہ ان کی طرف ہے اور فوراً جواب دیا کہ مال و دولت اگرچہ سانپ ہے مگر اس شخص کو گزند نہیں پہنچاتا جس کو منتر آتا ہو۔

صوفی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ یہ کیا ضرور ہے کہ زہریلے اور مہلک جانور کو پالا جائے جس کے واسطے منتر کی محتاجی ہے۔

شیخ بہاؤ الدین لاجواب ہو کر تھوڑی دیر تو خاموش رہے اسکے بعد اپنے شیخ طریقت شیخ شہاب الدین سہروردی کی طرف ذریعہ مراقبہ رجوع کیا اور ان کے ایماء سے صوفی علیہ الرحمۃ کو کہا کہ آپ کی درویشی ایسی حسین و جمیل نہیں جس کو نظر لگ جائے اور ہماری درویشی ایسی ہے کہ اگر ہم اپنے رخ پر دنیا کی سیاہی کا وسمہ نہ لگائیں تو ہمیں نظر لگ جانے کا احتمال ہے۔

سیر العارفین و دیگر کتب میں ان حضرات کی گفتگو بس یہیں تک لکھی گئی ہے مگر حضرت نجم الدین پروانہ فتح پوری رح مصنف مناقب التارکین فرماتے ہیں کہ ان کے ہم خرقہ بھائی میاں قادر بخش افغانی فرماتے تھے کہ انہوں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ شیخ الاسلام بہاؤالدین ذکریا ملتانی کے اس جواب پر حضرت صوفی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ آپ کی درویشی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درویشی سے تو زیادہ حسین و جمیل نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے الفقر فخری والفقر منی (یعنی فقر میری فخری ہے اور فقر مجھ سے ہے۔

آپ کے اس جواب کے آگے شیخ الاسلام لاجواب ہو کر خاموش

ہوگئے اور سمجھ گئے کہ حضرت صوفی کا مقام ترک و سلوک میں بہت اعلیٰ ہے۔ ملتان پہنچ کر شیخ الاسلام بہاؤ الدین ذکریا نے امتحاناً کچھ سونا چاندی بیلوں پر لدھوا کر کسی بنجارے کے ہمراہ شیخ بزرگ صوفی کی خدمت میں ناگور شریف بھجوایا اور اس کو قبول کرنے کی درخواست کی آپ نے فرمایا اس کو گنیرانی تالاب کے میدان میں پھینک دو۔ تاکہ مفلس و محتاج اس کو لوٹ لے جائیں۔ بنجارہ نے تعمیل حکم میں ایسا ہی کیا۔ غریب غربا یہ سونا اور چاندی لوٹ کر لے گئے۔

جب بنجارے نے رخصت چاہی تو آپ نے فرمایا ہماری طرف سے کچھ اسی تالاب کے میدان کے سنگ ریزے بھر کر شیخ الاسلام بہاؤالدین کے پاس لے جاؤ اور تحفتاً پیش کر دو۔ بنجارے نے تعمیل حکم کی جب وہ ملتان پہنچا تو دیکھا کہ تمام سنگ ریزے سونے کے ہیں

؎ آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند

آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

بنجارے نے یہ واقعہ شیخ الاسلام سے من و عن بیان کر دیا۔ ایک ہندو نے اس واقعہ کو اپنی زبان ہندی میں اس طرح قلمبند کیا ہے۔

کبت ہندی

بڑے پیر ملتان کے جہاں دین کا دیش

بالد بھری بہاؤ دین چشتی تارکین کے پیش

گنیلانی کے چوک پر اترے بالد آئے

حکم کیا سلطان جی چھن میں دے لوٹائے

کنکر بہا ہے، کون بچ کھوٹے کنچن مال
تم کو میاں بہاؤ دین چشتی دی رسال
بھیڑ پڑی جب گاڑی کون پکڑی آئے
حکم کیا سلطان جی چھن میں دیئی چھٹائے

سلوک

اصول الطریقہ حضرت سلطان التارکین کی سب سے مشہور تصنیف ہے اس میں ایک جگہ فرماتے ہیں :۔

"راہ سلوک کے راہرو جن کا مقصد درگاہ الٰہی تک رسائی حاصل کرنا ہے تین جماعتوں میں تقسیم ہیں جیسا کہ کلام مجید میں آیا ہے :۔

الَّذِینَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَیْرَاتِ۔

(ہم نے اپنے بندوں کو چن لیا ہے جن میں کچھ وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس پر زیادتی کرتے ہیں کچھ بہت محتاط ہیں اور نیکیوں میں سبقت لے جاتے ہیں) یعنی مطرود۔ مشکور اور فائق معذور وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لاتے اور توحید کا اقرار کرلے کے بعد حضرت ایزدی کی بارگاہ میں نہیں آتے اور اگر آتے ہیں تو دیر میں آتے ہیں اور آہستہ آہستہ آتے ہیں اور "سارعوا" (جلدی کرو) کے راز سے غافل ہیں۔

مشکور وہ لوگ جو ایمان کے ہم عنان اور اقرار کے ہم رکاب

آتے ہیں۔ فانی وہ لوگ ہیں جو "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" کے خطاب کو یاد رکھتے ہیں اور اس کا جواب "قَالُوْا بَلٰی" بھی نہیں بھولے ہوں۔ یہ لوگ دعوتِ اسلام سے پہلے ہی خطابِ ازلی اور جوابِ لم یزلی کے حکم کو قبول کر کے شروع ہی میں اسرارِ الٰہی کی طلب میں نکل آئے بہت سے لوگ اس قسم کے تھے جو پوشیدہ طور پر چلے گئے اور کسی شخص کو ان کے نام تک کا پتہ نہ لگا اور نہ ہی ان کا نشان ملا۔ ان میں سے جن لوگوں سے شناسائی ہوئی وہ ہمارے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف سے ہوئی ورنہ کسی شخص کو ان کے نام و نشان کا سراغ تک ملتا نہیں ہے۔ ان میں ایک امیر المومنین ابوبکر صدیق رض تھے جو دعوت سے پہلے رسالت کی طلب میں نکلے اور اپنے درد کی دوا چاہی۔ ان میں سے ایک امیر المومنین علی مرتضیٰ تھے جو اپنے سن بلوغ سے پہلے ہی دعوت قبول کرنے کے لئے تیار تھے۔ ایک حضرت اویس قرنی رح تھے کہ اگر پیغمبر اسلام انکی تعریف نہ فرماتے تو ان کا نام بھی کسی تذکرہ میں نہیں ملتا

۔ آفریں اس قدرت پر جو ان لوگوں کو رب العزت کی بارگاہ میں حاصل تھی کہ انہوں نے نہ دنیا میں کچھ رکھا اور نہ دنیا سے کچھ لے گئے آزاد آئے اور شاد گئے۔ ان میں سے ایک حضرت سلمان فارسی تھے جو دعوت سے پہلے ہی طلب ہدایت میں نکلے اور خود ہی عہد ربوبیت کا اقرار کیا۔ لہٰذا فانی وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو معلوم ہو گیا کہ خداوند تعالیٰ جل شانہٗ کی ذات موجود ہے جو لافانی ہے تو وہ فنا کے طالب ہوئے کیونکہ اس کا وجود نہیں۔ اس طرح انہوں نے راہ عدم میں قدم رکھا اور اس راہ میں سرگرداں رہے انہوں نے نومیدی کا تختی پڑھ لی جو پڑھی نہیں جا سکتی۔

اور راہ فنا میں الف کی مانند یگانہ و فرد ہو گئے نہ تو ان کا
وجود ہی باقی رہا اور نہ ہی فنا کا خیال۔ عین فنا میں انہوں نے
بقا حاصل کی۔ فنا میں باقی رہنے کو بقائے ابد کہتے ہیں۔ اسی
باعث تو درویش کہتے ہیں کہ ہمارے ملک کو زوال نہیں۔ یعنی
ہمارا ملک درویشی ہے اور درویشی ایک امر نفی ہے
اثبات کی نفی ہو سکتی ہے مگر نفی کی نفی نہیں ہو سکتی یہ ایک
راز ہے جو مشکل سے سمجھ میں آتا ہے۔ ایک موقع پر فرماتے
ہیں کہ مراتب راہ کا پہلا مرتبہ علم ہے۔ علم حاصل کرنا ضروری
ہے۔ کیونکہ علم کے بغیر عمل درست نہیں ہوتا۔ مراتب طریقت
کا دوسرا مرتبہ عمل ہے کیونکہ عمل کے بغیر نیت کا وجود نہیں
مراتب درگاہ کا تیسرا مرتبہ نسبت ہے۔ نیت صحیح ہونی چاہیئے
کیونکہ صحیح نیت کے بغیر باطل کے علاوہ اور کوئی عمل نہیں ہوتا
چوتھا مرتبہ صدق ہے۔ صدق کا ہونا ضروری ہے کیونکہ
اس کے بغیر عشق کا وجود نہیں ہوتا۔

پانچواں مرتبہ عشق ہے۔ کیونکہ عشق کے بغیر توجہ درست
نہیں ہوتی۔ چھٹا مرتبہ توجہ ہے۔ توجہ اس لئے ضروری
ہے کہ اس کے بغیر سلوک حاصل نہیں ہوتا۔

ساتواں مرتبہ سلوک ہے سلوک اس لئے درکار ہے کہ
اس کے بغیر حضوری حاصل نہیں ہوتی۔

آٹھواں مرتبہ حضوری ہے۔ حضوری اس لئے ضروری ہے
تاکہ مقصود کا دیدار نصیب ہو

حاتم اصمؒ نے شیخ شفیق بلخی سے آٹھ مسئلے سیکھے تھے
جن کو حضرت امام غزالیؒ نے اپنی تصانیف میں بیان کیا ہے
شیخ عزیز الدین نے
یہ مسائل فارسی میں لکھکر حضرت سلطان التارکین کی خدمت میں
پیش کئے آپ نے فرمایا کہ ان کی ضرورت ہی کیا ہے کیونکہ جس نے
دنیا ترک کر دی اور پھر اسکے پیچھے نہیں دوڑا تو سمجھ لو کہ اس نے
کتابیں پڑھ لیں اور ان پر عمل کیا۔
آپ کا ارشاد ہے کہ آخرت کے عمل سے دنیا طلب نہیں کرنا
چاہیئے بلکہ دنیا کو دنیا کے کاموں سے طلب کرنا چاہیئے۔ اسی مفہوم
کو آپ نے اپنی اس رباعی میں بیان فرمایا ہے۔

رباعی

دنیا چو بآخرت حسابست مخواہ
عقبےٰ چو بعاقبت عقباست مخواہ
از پیر مرید دانشا نے عجب است
ہر چیز کہ آنست حجابست مخواہ

رہرو راہ سلوک کو بایں الفاظ تلقین فرماتے ہیں:۔

رباعی

گفتم کہ حجاب را بشر چندست
برخوان و دراں بگو کہ نیکو پندست
گویم مجمل کہ اگر پذیری از من
ہر چیز کہ آنست حجاب و بندست

آپ نے فرمایا کہ جو شخص خلق کو خلق کے ساتھ دیکھتا ہے ناقص دیکھتا ہے اور جو خلق کو خدا کے ساتھ دیکھتا ہے کامل دیکھتا ہے ۔ چنانچہ آپ خلق خدا پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ رہرو راہ محبت کے لئے ترک ہوس کی یوں تلقین فرماتے ہیں :-

رباعی

در عشق ہر آنکس کہ ہوس می گیرد
در معرض سیمرغ مگس می گیرد
برخیز کہ تو راہ گیر کاندر شب عمر
در خانہ نشستہ را عسس می گیرد

جب سود و زیان کا کھٹکا دل میں باقی رہتا ہے عشق میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی اس مفہوم کو اس طرح بیان فرماتے ہیں :-

تا یک نفس از نفس تو پیداست ہنوز
بر درگہ دل زدیو غوغاست ہنوز
تا سود و زیاں ہست در اندیشۂ تو
عشقت ندہد دست کہ سوداست ہنوز

راہ عشق میں ہستی فنا کئے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا اس راز کو اس طرح سمجھاتے ہیں :-

تا در تو پندار ہستی باقی است
میداں بہ یقیں کہ بت پرستی باقی ست

گفتی بتِ پندار شکستم رستم
ایں بت کہ تو پندار شکستی باقی ست

آپ کا ارشاد ہے کہ سلوک یہی ہے کہ انسان بری صفات ترک کرے اور اچھی صفات اختیار کرے۔

سالک کو اس انداز میں تعلیم فرماتے ہیں۔

اول از صفات حق برانگیز بگو
پس راہ سوئے ذات اگر ہست بجو
گاہ دل از غبار اغیار بروب
جاں را ز صفت باب تیز بہ بشو

شیخ بزرگ خلق خدا کے ساتھ بہت شفقت فرماتے تھے آپ جماعت کی نماز میں پہلی صف خلق کے واسطے بطور ایثار چھوڑ دیا کرتے تھے اور دوسری صف اپنے لئے اختیار کرتے تھے۔

شیخ بزرگ فرماتے تھے کہ ہرگز محبت کا دعویٰ نہ کرنا کیونکہ جب دعوے کے معنی پوچھے جائیں گے اس وقت کچھ بن نہ پڑیگا ہر فقیر کو زیبا نہیں ہے کہ بادشاہ کی محبت کا دعوے کرے ہر خاکروب کو بادشاہی کی جگہ نہیں مل سکتی ہم تم جو نفس امارہ کی قید میں گرفتار ہیں کب شایاں ہے کہ پروردگار کی محبت کا دعویٰ کریں۔ اس کے بعد شیخ فریدالدین سے شیخ بزرگ نے بَیْنِیْ وَ بَیْنَکَ اِنِّیْ یُزَاحِمُنِیْ فَارْفَعْ بِجُوْدِکَ اِنِّیْ بَیْنِیْ کے مفہوم کو اپنی رباعی میں اس طرح بیان فرمایا۔

رباعی

تا یک نفس از نفس تو پیدا ست ہنوز
بر درگہِ دل زد یو غوغا ست ہنوز
تا سود و زیاں ہست در اندیشۂ تو!
عشقت ندہد دست کہ سودا ست ہنوز

(ترجمہ) جب تک تیرے نفس کا ایک سانس بھی باقی ہے جان لے اس وقت تک تیرے دل میں شیطان کا غل پکار باقی ہے۔ جب تک نفع و نقصان کا خیال تجھ کو ہے عشق نہ ملے گا کیونکہ ابھی تک سودا باقی ہے۔ سالک کے لئے فرماتے ہیں ؎

تا در تو پندار ہستی باقی است
میداں بہ یقیں کہ بت پرستی باقی ست
گفتی بت پندار شکستم رستم
ایں بت کہ تو پندار شکستی باقی ست

(ترجمہ) جب تک تجھ میں ہستی کا خیال باقی ہے یقیناً جان لے کہ بت پرستی باقی ہے۔ تو تو یہ کہتا ہے کہ تو نے خیال کے بت کو توڑ ڈالا اور رہائی پائی۔ مگر تیرے خیال کا یہ بت کہ تو نے خیال کے بت کو توڑ ڈالا ابھی باقی ہے۔

کشف و کرامت

زمانے بھر میں روشن معجزات نائب خواجہ
بڑے اہلِ کرامت ہیں حمید الدین ناگوری

کشف و کرامت سے کسی بزرگ کی عظمت و مرتبت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ کرامت کا پوشیدہ رکھنا ولی کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا ایک عورت کے لئے اپنے حیض کو۔ کسی ولی کی عظمت و کرامت کا انحصار اس کے اخلاقِ حمیدہ تقویٰ اور اتباع سنّت پر ہے۔ کہتے ہیں حضرت ابو سعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص مرید ہونے کی غرض سے آیا اور کچھ عرصہ قیام کیا مگر اس عرصہ میں اس نے آپ کی کوئی کرامت نہ دیکھی۔ آخر مرید ہونے کا ارادہ ترک کر کے آپ سے واپسی کی اجازت چاہی آپ نے اس سے دریافت کیا بھائی کیوں آئے تھے اور کیوں جا رہے ہو۔ اس شخص نے کہا آپ سے مرید ہونے آیا تھا مگر اتنے عرصہ میں میں نے آپ میں کوئی کرامت نہیں دیکھی اس لئے ارادت ترک کر کے جا رہا ہوں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ فلاں بزرگ ہوا میں پرواز کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ چلے جاتے ہیں آپ نے فرمایا یہ کوئی بڑی بات نہیں پرندے بھی ایسا کرتے ہیں۔ اس نے کہا فلاں بزرگ دریا پر اپنا مصلےٰ بچھا کر ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچ جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا تنکے بھی پانی میں بہہ کر ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچ جاتے ہیں

آپ نے اس سے دریافت فرمایا کیا تم نے اس عرصہ میں میرا کوئی فعل خلاف شرع دیکھا۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا یہی میری سب سے بڑی کرامت ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خداوند تعالیٰ اپنے اولیاء کو یہ نعمت بھی ودیعت فرماتا ہے وہ اس نعمت کے اخفا میں بے حد اہتمام کرتے ہیں مگر پھر بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر ان سے کوئی چیز ظاہر ہو جاتی ہے

حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری کی حیات طیبہ میں بھی ہمیں خرق عادت کے واقعات ملتے ہیں جو انکی کرامت پر دلالت کرتے ہیں ان میں سے چند ہدیہ ناظرین ہیں۔

۱۔ قصبہ[1] ناگور میں ایک ہندو تھا جس کے متعلق آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ صاحب ولایت و نعمت ہے کیونکہ کرامت کو عقلی دلائل سے سمجھنا ناممکن ہے اس لئے سامعین کو تعجب ہوتا کہ ایک کافر کو آپ ولی فرماتے ہیں۔ مگر ایسا ہی ہوا جیسا آپ نے فرمایا تھا وہ ہندو مشرف باسلام ہوا اور درجہ ولایت تک پہنچا۔

۲۔ آپ[2] کے تین پوتے تھے جن کے اسمار گرامی شیخ وحید الدین شیخ فرید الدین اور شیخ نجیب الدین تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے واسطے فرمایا کرتے تھے وحید وحید من است (وحید میری طرح فرد یگانہ ہے) فرید سجادہ من است (فرید میرا صاحب سجادہ ہے) نجیب صاحب دیوان ست (نجیب صاحب دیوان ہے)

---

[1] سیر الاولیاء ص۱۶۲ [2] اخبار الاخیار

چنانچہ آپ کے یہ ارشادات عالیہ حرف بحرف صادق آئے۔
شیخ وحیدالدین اور شیخ نجیب کا انتقال آپ کی حینِ حیات میں ہوا اور شیخ فرید صاحب سجادہ ہوئے اور شیخ نجیب صاحب دیوان بنے۔

۳- آپ[1] اپنے پیر و مرشد خواجۂ خواجگان حضرت معین الدین حسن چشتی کی مسجد واقع اجمیر میں پیش امامت فرماتے تھے جب آپ تکبیر تحریمہ کہتے تو ہر مقتدی کو عرش اعظم نظر آتا تھا ہر مقتدی بزرگ اس کو اپنی خود کی کرامت سمجھتا تھا۔ ایک روز آپ مسجد میں موجود نہ تھے اس لئے کسی دوسرے بزرگ کو پیش امامت کرنی پڑی اس روز کسی کو عرش اعظم نظر نہیں آیا اور یہ راز منکشف ہوا کہ جلوۂ عرش علےٰ محض آپ کی بدولت نظر آتا تھا۔

۴- پیش[2] امامت کی غرض سے آپ ناگور سے روزانہ اجمیر شریف تشریف لاتے تھے۔ معمول یہ تھا کہ صبح کی نماز پڑھا کر واپس ناگور چلے جاتے پھر بزور ولایت ظہر کے وقت اجمیر شریف آکر نماز پڑھاتے اور بعد نماز عشار پھر ناگور واپس جاکر رات کو اپنی عبادت و ریاضت میں مشغول ہوجاتے۔

ناگور سے اجمیر شریف کا فاصلہ ۱۵۰ میل ہے اور یہ مسافت پیدل طے کرنا انسانی قوت سے باہر ہے

---

[1] مناقب المحبوب [2] سیر الاولیا صفحہ ۱۸۱

۵ - حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے صاحبزادے نے آپ کو ایک معاملہ میں ناراض کیا تھا - اس لئے آپ نے فرمایا - ماترا حبس درویشان فرمودیم - چنانچہ کچھ عرصہ بعد اس کو کسی سرکش نے گرفتار کر لیا اور اس وقت تک رہا نہیں کیا جب تک اس نے اپنا پورا ترکہ پدری اس کے حوالے نہ کر دیا -

وفات شریف

حضرت سلطان التارکینؒ زندگی میں بھی مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوتُوا کے مصداق تھے جیسا کہ آپ کے مجاہدات نفسی عبادات وریاضات سے ظاہر ہے آپ کے اس قول سے جو سرور الصدور میں مذکور ہے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنی وفات سے آگاہ تھے - شیخ فرید الدین چاک پران سرور الصدور میں تحریر فرماتے ہیں کہ شیخ بزرگ ایک روز ملول بیٹھے تھے یاران طریقت وخلفاء آپ کے گرد جمع تھے آپ نے فرمایا کہ اگر اس وقت میرا قالب بے روح ہو جائے تو تجہیز و تکفین میں عجلت نہ کرنا یہ سنکر سب کو تعجب ہوا کیونکہ اتباع سنت تجہیز و تکفین میں عجلت کرنا چاہئے - تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا اس وقت میری روح قالب چھوڑ کر عالم بالا کو چلی جاتی ہے اور دیر میں واپس آتی ہے -

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد جب آپ کو مرض الموت لاحق ہوا تو شیخ فرید الدین علیہ الرحمۃ نے عرض کیا - بابا اگر ایسے میں آپ کے

جسم کو بے روح پایا جائے تو تجہیز و تکفین میں جلدی کی جائے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا وہ بات اور تھی میرے انتقال کے بعد تکفین و تدفین میں عجلت کی جائے۔

معتبر کتب سیر میں لکھا ہے کہ حضرت صوفی سلطان التارکین ؒ کا وصال ۲۹ ربیع الآخر ۶۷۳ھ بعہد سلطان غیاث الدین تغلق واقع ہوا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

حضرت نجم الدین پروانہ فتحپوری رح فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کتاب کے حاشیہ پر حضرت فرید الدین چاک پران کے قلم مبارک سے لکھی ہوئی یہ عبارت دیکھی ہے توفی الی اللہ جدّی و استاذی حمید الملت والدین محمد بن احمد صوفی بعد اداء العصر من یوم الاثنین التاسع والعشرین من ربیع الاٰخر ۶۷۳ھ سبع و سبعین ستمایہ (میرے دادا اور استاد حمید الملت والدین محمد بن احمد صوفی نے بعد ادائے نماز عصر دوشنبہ تاریخ ۲۹ ربیع الآخر ۶۷۳ھ داعی اجل کو لبیک کہا)

شیخ محمد عباسی ناگوری نے آپ کی تاریخ وفات کو اس طرح نظم کیا ہے

قطعہ تاریخ وفات

اے شاہ تارکین توئی واصل خدا

برنام پاک تو بکنم جان خود فدا

اے شہسوار معرکۂ قرب ایزدی ۛ مسند نشینِ ملک شرائع محمدی

مقبولِ ہر دو عالم و محبوب ذوالجلال
مطلوب جن و انس بایں عظمت و کمال

از لطفِ خویش برمن مسکیں نظر کنی
وز لوحِ سینہ حادثہ و غم بدر کنی

امداد کن کہ از سرِ لطفت شوم قبول
مشغول ذکر باشم و بے خاطر ملول

فتحی زجان معتقدِ خاندان تو
باشد قدیم مخلصِ بادو دمانِ تو

فتحی ز سالِ فوت تو تاریخ تارکیں
بنما عدد ز ہجرت تا ایں زماں یقیں

پرسد اگر کسے ز تو تاریخ سال را
از تارکین ترک دہی حرف دال را

پس اعداد تارکین ششصد و ہشتاد و یک می شود ازیں جملہ چہار کہ عدد دال است دور کن۔

تاریخ گوئی کا یہ طریقہ تخرجہ کہلاتا ہے۔ تارکین کے اعداد ۶۸۱ ہوتے ہیں ان میں سے دال کے ۴ اعداد نکال دیے تو ۶۷۷ باقی بچتے ہیں۔ یہی سنِ وفات حضرت سلطان التارکین رح ہے

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی تاریخ وفات ۶ رجب ۶۲۷ھ ہے۔ اس اعتبار سے آپ اپنے پیر و مرشد کی وفات کے پچاس سال بعد راہی ملکِ بقا ہوئے۔

آپ کی وفات شریف ایک سانحہ عظیم تھا۔ ہر شخص اشکبار تھا۔ آپ کے جنازہ کے ساتھ تمام مسلمانان ناگور موجود تھے نماز جنازہ آپ کے پوتے شیخ فریدالدین چاک پراں نے پڑھائی۔

آپ کا مزار مبارک ناگور میں صدیوں سے مرجع خاص وعام ہے آپ کا عرس مبارک ۲۲ ربیع الآخر سے ۲۹ ربیع الآخر تک ہوتا ہے ایام عرس میں حضرت صوفی سلطان التارکین کے لاکھوں پرستاران اور معتقدین دور دراز سے آپ کے مزار مبارک پر فیوض و برکات حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوتے ہیں۔

ملتے ہیں اب بھی ورس ہیں نکسار کے ✣ صدقے مزار والے کے صدقے مزار کے

حضرت سلطان التارکین صوفی حمیدالدین نے وصیت فرمائی تھی کہ اگر کوئی چاہے کہ میری روح کو کچھ دے تو اس کو چاہیے کہ گوشت نہ دے بالفاظ دگر آپ نہیں چاہتے تھے کہ آپ کی خاطر کسی جان دار کی جان لی جائے اس لئے آپ کی اس وصیت کے مطابق آپ کی اولاد آپ کی فاتحہ گوشت پر نہیں دلواتی اور عرس کے موقع پہ لنگر میں گوشت نہیں پکتا۔

آپ کی اولاد اور معتقدین اس قدر اہتمام کرتے ہیں کہ دوران عرس گوشت نہیں کھاتے ہیں اور نہ گوشت کھا کر درگاہ شریف میں جاتے ہیں۔

آپ نے اپنا جانشین اپنے صاحبزادے حضرت شیخ عزیزالدین کی موجودگی میں اپنے پوتے حضرت شیخ فریدالدین چاک پران کو بنایا تھا۔ یہ واقعہ سرورالصدور میں اس طرح مذکور ہے۔ کہ حضرت

سلطان التارکینؒ اپنا بیشتر وقت دشت و صحرا میں صرف فرماتے تھے جب تشریف لاتے تو اکثر آپ کے سر مبارک پر دستار نہیں ہوتی تھی کیونکہ آپ کسی نہ کسی کو بخش دیا کرتے تھے ایک روز سر مبارک پر دستار نہ دیکھ کر آپ کے صاحبزادے شیخ عزیزالدین نے عرض کیا "بابا اگر دستار کسی کو مرحمت کر دی ہے تو دوسری پیش کی جاوے" آپ نے فرمایا نہیں کسی کو نہیں دی ہے میں نے رات خواب دیکھا تھا کہ آسمان سے فرشتوں کا نزول ہوا ہے جن کے ہاتھ میں کتابیں تھیں اور وہ مجردوں کے نام ان میں لکھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک بولا حمید کا نام بھی لکھ لو۔

دوسرے نے کہا ابھی تو اس کے چار گز کپڑا بندھا ہوا ہے اس کو مجردوں میں کیسے لکھا جا سکتا ہے وہ باتیں کر رہے تھے کہ میں نے خواب میں اپنا ہاتھ بڑھا کر دستار اتار پھینکی اس پر انہوں نے مجھے بھی اسی زمرہ میں لکھ لیا۔ صبح بیدار ہونے پر میں نے دیکھا کہ دستار جس جگہ میں نے خواب میں پھینکی تھی پڑی ہے۔ شیخ فریدالدین فرماتے ہیں کہ ہم لوگ سمجھ گئے کہ بابا آج سے دستار نہیں باندھیں گے۔ آپ کے صاحبزادے شیخ عزیزالدین نے عرض کیا بابا دستار کا اب کیا کیجئے گا ان کی خواہش تھی کہ ان کو دے دی جائے۔ آپ نے فرمایا عزیز اگر تم کہو تو یہ دستار فرید کو دے دوں شیخ عزیزالدین نے عرض کیا بہتر ہے چنانچہ شیخ بزرگ دستار لائے اور شیخ فریدالدین کو عطا فرما دی بیٹے کی موجودگی میں پوتے کو خلافت سے نوازنے میں یہ راز مضمر تھا

کہ آپ پر نورِ باطن سے روشن ہو چکا تھا کہ آپ کے صاحبزادے شیخ عزیز الدین آپ کی عینِ حیات میں ہی فوت ہو جائیں گے اسلئے آپ نے دستارِ خلافت اپنے پوتے شیخ فرید الدین کو عطا فرمائی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا شیخ عزیز الدین آپ کی حیات ہی میں فوت ہو گئے

قرابتیں اور رشتہ داریاں

اولاد حضرت صوفی سلطان التارکین اور اولاد حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی قرابتیں

حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری نے فرمایا[1] کہ معین الدین اور حمید الدین ایک ہیں چنانچہ آپ کی اولاد کی قرابت داریوں نے آپ کے اس قول کو صادق کر دکھایا۔

ان قرابت داریوں کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سجادگان و اولاد حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیریؒ کا حال اجمالاً تقدیم و تاخیر کے ساتھ بیان کر دیا جائے

اسماء[2] سجادگان و اولاد خواجۂ بزرگ

حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری اجمیری علیہ الرحمتہ کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے خواجہ فخر الدین مسندِ سجادگی پر رونق افروز ہوئے ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی سید ابوسعید ضیاء الدین ان کے بعد سید حسام الدین سوختہ بن خواجہ فخر الدین ان کے بعد خواجہ معین الدین خورد ان کے بعد ان کے بیٹے

---

[1] مذاق العارفین منقو   [2] مناقب العجیب مصنفہ حضرت نجم الدین پروانہ محمود پوری

سید نظام الدین ان کے بعد ان کے بیٹے سید فرید الدین جن کے
عہد میں اجمیر شریف میں غلبہ کفار ہو گیا تھا اور جملہ اولاد خواجہ
بزرگ جگہ جگہ منتشر ہو گئی تھی۔ جب دوبارہ اجمیر شریف
پر غلبہ اسلام ہوا تو سید تاج الدین بایزید بزرگ مسند
سجادگی پر بیٹھے آپ سید شہاب الدین بن شیخ قیام بابریالی
بن سید حسام الدین سوختہ بن سید فخر الدین بن خواجہ بزرگ
خواجہ معین الدین چشتیؒ کے صاحبزادے تھے ان کے بعد ان کے
بیٹے سید نور الدین طاہر ان کے بعد ان کے بیٹے رفیع الدین بایزید
خورد ان کے بعد ان کے بیٹے معین الدین ثالث ان کے بعد ان کے
بیٹے خواجہ حسین ان کے بعد ان کے بھتیجے دیوان ولی محمد بن ابوالخیر
پھر ان کے بڑے بھائی دیوان معین الدین رابع پھر ان کے بیٹے
دیوان سید عبدالستار عرف سید سوندھا ان کے بعد دیوان علاء الدین
بن سید علم الدین ان کے بعد دیوان سید محمد بن دیوان علاء الدین
پھر ان کے بیٹے دیوان فخر الدین پھر ان کے بیٹے دیوان سراج الدین
بن سید ابوالفتح بن سید علم الدین ان کے بعد دیوان مصلح الدین
بن دیوان فخر الدین بن دیوان سید محمد بن دیوان علاء الدین ان کے
بعد دیوان منیر الدین بن دیوان سراج الدین ان کے بعد دیوان
نجم الدین بن دیوان فخر الدین ان کے بعد دیوان امام الدین خاں
بن دیوان منیر الدین ان کے بعد دیوان عبدالعلی بن صدر الدین
بن زین العابدین پھر ان کے چھوٹے بھائی دیوان وارث علی جن سے
دیوان امام الدین نے مسند سجادگی حاصل کرلی ان کے بعد ان کے

بیٹے دیوان اصغر علی ان کے بعد ان کے بیٹے سید ذوالفقار علیخاں
پھران کے بھتیجے اور داماد سید مہدی علی خاں پھران کے برادر
زادے دیوان سراج الدین بن سید امام علی جو سنہ ۱۳۶۷ھ میں مسند
سجادگی پر بیٹھے۔ اسی طرح سے یہ سلسلہ جاری ہے۔

تفصیل دختران اولاد حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری جو اولاد حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری اجمیری سے منسوب ہوئیں

(۱) دختر خواجہ مخدوم حسین ناگوری نبیرہ حضرت سلطان التارکین
کا عقد سید نورالدین محمد طاہر بن سید تاج الدین بانبیرہ بزرگ
سے ہوا۔

(۲) بی رخیت النسا و بنت شیخ عبداللہ ناگوری نبیرہ حضرت
سلطان التارکین کا نکاح سید علم الدین بن ابوالخیر سے ہوا۔

(۳) دیوان سید محمد کی شادی جھونجھنوں میں اولاد حضرت
سلطان التارکین میں ہوئی۔

(۴) دلفت النسا بنت شیخ نورالدین جھونجھنوی نبیرہ حضرت
سلطان التارکین کا عقد سید تاج الدین بن سید وارث علی سے ہوا۔

(۵) بی بی جمیعت النسا، بنت شیخ نورالدین جھونجھنوی نبیرہ حضرت
سلطان التارکین کا عقد سید ناصر علی بن وارث علی سے ہوا۔

(۶) بی بی رفیع النسا، بنت شیخ غلام نبی ساکن جھونجھنوں کا عقد سید

(۱) مناقب الحبیب مصنفہ حضرت نجم الدین پروانہ ترجمہ حضرت مولانا محمد رمضان صاحب جھونجھنوی ۱۹۳۰

عزیز الدین بن وارث علی سے ہوا۔

(۷) بی بی امیر النسار عرف بی بی لبسیاں بنت شیخ غلام نبی مذکور کا عقد سید لطف علی بن سید وارث علی کے ساتھ ہوا۔

(۸) گلاب بی بی بنت شیخ جمال الدین بن شیخ کمال ساکن جھونجھوں کا عقد سید سدر الدین بن زین العابدین سے ہوا۔

(۹) بی بی فہیم النسار دختر شیخ الٰہی بخش ساکن جھونجھوں کا عقد سید رستم علی بن سید لطف علی سے ہوا

(۱۰) بی بی فہیم النسار بنت شیخ شہاب الدین ساکن جھونجھوں کا عقد سید نجم الدین بن سید لطف علی سے ہوا۔

(۱۱) بی بی بختاور عرف کالی بی بی بنت شیخ غلام رسول ساکن جھونجھوں کا عقد سید غلام حسین بن سید لطف علی سے ہوا۔

(۱۲) بی بی عزت النسار بنت شیخ عبدالقوی بن شیخ حسین بن عبدالرحمٰن ساکن جھونجھوں کی شادی سید عبدالاحد بن سید احمد بن حسام الدین سے ہوئی۔

(۱۳) بی بی لطیفہ بانو بنت شیخ جمال الدین ساکن ناگور کا عقد سید رزق اللہ بن لطیع اللہ سے ہوا۔

(۱۴) بی بی خواجہ مبارک علی بنت شیخ محمد فرید الدین عبدالمومن ساکن ناگور کا عقد سید اسداللہ بن ابوالفتح سے ہوا۔

(۱۵) سعیدۃ النسار بنت شیخ جمال الدین بن نظام الدین ناگوری کا عقد سید فیض الدین بن دیوان منیرالدین سے ہوا۔

(۱۶) بی بی وجیہہ النسار بنت شیخ نظام الدین ناگوری کا عقد سید عماد الدین بن دیوان سید احمد سے ہوا

ان کے علاوہ اور بہت سے رشتے ہوئے جنکی تفصیل بخوف طوالت نظرانداز کیجاتی ہے۔

تفصیل[1] دختران اولاد خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین چشتی رح

جو اولاد حضرت سلطان التارکین خواجہ حمید الدین صوفی کے عقد میں آئیں

(۱) فخر النساء بنت دیوان سید محمد بن دیوان علاء الدین کا عقد شیخ عبد الرزاق بن شیخ عبد الرحمن بن شیخ قطب بن شیخ کمال الدین اولاد حضرت سلطان التارکین سے جھونجھوں میں ہوا۔

(۲) بی بی زیب النساء بنت سید مجید الدین بن سید مفرح الدین بن دیوان فخر الدین کی شادی محمد رضا بن شیخ تقی محمد سے بلدہ جھونجھوں میں ہوئی۔

(۳) بی بی نور النساء بنت سید احمد بن سید حسام الدین کا عقد شیخ فقر اللہ بن شیخ عبد القوی بن شیخ حسین سے جھونجھوں میں ہوا۔

(۴) بی بی سعادت بانو بنت سید زین العابدین بن دیوان علاء الدین کا عقد شیخ عبد القوی بن شیخ حسین سے بلدہ جھونجھوں میں ہوا۔

(۵) بی بی علیم النساء بنت سید نجم الدین بن سید لطف علی کی شادی بلدہ جھونجھوں میں شیخ مولا بخش سے ہوئی۔

(۶) بی بی فاطمہ بنت سید نظام مذکور کا عقد شیخ نور اللہ برادر امان اللہ سے ناگور شریف میں ہوا

(۷) بی بی آمنہ بنت سید نظام بن سید مبارک عرف دیوان شاہ جی بن دیوان معین الدین رابع کا عقد شیخ امان بن شیخ محمد سے ناگور شریف میں ہوا۔

(۸) بی بی ظہور النساء بنت نجم الدین بن لطف علی کا عقد بلدہ جھونجھوں میں شیخ اصغر علی بن سلطان بخش سے ہوا۔

---

[1] مناقب الحبیب صفحہ ۱۹۲

(۹) عزت بی بی دختر سید مجید الدین بن مخرج الدین بن فخر الدین کا عقد شیخ غلام محمد بن عزیز محمد بن عبد الرحمن ناگوری سے ہوا۔

(۱۰-۱۱) قمر النساء و نجم النساء بنت سید لطف علی بن سید وارث علی کا عقد شیخ امیر علی اور شیخ محمد علی بن غلام محمد ناگوری سے ہوا۔

(۱۲) بی بی منیر النساء بنت سید نجم الدین بن سید لطف علی کا عقد مولانا محمد رمضان (جد راقم الحروف) سے بلدہ جھونجھوں میں ہوا۔

(۱۳) بی بی جنت النساء بنت سید نجم الدین بن سید لطف علی کا عقد محمد سرفراز علی بن خواجہ حاجی نجم الدین پروانہ سے جھونجھوں میں ہوا۔

(۱۴) بی بی قمر النساء بنت سید نجم الدین بن سید لطف علی کی شادی شیخ غلام اولیا بن شیخ بدر الدین سے جھونجھوں میں ہوئی۔

(۱۵) بی بی نجم النساء بنت سید نجم الدین بن سید لطف علی کا عقد مولوی عبد الغفور بن مولوی قمر الدین بن شیخ احمد بخش سے بلدہ جھونجھوں میں ہوا۔

(۱۶) بی بی خدیجہ بانو بنت سید ریاض الدین احمد بن سید نجم الدین بن سید لطف علی کا عقد محمد فرید الدین بن مولانا محمد رمضان بن خواجہ حاجی نجم الدین پروانہ سے بلدہ جھونجھوں میں ہوا۔

(۱۷) محمدی بیگم بنت سید ریاض الدین احمد بن سید نجم الدین مذکور کا عقد ایوب احمد بن مولانا محمد رمضان بن خواجہ نجم الدین پروانہ سے بلدہ جھونجھوں میں ہوا۔ محمدی بیگم کے انتقال کے بعد اس کی چھوٹی بہن فیاض بیگم کا عقد بھی ایوب احمد مذکور سے ہوا۔

تبحرِ علمی

حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری خلیفۂ حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے فاضل اجل اور عالم بے بدل تھے آپ کو عربی، فارسی اور ہندی تینوں زبانوں پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ قرآن و احادیث پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ مشائخ کی تصانیف پر پورا عبور تھا۔ اپنی تصانیف میں جگہ جگہ آیاتِ قرآنی، احادیث اور اقوالِ مشائخ نقل کرتے ہیں۔ آپ کی تصانیف اصول الطریقت، رسالۃ السلوک، چہار منزل اس بات کی شاہد ہیں ان کتب کے مطالعہ سے ناظرین آپ کے بے پناہ علم سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

علومِ دینی پر آپ کی نگاہ کا اندازہ صرف وہی لگا سکتے ہیں جنہوں نے سرور الصدور کا مطالعہ بغور کیا ہو۔ آپ کا نقد و نظر کا معیار بہت بلند تھا۔ جس کتاب کے متعلق جو رائے ظاہر کی ہے وہ اپنی جگہ حرفِ آخر ہے۔ تفسیر کشاف کے متعلق فرما گئے ہیں۔

"آنچہ در کتابہائے دیگر است ہم ازیں کتاب ست
و ہرچہ دانستہ آمد و خوش آمدہ است از اینجا نقل
کردہ اند و کتابہائے علیحدہ بنام خویش کردہ اند"

آپ اپنے مریدین و متعلقین کو علم فرائض حاصل کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ سرور الصدور میں فرما گئے ہیں۔

"فرمودند اگر فرائض بحث کنند نیکو باشد کہ اوّل
علمے کہ مقصود شود علم فرائض باشد پیغمبر فرمودہ
است کہ العلم الفرائض وعلموھا"

آپ اپنے مریدین کو کیمیائے سعادت کے مطالعہ کے لئے خاص
طور پر ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ کہتے ہیں۔

"بابا پیوستہ ایں را در نظری باید داشت"

نوٹ :۔ لفظِ بابا آپ کا خاص کلمۂ تخاطب ہے۔

آپ لوگوں میں صحیح دینی جذبہ پیدا کرنے کے لئے بے چین رہتے تھے
اور چاہتے تھے کہ مسلمان دین کے بنیادی مسائل، اوامر و نواہی اور فرائض سے
پوری طرح واقف ہو۔ چنانچہ سرور الصدور میں شیخ بزرگ کی مجوزہ کتابوں
کو پیش نظر رکھ کر اس مقصدِ تعلیم کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ شیخ کی مجوزہ
کتابیں یہ ہیں۔ کتابِ فائق (ایں کتاب را لازم گیر کہ بزرگ است و ہر کسے ایں
کتاب را نداند) تفسیرِ مدارک، تفسیر کشاف، تفسیر مقاتل، مقاماتِ شیخ
ابوسعید ابوالخیرؒ، کیمیائے سعادت، تحفۃ الشباب، مکتوباتِ فخر الدین رازیؒ
استاذ علیہ شیخ عبداللہ شستری مکتوبات عین القضاۃ۔ صحاح مجن
(مولانا رضی الدین صغانی) مشارق الانوار، مصباح الدجیٰ (مولانا رضی الدین صغانی)
قوت القلوب۔ تفسیر زاہد۔ تفسیر امام ناصر الدین۔ نہج البلاغت اور سیر الملوک
شیخ حمید الدین ناگوری رح نے علم حدیث کو علم تصوف پر ہمیشہ مقدم
سمجھا اور اس کی تبلیغ میں اپنی زندگی کا بیشتر حصہ صرف کیا۔ ایک روز اپنے

مریدے یوں فرمایا:۔

مرا اینجا مشغولی است کہ خلقِ ناگور دریں وقت از من علم احادیث می شنوند و مرا فرصت نیست کہ دریں میاں ترا علم تصوف بیاموزم	مجھے یہاں مشغولیت ہے کہ آج کل ناگور کے لوگ مجھ سے علم حدیث سنتے ہیں مجھے فرصت نہیں کہ میں اس دوران تجھے علم تصوف سکھاؤں۔

آپ دینی مسائل میں چونکہ نظر بالغ رکھتے تھے اس لئے سلطان شمس الدین التمش نے آپ کو اس جلسے میں خاص طور پر مدعو کیا تھا جو شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے خلاف ایک جھوٹے الزام کی تحقیق کے سلسلے میں منعقد کیا گیا تھا، جیساکہ تذکرۃ الاولیا میں مذکور ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ شیخ نجم الدین صغریٰ اور مولانا جلال الدین تبریزی میں باہم عناد تھا۔ شیخ نجم الدین صغریٰ نے جلال الدین تبریزی کی نسبت کچھ افعال شنیع قائم کر کے ان کی شکایت سلطان شمس الدین التمش سے کی لیکن سلطان نے ان کو در خور اعتنا نہیں سمجھا۔ آخر کار ایک فاحشہ مغنیہ کو کچھ نقد دے کر شیخ نجم الدین صغریٰ نے سلطان کے حضور میں شکایت کرائی کہ مولانا جلال الدین تبریزی نے جبراً میری عصمت دری کی ہے۔ سلطان بڑا بزرگ اور علم دوست شخص تھا اس نے اس قضیہ کے تصفیہ کے واسطے ہندوستان کے مشہور علماء و مشائخ جمع کیے جن میں حضرت صوفی سلطان التارکینؒ کو ناگور سے اور شیخ بہاء الدین ذکریا ملتانیؒ کو ملتان سے خاص طور سے مدعو کیا۔ شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانیؒ نے اس عورت سے کہا کہ:-

دل ان کا ہے گنجینۂ اسرارِ الٰہی
اللہ کے بندوں پہ نہیں کوئی بھی در بند

اہل اللہ پر کچھ پوشیدہ نہیں رہتا تو سچ کہہ دے ورنہ اپنے کیے کی سزا پائے گی۔ وہ عورت اس قدر خائف ہوئی کہ اس نے صحیح صحیح واقعہ کا اظہار کر دیا اور کہا کہ یہ سب افترا شیخ نجم الدین صغریٰ کا ہے جس نے مجھے پانچ سو دینار دے کر یہ غلط شکایت کرائی ہے ورنہ شیخ جلال الدین بے گناہ ہیں نیز اس دوکاندار نے بھی مغنیہ کے اس بیان کی تائید کی جس کی معرفت اسے روپیہ دیا گیا تھا۔ اس کے بعد سلطان شمس الدین التمش نے نجم الدین کو دہلی کے عہدہ "شیخ الاسلام" سے برطرف کر دیا اور ان ہر دو بزرگوں کو بصد احترام رخصت کیا۔ اس واقعہ کے بعد مولانا جلال الدین تبریزی دہلی سے بنگال چلے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد شیخ نجم الدین صغریٰ کا بھی انتقال ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ جس روز شیخ نجم الدین صغریٰ کا انتقال ہوا مولانا جلال الدین تبریزی نے جو اس وقت بنگال میں مقیم تھے اپنے مریدوں سے فرمایا۔ آؤ نجم الدین کے جنازے کی نماز پڑھ لیں اس نے مجھے دہلی سے نکلوایا اور میرے مرشد نے اس کو دنیا سے نکال باہر کیا۔

مولانا جلال الدین تبریزی شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے

تصانیف سرور الصدور کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی تصانیف کثیر ہیں مگر افسوس کہ ہم کو انمیں سے محض سرور الصدور، اصول الطریقت، رسالۃ السلوک، رسالہ چہار منزل، رسالۃ السماع، رسالۃ العشق، رسالہ سوالات و جوابات۔ دیوان حمید کا ایک قلمی نسخہ بمشکل دستیاب ہو سکا ہے جنکو ترجمہ کر کے محفوظ کرنے کی غرض سے جزو کتاب "سلطان التارکین" کیا گیا ہے۔ آپ کی تصانیف مکتوبات اور اشعار اس زمانے میں وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور آج بھی یہ تصوف کا ایک گراں قدر سرمایہ ہیں۔

---

(۱) ملفوظات قلمی حضرت سلطان التارکین علیہ الرحمت۔

رسالہ سوال وجواب

حضرت سلطان التارکین ؒ ایک بلند مرتبہ صوفی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جید عالم بھی تھے۔ آپ کے پاس ہندو پاکستان کے مختلف حصوں سے مسائل دین وتصوف پر سوالات آتے تھے جن کے جوابات آپ کافی وشافی دیتے تھے۔ ان میں سے بعض سوالات وجوابات سید محمد کرمانی خلیفہ حضرت شیخ المشائخ نظام الدین اولیا نے اپنی تصنیف سیر الاولیا میں درج کئے ہیں۔ میں نے ان سوالات وجوابات کو ایک رسالہ کی شکل میں ترتیب دے دیا ہے جس کو رسالہ سوال وجواب کہنا مناسب ہوگا ان کے مطالعہ سے ناظرین حضرت صوفی علیہ الرحمت کی تبحر علمی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

عرض می دارد کاتب الحروف سید محمد کرمانی بر آں جملہ بر مسئلہ کہ در طریقت و حقیقت اصحاب سلوک را مشکل شدے

ترجمہ

سب حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور درود وسلام اسکے رسول محمدؐ آلِ محمدؐ اور اصحاب محمدؐ سب پر ہو۔

سید محمد کرمانی کاتب الحروف عرض کرتا ہے کہ طریقت اور حقیقت میں جن اصحاب سلوک کو مشکل پیش آتی

از خدمت شیخ حمید الدین سوالی رحمۃ اللہ علیہ سوال میکردند و این بزرگ جواب ہائے شافی می فرمودند و بعضے اسولہ از خدمت آں بزرگ کردندہ اند و خدمت ایشاں جواب فرمودہ ایں بندہ در کتابے کہ بنظر مبارک سلطان المشائخ گزشتہ دیدہ است و بعضے ازاں اسولہ و جوابات آں سلطان المشائخ بقلم مبارک خود بعلامت صح در حاشیہ اختیار کردہ است آں اسولہ و اجوابہ را ایں بندہ دریں کتاب آوردہ تا سالکان راہ حق را از مطالعۂ آں ذوق و نویسندۂ امیدوار را مغفرتے حاصل شود (انشاء اللہ تعالےٰ)

سوال:۔ پرسیدند کہ وسوسۂ شیطانی و اندیشۂ نفسانی و القاء ملکی و وحی ربانی در عالم انسانی یکرنگ و یک صفت می آید بچہ تواں شناخت کہ شیطانی کدام است و نفسانی کدام؟ ملکی بچہ صورت است و رحمانی بچہ صفت۔

حضرت شیخ حمید الدین سوالی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سوال پیش کرتے اور آپ ان کو شافی جوابات دیتے۔ اس بندہ نے اس کتاب میں جو شیخ المشائخ کی نظر سے گزر چکی ہے دیکھا ہے کہ ان سوالوں اور جوابوں میں سے بعضے سلطان المشائخ نے اپنے قلم مبارک سے حاشیہ پر لکھے ہیں۔ ان سوالات اور جوابات کو بندہ نے اس کتاب میں جمع کیا ہے تاکہ راہِ حق کے سالکوں کو ان کے مطالعہ سے ذوق حاصل ہو اور راقم الحروف کے لئے مغفرت کا ذریعہ بن سکیں۔ (انشاء اللہ تعالےٰ)

سوال:۔ شیطانی وسوسہ نفسانی اندیشہ، ملکی القاء، اور ربانی وحی عالم انسانی میں ایک ہی رنگ ڈھنگ کے ہوتے ہیں پھر یہ کیونکر تمیز کر سکتے ہیں کہ شیطانی وسوسہ کونسا ہے اور ربانی وحی کونسی؟

جواب فرمود طالبان سہ گروہ ند
گروہے طالبان مولیٰ و گروہے ابناء
عقبیٰ و گروہے ابنائے دنیا۔ طالبانِ
دنیا را معرفت خاطر محال است کہ
ایشاں را جملہ خواطر یک رنگ نماید
بکثرۃ اشتغالِ ھم بالمالِ والاٰمالِ
و ابنائے عقبیٰ فرق توانند کرد میانِ
خاطرِ دنیوی و اخروی لاَنّ الخاطر
الاخروی ملوثٌ بنصیب حالی و

مکدرٌ بکدورۃ الحظ الوقتی والخاطر الاخروی
مجردٌ من الحظ الحالی و مصفّیٰ من
نصیب الوقتی و طالبانِ مولیٰ تعالیٰ
و تقدس جدا کنندۂ خاطر عقبوی و
مولوی اند و خاطر مولوی مقدس
بود از حظوظ حالی.

جواب طالبوں کے تین گروہ ہیں
طالبِ مولیٰ، طالبِ عقبیٰ، طالبِ دنیا
سو دنیا کے طالبوں کے لئے خاطر
کی پہچان مشکل ہے کیونکہ انھیں سب
ایک ہی رنگ میں دکھائی دیتے ہیں
اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مال و منال میں
بکثرت مشغول رہتے ہیں۔ طالبِ عقبیٰ
دنیاوی اور اخروی خواطر میں تمیز کر سکتے
ہیں کیونکہ جو دل حالی نصیب سے آلود
ہو وہ حظ وقتی کی کدورت سے مکدر
ہوتا ہے لیکن اخروی دل حظ حالی سے
خالی ہوتا ہے اور وقتی نصیب سے
پاک و صاف۔ طالبِ مولیٰ اخروی
اور مولائی خواطر میں تمیز کر سکتا ہے
کیونکہ اخروی خاطر حظوظ حالی سے
پاک و صاف ہوتا ہے اور حالی نصیب
سے محروم اور مولائی خاطر حظوظ سے
خالی اور پاک ہوتا ہے یعنی طالبِ
دنیا کا دل پراگندہ ہوتا ہے۔ اور

مظہر بود از نصائب مالی یعنی ابناء
دنیا را خاطر متفرق بود و ابناء عقبیٰ
را خاطر جمع بود زیرا کہ خاطر تصور
اقتضا کند و حق سبحانہٗ تعالیٰ از تصور
منزّہ است و از آنچہ در خاطر در
آید مقدس تعالی اللہ عن
ذٰلک علواً کبیراً۔ ازیں معنی
است الفقرا گفتہ اند عبادت
الفقراء الصبر گفتہ اند عبادۃ الفقراء نفی الخواطر
معنی دلیل واضح است بر ترقی فقرا
از مقام تصوف ترقی می بودند از
ارباب فقر عبادت ایشاں از عبادت
فقرا برتر بودے و نیست و اگر
کسے گوید صوفی از فقر بالاتر
است کہ فقیر در مقام عبادت
است و صوفی از آں مقام
منزہ است گوئیم ایں مقام
الصوفی اذا تم الفقر است
نہ مقام صوفی ابن الوقت۔

طالبِ عقبیٰ کا دل جمع اور طالبِ
مولیٰ کے دل میں کسی قسم کا خیال
نہیں آتا کیونکہ خیال کا کام تصور
ہے سو ذاتِ حق تصور سے مبرّا و
منزّہ ہے اور جو کچھ دل میں آتا ہے
اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک
اور بلند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الفقر
خیر و فقرا بہتر ہیں۔ کہا گیا ہے فقراء
کی عبادت خاطر کی نفی کرنا ہے یہ
دلیل اس بات کے لئے کافی ہے
کہ فقر تصوف سے اعلیٰ ہے کیونکہ
اگر صوفی فقر سے ترقی کرتا تو ضرور تھا
کہ صوفی کی عبادت فقیر کی عبادت
سے افضل ہوتی۔ اگر کوئی کہے کہ
صوفی فقیر سے اچھا ہوتا ہے کیونکہ
فقیر مقام عبادت میں ہوتا ہے اور
صوفی مقام عبادت سے ترقی کر جاتا
ہے تو میں کہوں گا کہ یہ مقام الصوفی اذا
اتم الفقر کا ہے نہ کہ صوفی ابن الوقت کا۔

سوال:۔ بندۂ خاص کدام است

جواب:۔ بندۂ خاص حق آنست کہ اورا از آفت صحبت عالم نگاہ دارد و در دام قبول خاص دعامنی گذارد و ہر کہ را دیدی کہ روئے دلِ او بسوئے خلق بود یا روئے دل خلق بسوئے او، او را از حلقۂ خصوصیت بیروں برو۔ دنیا دام شیطانی است و ہوا دام نفس۔ ہر کہ خواہد کہ گرفتار نیاید بر دو دست از دنیا بدار و ترک دانہ بیارد خلق را کہ ہمواج آں دام است بجائے گذار درویش ایں سخن بر باریک است در عبادت نمی گنجد۔

سوال:۔ اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ کون ہے

جواب:۔ اللہ تعالیٰ کا خاص بندہ وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ عام لوگوں کی صحبت سے بچائے۔ جسکا دل خلقت کی طرف ہو یا خلقت کا دل اسکی طرف ہو وہ حلقۂ خصوصیت سے نکالا جاتا ہے۔ دنیا شیطانی جال ہے اور حرص و ہوا نفسانی پھندا جو شخص ان میں گرفتار ہونا نہیں چاہتا اسے دنیا ترک کرنی چاہیے اور خلقت کو جو اس جال کے کیڑے مکوڑے ہیں چھوڑ دینا چاہیے یہ بات بہت باریک ہے عبارت میں نہیں سما سکتی۔

قطعہ

با خلق نشستہ خدای طلبی
در شیوۂ ناسزا سزای طلبی
ایں جا کہ توئی دلا خدای طلبی
نیکو بنگر کی گرامی طلبی

سوال:۔ میانِ فتوت و مروت فرق چیست

جواب:۔ ما قال اہل المعرفت المروۃ شعب من الفتوت وہو الاعراض عن الکونین والدالغفۃ منہا مروت شاخ شجر فتوت است کہ در بوستانِ دلِ دوستاں بر آید و ثمرہ او آنکہ بستاند و بدہد و خود را دراں منزلتے ننہد و ثمرہ فتوت آنکہ ترک داد و ستد گوید و اندیشۂ کونین از دل بشوید و دراں خود را حظے و نصیبے نجوید۔

سوال:۔ معرفت چیست

جواب:۔ معرفت آنست کہ حق

سوال:۔ مروت اور فتوت میں کیا فرق ہے۔

جواب:۔ اہل معرفت کا قول ہے کہ مروت فتوت کی ایک شاخ ہے اور اس بات کا نام ہے کہ دونوں جہان سے رخ پھیر لیا جائے۔ فتوت کے درخت کی ایک شاخ مروت ہے جو دوستوں کے دلی باغ میں اگتا ہے اور جس کا پھل یہ ہے کہ لے دے اور اس لین دین میں اپنے آپ کا کچھ خیال نہ کرے بلکہ یہی سمجھے کہ اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے اور وہی لیتا ہے۔ فتوت کا پھل یہ ہے کہ لین دین ترک کرے اور دونوں جہان کا اندیشہ دل سے دور کر دے اور اس میں اپنا حصہ تلاش نہ کرے۔

سوال:۔ معرفت کیا ہے۔

جواب:۔ معرفت یہ ہے کہ اللہ

سبحانہ تعالیٰ را بحق تعالیٰ مجرداً
عن ادراک العقول ز احساس
الاوھام بشناسی کہ اوراکسے نتواند
شناخت زیراکہ کسے باید کہ تا
اورا بشناسد و دریابد دلیس فی
الوجود غیر اللہ۔

سوال:۔ پس معرفت چیست

جواب:۔ معرفت خود را شناختن
است چنانکہ مہتر موجودات صلی اللہ
علیہ وسلم در عبارت خود بدیں
معنی اشارت کردہ است۔ حدیث
مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ
رَبَّہٗ۔

سوال:۔ اصحاب دل در اصطلاحات
خود خرابات و صومعہ بسیار می
گویند و معنی آں بفہم ما نمی رسد

جواب:۔ مارا از خرابات خانہ آوردند

تعالیٰ کو عقل کے ادراک اور وہم کے
احساس سے مجرد خیال کرلے کیونکہ اسے
کوئی نہیں پہچان سکتا۔ کوئی ہونا چاہیئے
جو کہ اسے پہچان سکے اور حاصل کرسکے
اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی وجود میں
نہیں۔

سوال:۔ پس معرفت کیا ہے۔

جواب:۔ معرفت اپنے آپ کو
پہچاننا ہے جیسا کہ جناب سرور
کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ
رَبَّہٗ جس نے اپنے نفس کو پہچانا
اس نے گویا اپنے پروردگار کو پہچانا

سوال:۔ صاحبدل لوگوں نے
اپنی اصطلاحوں میں خرابات اور
صومعہ کا استعمال بہت کیا ہے
مگر خرابات اور صومعہ کے معنی ہماری
سمجھ میں نہیں آئے۔

جواب ہم کو خرابات خانہ

وامثالِ ایں شنیدہ باشی بشنو کہ
ازیں روشن تر نشنیدہ باشی
خرابات آنست کہ تو نبودی۔ بے
تو با تو می ساختند بلکہ بے تو با خود شطرنج
عیش می باختند از خراباتِ عدم ترا
بصومعہ وجود فرستادند و ترا چیزے
دادند کہ کسے را نداد ند و چوں تو
بصومعہ در آمدی از خرابات عدم
بدر آمدی و باخود چنیں گویم کہ چوں
از خرابات عدم بدر آمدی در صومعہ
وجود در آمدی و در صومعہ وجود شراب
معہود نوشی کردی و چوں مست
شدی عہدِ خرابات اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ
فراموش کردی محبوب ازل کہ ترا از
تنا در وجود آورده است، تقاضا
متقاضیاں فرستاد و داعیاں را
نصب کرد تا ترا از صومعہ وجود
بخرابات عدم دعوت کنند و ندائے
وفائے عہد کہ وَاللّٰهُ يَدْعُوا

سے لائے اور اسی قسم کی اور باتیں
سنی ہوں گی، سن۔ اس سے زیادہ
روشن اور واضح تو نے نہیں سنا
ہوگا۔ خرابات تو یہ ہے کہ جب تو
نہ تھا تو تیرے بغیر تجھ سے موافقت
کی بلکہ تیرے بغیر اپنے ساتھ ہی عیش
کی شطرنج کھیلا کیا پھر تجھے خرابات
عدم سے وجود کے صومعہ میں لائے
اور تجھے وہ چیز دی جو کسی کو نہ دی
اور جب تو عدم کے خرابات سے
نکلا اور وجود کے صومعہ میں آیا اور
اس صومعہ میں آکر مقررہ و معہودہ
شراب پی اور مست ہو کر عہد
خرابات اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کو فراموش
کیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے بلانے والے
کو مقرر کیا تاکہ وہ تجھے وجود کے
صومعہ سے نکال دے پھر عدم
کے خرابات میں پہونچائے اور
وفائے عہد کا پیغام یعنی وَاللّٰهُ

الیٰ دارُ السّلام رسانند یکے
گوید سارِعوا الیٰ مغفرۃ و دیگرے
گوید فتابوا الیٰ ربکم و سوم ندا
کند توبوا الی اللہ و چہارمی آواز دہد
یا ایتھا النفس المطمئنہ و پنجمی گوید
وتبتّل الیہ تبتیلا الی آخرۃ الہدیٰ

یدعوا الیٰ دار السلام الیٰ تعالیٰ
دار السلام کی طرف بلاتا ہے تو پہونچائیں
ایک کہتا ہے وسارِعوا الیٰ مغفرۃ
مغفرت کی طرف جلدی کرو دوسرا
کہتا ہے فانیبوا الیٰ ربکم اور اپنے
پروردگار کی طرف رجوع کرو تیسرا
کہتا ہے توبوا الی اللہ، اللہ تعالیٰ
کی طرف لوٹ آؤ۔ چوتھا کہتا ہے یا ایتھا
النفس المطمئنہ اے نفس مطمئنہ
پانچواں کہتا ہے وتبتل الیہ تبتیلا
دنیا ترک کرکے اللہ تعالیٰ کی طرف
آؤ یہ سب کچھ اس واسطے ہے کہ
انسان جسمی اور وجود کے صومعہ کو
گلشن بنائے۔ اب وقت ہے اٹھو
اور خرابات عدم کا رخ کرو اور
قدم کے انوار اور آثار
سے منور کرو۔ محبت کی شراب پیو
اور روزِ ازل کے محبوب کو فراموش
نہ کرو۔

هل فوادک من حیث الهوی
ما یحب الا للحبیب الاوّل

سوال:۔ درد چیست و صافی کدام
است۔

جواب:۔ درد جگر است و صافی
دل و دل و جگر در پہلو یک دیگر
نہادہ اند۔ امروز مرا بدرد از اں
آوردہ است تا درد در ہموں۔
خورد کہ صافی خوردہ است، مرید
طالب است، لاجرم در جگر ست
و در نصیب اوست و مراد مطلوب
لاجرم با دل ست و صافی نصیب اوست

سوال:۔ درد کدام و دوا کدام
است۔

جواب:۔ بادرد بیا تا بدوائے بہ
رسی یعنی نایافت بیا تا دوائے
یافت برسی و بادردِ شوق بیا تا
دوائے ذوق برسی، با دردِ فراق
بیا تا دوائے وصال برسی، با

کیا تیرا دل اندر وئے دوستی دوست اول
کے سوا دوستی نہیں کرتا۔

سوال:۔ تلچھٹ کیا ہے اور صافی
کیا ہے۔

جواب:۔ تلچھٹ جگر ہے اور صافی
دل، دل اور جگر دونوں طرف واقع
ہیں آج مجھے تلچھٹ کا وہی مزہ آیا
ہے جو صافی پینے والے کو۔ مرید
طالب ہے اس لئے جگر میں ہے
اور تلچھٹ اس کے نصیب ہیں مراد
مطلوب ہے، اس لئے دل میں ہے
اور صافی اس کے نصیب ہیں۔

سوال:۔ درد کیا ہے اور دوا
کیا ہے۔

جواب:۔ درد لے کر آتا کہ تجھے
دوا ملے یعنی نایافت کے درد
سے آتا کہ یافت کی دوا ملے، شوق
کے درد سے آتا کہ ذوق کی دوا
ملے فراق کے درد سے آتا کہ وصال

درد نیستی بیا تا دوائے ہستی بری
یا درد فنا بیا تا دوائے بقا بری
یا درد نیاز بیا تا دوائے بے نیازی
بری۔

سوال: خود را شناختن چہ بود
جواب: آنکہ بجمیع خود را شناختی
و اجزائے خود را از کلیات باز دانی
و مقصود ہر جزوی معلوم کنی و
مراد ہر کلی ادراک کنی و خاصیت
جزوی بعد الاحیا بدانی چیست
و طبائع کلیات قبل الترکیب و
بعد التعریف بشناسی کہ چہ بود و
چہ خواہد بود و در عالم گذر کنی و
خود را از حقیقت خود باخبر کنی و
خود را باز شناسی و آنکہ اصل
گشت باز یابی نہ بعلم بلکہ بعمل کہ
عمل تو جزو دیگر است ورائے آنکہ
میکنی و علم جزو دیگر است ورائے

کی دوا ملے۔ نیستی کے درد سے آ
تاکہ ہستی کی دوا لے۔ فنا کا درد
لے کر آ تاکہ بقا کی دوا پائے اور
نیاز کا درد لے کر آ تاکہ بے نیازی
کی دوا تجھے نصیب ہو۔

سوال: اپنے آپ کو پہچاننا کیا ہے
جواب: یہ کہ بہ ہیئت مجموعی تو
اپنے آپ کو پہچانے اور اپنے اجزا
کو پہچانے اور اپنے اجزا اور کلیات
میں تمیز کر سکے اور ہر جزو کا مقصود
معلوم کرے اور ہر ایک کلی کی مراد
سمجھ جائے اور ہر جزو کی خاصیت
سے آگاہ ہو جائے اور کلیات کی
طبیعتوں کو ترکیب سے
پہلے اور تعریف کے بعد پہچانے کہ
کیا تھی اور کیا ہو گی، جہاں میں سے
گذر جائے اور اپنے آپ کو پہچانے
اپنے اصل کو علم سے دریافت کرے
بلکہ عمل سے بھی کیونکہ عمل اس کے

آنکہ میدانی د فرع خود را اضافت
روح خود را معلوم کنی نہ بعلم بلکہ
بعمل و اگر بوصول بہشت راضی
باشی و طالبان بہشت و جویندگان
درجات نیز دریں ایام و نہ دریں
روزگار اندک بسیار صفات
ذمیمہ فرع دل و اضافات نفس
محو کنی کہ وصل بہشت را ایں مقدار
کفایت است و ایں نیز اگرت میسر
می شود از محض عنایت است
مرد بختیار باید تا ایں او را اختیار
آید و اگر ہمت عالی است سر
بدیں فرو نمی آرد و اوصاف باسر
ھا ذمیمۃ کانت او حمیدۃ معًا
اضافات الروح در دریائے
عدم انداز می شناختن اگر باوصاف
بشناسی باز خود چہ چیز اندازی و
با چہ چیز در سازی بدانکہ اوصاف
بر انواع است اوصاف حسی و

علاوہ ہے جو کچھ کہ تو کر رہا ہے
علم اور چیز ہے اور اس کے سوا
ہے جو تو جانتا ہے، اپنی شاخ
اور روح کے لگاؤ کو نہ صرف علم
سے بلکہ عمل سے معلوم کرے، اگر
تو بہشت کے وصال پر راضی
ہے تو یاد رکھ کہ بہشت کے طالب
اور درجات کے متلاشی اس زمانے
میں تھوڑے ہیں۔ بری صفات دل
کی شاخ اور نفس کے لگاؤ کو محو کر
کیونکہ بہشت کے حاصل کرنے کے
لئے، اسی قدر کافی ہے اگر یہ بھی
تجھے حاصل ہو جائے تو اسے عنایت
الٰہی سمجھ۔ کوئی خوش نصیب ہونا چاہئے
جو اسے اختیار کرے۔ اگر انسان
عالی ہمت ہے تو ان کی طرف مائل
نہیں ہوتا۔ تیرا عالی ہمت ان کی
طرف راغب ہونے والا نہیں ہے۔ اس
ھا ذمیمۃ کانت او حمیدۃ معًا

اوصاف نفسانی و اوصاف قلبی
و اوصاف روحی کہ بحکم مجاورت
اضافات باری متغیر شدہ است
اگر بندہ را سعادت مساعدت کند
دولت وصلت معلوم کند و ہمت
سلوک در مے ظاہر گردد۔ پیر پختہ و
در راہ رفتہ راشناختہ طلب کند
اگر دست دہد سر بقدم او باید نہاد
و جاں بشکرانہ او باید داد گر دست
ندہد ایں فصول را مقتدائے خود
باید ساخت۔

بیت

از بخت بدام گر فرو شد خورشید
از نور رخت نہا چراغے گیرم

و ہیچ چیز دیگر نپرداخت کہ روزگارش
بشغولی آں مشوش شود کہ ہرچہ در
رہ دل می آید درین رسالہ بیاید۔

اضافات الروح، کے اوصاف
کو دریائے عدم میں ڈال دے۔ اگر تو
اوصاف سے پہچان لے تو پھر کیا چیز
پہچانے گا اور کس چیز سے موافقت
کرے گا۔

واضح رہے کہ اوصاف کئی طرح
کے ہیں۔ حسی، نفسانی، قلبی اور روحی
اوصاف ہوتے ہیں جو کہ اللہ تعالی کی
ہم نشینی کے لگاؤ سے معتبر ہیں۔ اگر
نیک بختی یاوری کرے تو دولت وصل
معلوم کر لیتا ہے اور سلوک کی ہمت
اس میں ظہور کرتی ہے پھر وہ کسی پختہ
پیر، سالک اور کارشناس کی طلب
کرتا ہے۔ اگر ایسا شخص مل جائے
تو اس کے قدموں پر سر رکھ دینا
چاہیئے اور جان اس کے شکرانہ
میں دے دینی چاہیئے اگر ہاتھ
نہ لگے تو ان فصول کو اپنا مقتدا
بنانا چاہیئے ۔

سوال :۔ ایں ہمہ گفتے و نگفتے کہ
معرفت چیست۔

جواب :۔ معرفت آنست کہ مرکبی
از حسوس و نفوس و قلوب و ارواح
ہر یکے از ایشاں را صفات کنم بر
یکدیگر است صفات بشناسی ہم بعلم ہم
بعمل اگر بعلم بشناسی و عمل نشناسی
ہیچ سودت نکند و اگر بعلم بشناسی
ونہ بعمل تو عالم باشی بعمل عارف
نباشی تا اوصاف محو نہ کنی و باخود
چنیں گویم کہ تا چوں صفائی کامل
ہست آوردی آنگاہ ترا عارف
تواں گفت۔

از بخت بدام گر فرو شد خورشید
از نور رخت بہا چراغے گیرم

کسی اور چیز میں مشغول نہیں ہونا چاہیے
کیونکہ اس میں مشغول ہونے سے وقت
ضائع ہو گا کیونکہ جو دل کی راہ میں
آتا ہے وہ اسی رسالہ کی وجہ سے آتا ہے

سوال :۔ آپ نے یہ تو سب کچھ
لکھا لیکن یہ نہ بتایا کہ معرفت کیا ہے۔

جواب :۔ معرفت اس بات کا نام
ہے کہ تو جان لے کہ اگر نفس
قلب، روح کے مرکب میں سے ہر
ایک کا تجھے فقط علم ہے اور عمل نہیں
تو تیرے حق میں کچھ بھی فائدہ بخش نہیں
اگر تجھے صرف علم ہے تو عالم ہے
کامل نہیں، عامل اسی وقت ہو گے
جب اوصاف کو محو کرو گے یا یوں
سمجھو کہ جب تک کامل صفائی نہ
حاصل کرو گے عارف نہیں
ہو سکو گے۔

سوال:۔ محو اوصاف را طریق چیست

جواب:۔ آنکہ اوصاف حسی محو کنی
کہ اوصاف نفسانی محو نشود تا اوصاف
حسی برپا است، اوصاف نفسانی
را از اوصاف حسی مدد است و
تا مدد برپا است ولایت برپا ست
چوں حسی محو شود روئے اوصافِ
نفسانی آرد و آنرا بدست تو
کہ اگر با وجود اوصاف نفسانی روئے
اوصاف قلبی آرد نتواند کہ
اوصاف نفسانی او را مدد است
و تا مدد محو نشود او یک سوئے
نشود تا صفات قلبی بود اسقاطِ
اضافات محال بود وحدت رسیدن
خیال۔

بیت

بدریائے عصمت فرو رفتہ بہ
کز آنجا بدریائے وحدت رسی

ابتدائے ایں کار خلوت است و

سوال:۔ محو اوصاف کا کیا طریقہ ہے

جواب:۔ یہ کہ اوصاف حسی کو اس
طرح ترک کرو کہ اوصافِ نفسانی محو
ہو جائیں۔ جب تک اوصاف حسی
اوصاف نفسانی کو ان سے مدد پہنچتی
ہے اور جب تک یہ مدد پہنچتی ہے
اور جب تک یہ قائم ہے ولایت
قایم ہے۔ جب اوصافِ حسی محو ہو جاتے
ہیں تو اوصاف نفسانی کا رخ کرتا ہے
اور انھیں محو کرتا ہے اگر اوصافِ حسی
کے ہوتے ہوئے اوصافِ قلبی کا رخ کرے
تو نہیں کر سکتا کیونکہ ایسا کرنے سے
اوصاف نفسانی کو مدد ملتی ہے اور
جب تک یہ مدد محو نہیں ہوتی یکسوئی
حاصل نہیں ہوتی۔ جب تک صفات
قلبی حاصل نہ ہوں، اضافات کا گرانا
محال ہے اور وحدت کو پہونچنا خیال ہے ۔

بدریائے عصمت فرو رفتہ بہ
کز آنجا بدریائے وحدت رسی

عزلت و فراموشی خود باستغراق یادِ
مولیٰ تعالیٰ و بیادِ تعالیٰ و تقدس
چناں مشغول و مستغرق شود کہ یادِ
خود را فراموش کند۔

اس کام کی ابتدا خلوت، گوشہ نشینی
اور اپنے آپ کو فراموش کرنا ہے
اور یادِ الٰہی میں مستغرق ہونا ہے

رباعی
با یادِ خودت یادِ خدا شرک بود
تا تو نشوی ز خود جدا شرک بود
آنجا کہ فنائے مطلقت می باید
تا ہست وجودِ تو ہذا شرک بود

رباعی
آزاد کسے است کہ ز خود آزاد است
ہر غم کہ بدو رسد بداں غم شاد است
محصول دو کونین کہ در ہمت او
چوں آب نگوئیم کہ ہمہ چوں باد است

حضرت خواجہ نجم الدین پروانہ فتحپوری مناقب الحبیب میں فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت خواجہ غریب نواز قلعۂ اجمیر پر رونق افروز تھے۔ منجملہ دیگر مشائخ حضرت صوفی سلطان التارکین بھی موجود تھے۔ ایک درویش آیا اور اس نے حضرت غریب نواز سے دریافت کیا کہ حضرت تارک الدنیا کے لئے کتنی باتیں ضروری ہیں۔ حضرت غریب نواز نے جواب دیا کہ شریعت کے مطابق جو شخص اوامر اختیار کرے اور نواہی سے احتراز کرے تارک الدنیا کہلاتا ہے اور طریقت میں تارک کے لئے نو صفات

سے متصف ہونا ضروری ہے۔ درویش نے جب آپ سے وہ صفات دریافت کیں تو آپ نے حضرت سلطان التارکین صوفی حمیدالدین ناگوری سے ان کی وضاحت کے لئے فرمایا۔ چنانچہ حضرت صوفیؒ نے اس درویش کو بتلایا کہ تارک کو چاہیئے کہ

(۱) پیشہ نہ کرے

(۲) قرض نہ لے

(۳) اگر سات روز کا بھوکا بھی ہو تو اپنا حال کسی پر ظاہر نہ کرے اور مدد کا طالب نہ ہو۔

(۴) اگر اس کو رقم، غلہ یا کپڑا بکثرت میسر آئے تو اس کو اپنے لئے دوسرے دن کے لئے محفوظ نہ رکھے۔

(۵) کسی کے لئے بد دعا نہ کرے۔ اگر بہت زیادہ مظلوم ہے تو ظالم کے لئے یہ دعا کرے کہ خدا وند ا اسے سیدھا راستہ دکھا۔

(۶) اگر اس سے کوئی نیک کام ہوا ہو تو اس کو اللہ کی رحمت رسول کی شفاعت اور اپنے پیر و مرشد کی شفقت تصور کرے۔

(۷) اگر کوئی برا کام ظہور پذیر ہوا ہو تو اس کو اپنے نفس کی خباثت پر محمول کرے اور آئندہ اس سے محترز رہے۔

(۸) جب اپنی منزلِ مقصود پر پہونچ جائے روزہ رکھے اور شب کو قیام کرے۔

(۹) ہمیشہ خاموش رہے محض بوقتِ ضرورت گفتگو کرے کیونکہ شریعت

میں گفتگو کرنا اور خاموش رہنا دونوں حرام ہیں۔ پس وہ بات کہی جائے جس میں خداوند تعالیٰ کی خوشنودی و رضا ہو۔

آگے چلکر حضرت پروانہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت خواجہ غریب نواز نے حضرت صوفی سے کہا۔

"حمید یہ کیا بات ہے کہ جب میں جوان تھا اور متاہل نہیں ہوا تھا تو میری دعا اسی وقت قبول ہو جاتی تھی مگر اب جب کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور متاہل ہو گیا ہوں میری دعا دیر میں قبول ہوتی ہے۔"

حضرت صوفی نے عرض کیا حضور یہ مجھ سے زیادہ روشن ہے کہ حضرت مریم جب مجرد تھیں تو ان کی خواہش کے بغیر خداوند تعالیٰ ان کو گرمیوں کے میوے سردیوں میں اور سردیوں کے میوے گرمیوں میں عطا فرماتے تھے تاکہ ان کو یکسوئی رہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بعد حکم ہوا وھزی الیک بجذع النخلۃ (کھجور کے درخت کو اپنی طرف ہلاؤ تاکہ رزق حاصل ہو) یعنی اسباب کی محتاج بنا دی گئیں۔

خواجہ بزرگ نے حضرت صوفی کا یہ جواب بہت پسند فرمایا اس سے حضرت صوفی کی فراست اور علم قرآن پر عبور کا پتہ چلتا ہے۔

صاحب سیر الاولیا لکھتے ہیں کہ کسی درویش نے حضرت صوفی علیہ الرحمت سے دریافت کیا۔ حضرت یہ کیا بات ہے کہ بعض درویش کو اپنی زندگی میں اس قدر گمنام رہتے ہیں کہ ان کو کوئی جانتا بھی نہیں

مگر مرنے کے بعد بہت مشہور ہو جاتے ہیں اور بعض اپنی زندگی میں بہت مشہور ہوتے ہیں مگر مرنے کے بعد بالکل فراموش کر دیے جاتے ہیں حتیٰ کہ لوگ ان کا نام تک نہیں جانتے۔ آپ نے جواب دیا جس نے زندگی میں اپنے کو مشہور کرنے کی کوشش کی۔ مرنے کے بعد اللہ نے اس کو گمنام کر دیا اور جو زندگی میں گمنام رہا مرنے کے بعد اللہ نے اس کو چار دانگ عالم میں مشہور کر دیا۔

مولانا عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ سے سوال کیا گیا کہ کیا فخر ہر حالت میں مذموم ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ فقر ایک امر عدم ہے۔ وجود پر فخر کرنا مذموم ہے اور عدم پر فخر کرنا محمود۔ اس لئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا و آخرت کے وجود پر فخر نہیں کیا لیکن جب فقر کا معاملہ پیش آیا تو فرمایا الفقر فخری میرا فقر میرا فخر ہے۔

رسالۃ العشق

اس رسالہ میں رموزِ عشق کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔ بغیر عشق تمام عمل بے سود اور لاحاصل ہے بقول علامہ اقبال ؎

جب تک نہ ہووے شوق ترا مری نماز کا امام
مرے رکوع سب حجاب مرے سجود سب حجاب

عشق کی تعریف اور راہِ سلوک میں اس کی اہمیت حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری رحؒ کی زبان فیض ترجمان سے سنئے اور لطف اٹھائیے

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد واٰلہ واصحابہ اجمعین۔

سوال: عشق چیست

جواب: عشق سرحد کون است بشنو۔ نیک بشنو۔ دانم کہ از کس نشنیدہ باشی۔ عشق نامزد شدہ است از حضرت حق تا بندہ را بعالم خود دعوت کند این خود سریست کہ در بیان نگنجد۔ عشق در کون نگنجد عشق حد شدہ و کون محدود ارباب علم واصحاب حکمت

سوال: عشق کیا ہے۔

جواب: عشق دنیا کی سرحد ہے سن اور اچھی طرح سن۔ میرا خیال ہے تو نے کسی سے نہیں سنا ہوگا عشق اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوا ہے تاکہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے یہ خود ایک راز ہے جو حیطہ بیان میں نہیں آ سکتا عشق دنیا میں نہیں سما سکتا عشق

دانند کہ حد در محدود دنیا میز دو محدود
در حد دنیا میزد خواہی کہ عشق را
دریابی خود را دریاب و از کون
بیروں شتاب و چوں شتافتی
مردے کہ در کن بود بر و کن بود
و آنکس کہ بیروں از کن بود او
را از فرمان لاکن بود۔

عشق بمنزلہ حد ہے اور دنیا
بمنزلہ محدود کے اور یہ ارباب فراست
پر روشن ہے کہ حد محدود سے نہیں
ملتی اور محدود حد سے نہیں ملتا
اگر تو عشق حاصل کرنا چاہتا ہے
تو خود کو پہچان لے اور دنیا سے
باہر نکل۔ وہ آدمی جو دنیا کے اندر
ہوتا ہے اس پر کن کا اطلاق ہوتا
ہے اور جو شخص دنیا سے باہر
ہوتا ہے اس پر لاکن کا اطلاق
ہوتا ہے۔

عشق از جان لطیف تر است
کسے چہ داند کہ چیست ہیچ چیز
از عشق پیدا تر نیست و ہیچ چیز
از عشق پنہاں تر نیست باثار صفات
پیدا است و بذات پنہاں ہر کہ ندارد
بگفتار نماند و آنکہ دارد داند کہ عشق
است ولے نماند کہ چیست فقط

عشق جان سے زیادہ لطیف چیز ہے
ہر شخص اس کا مزہ کیا جان سکتا ہے
عشق سے زیادہ ظاہر چیز کوئی نہیں
اور عشق سے زیادہ پوشیدہ چیز کوئی نہیں
یہ صفات کے آثار کے اعتبار سے تو
ظاہر ہے مگر ذات کے لحاظ سے پوشیدہ
ہے جس کو عشق نہیں ہے اس کو

من گفتن در مذہب عشق شرک
است زیرا کہ عشق محو کنندۂ دوئی
است۔ آنجا کہ عشق است نہ
من و توئی است۔ عشق آتش
است۔ بہر جا کہ آتش گیرد نہ تر
ماند نہ خشک و نہ عود گزارد
نہ مشک۔

سکھانے نہیں آتا اور جس کو عشق
ہے وہ یہ تو ضرور جانتا ہے کہ عشق
ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ یہ ہے کیا چیز
مذہب عشق میں 'میں' کہنا شرک
ہے کیونکہ عشق دوئی کا پردہ دور
کرنے والا ہوتا ہے جہاں عشق
ہے وہاں من و تو نہیں ہوتا۔ عشق
ایک آگ ہے جہاں آگ جاتی ہے
وہاں خشک و تر کچھ نہیں بچتا۔ یہ
آگ نہ عود چھوڑتی ہے اور نہ
مشک اس کے معنی یہ ہیں کہ عشق
نشیب و فراز اور راست و کج نہیں دیکھتا

رباعیات

گر فضل کنی مس کہن زر گردد
ور عدل کنی حال من ابتر گردد
سنگست وجود ما فتادہ در راہ
از یک نظر لطف تو گوہر گردد

اگر تو فضل کرے تو عشق پرانے سونے
کی مانند ہو جائے اور جو تو انصاف پہ
اتر آئے تو میرا حال تباہ ہو جائے ہماری ہستی
راستہ میں پڑے ہوئے پتھر کی طرح ہے مگر تو
ایک نظر کرم کر دے تو یہی پتھر گوہر ہو جائے

عاشق نبود رنگ تند نادر زر خیزد
در کل جہاں ز خشک و بر تر خیزد
بشنو کہ شنیدہ ام ز پیرِ صادق
عاشق نبود آنکہ ز سر بر نخیزد

عاشقوں کا جو رنگ زرد ہے وہ زر پیدا کرتا ہے
یہ تمام جہان میں خشکی و تری سے افضل ہوتا ہے
سنو میں نے پیرِ صادق سے سنا ہے کہ وہ
عاشق نہیں ہوتا جو سودائیت سے خالی ہو

با عشق بساز تا بمقصود رسی
بپذیر ز من بیا کہ زود رسی
در سجدہ طلب کن ز کس باک مدار
در سجدہ طلب کنی بمسجود رسی

عشق اختیار کر تاکہ اپنے مقصد کو حاصل کر سکے
اگر میری بات مانے تو اپنے مقصد کو جلد پہونچ جائیگا
سجدہ میں اپنے مقصد کی طلب کر اور کسی سے نہ ڈر
اگر تو ایسا کرے گا تو اپنے مسجود تک پہنچ جائیگا

تا ہست جہاں مرد نہاں خواہد بود
ہرگز نشود تا کہ جہاں خواہد بود
تا جسم بود اسم تو جاں می خواہد
چوں جسم نماندہ ہماں خواہد بود

جب تک دنیا ہے مرد پوشیدہ رہیگا جہاں نہوگا
جب تک تیرا جسم باقی ہے تجھے جان کے نام سے
موسوم کیا جائیگا مگر جب جسم ہی باقی نہ رہیگا تو پھر ہی کہلائیگا

گر روح بود راحت دل باشد
ور روح بود فراغت دل باشد
جاں باز اگر راز عشق می پرسی
عشق ست کہ ایں جراحت دل باشد

روح کے ساتھ دل کو راحت ہوتی ہے
اور اگر خوشی ہوگی تو دل کو فراغت ہوتی ہے
اے جاں باز تو اگر رازِ عشق پوچھتا ہے تو میں تجھکو
بتاؤں کہ یہ عشق ہی کی بدولت جراحت دل پیدا ہوتی ہے

عشق ست که متصل شرار انگیزد
در سینه هزار نوع نار انگیزد
از عشق مگو حدیث بیهوده مپرس
کیں جمله حدیث ست که نار انگیزد

عشق مسلسل شرارے پیدا کرتا رہتا ہے
اور سینہ میں ہزار طرح کی آگ بھڑکاتا ہے
عشق کی باتیں نہ کرو اور بیہودہ باتیں مت پوچھ
کیونکہ یہ سب باتیں انسان کو نار پر چڑھا دیتی ہیں

روئے دل تو بہ روئے دلدار خوش است
یکسو شدہ و بنگر کہ بتو دلدار خوش است
بگذار جمله وکوئے دلدار بگیر
از جان جہانت کوئے دلدار خوش است

تیرے دل کی توجہ کا مرکز رخ یار کو بنانا بہتر ہے
جب کہ تو یکسو ہو جائیگا تو دلدار تجھ سے خوش ہو جائیگا
سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کوچۂ دلدار اختیار کر
کیونکہ دنیا بھر سے کوچۂ دلدار بہتر ہے۔

بے تو جاناں قرار نتوانم کرد
احسان ترا شمار نتوانم کرد
برتنم گر زبان شود ہر موی
یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد

جاناں تیرے بغیر مجھ کو قرار حاصل نہیں ہو سکتا
تیرے احسان اتنے ہیں کہ میں شمار نہیں کر سکتا
اگر میرے جسم پر ہر بال زبان ہو جائے
تیرے ہزار شکروں میں سے ایک کا بھی شکر ادا نہیں کر سکتا

گفتم کہ حجاب سالبشر چند ست
برخواں د بہر گو کہ نیکو پند ست
گویم مجمل اگر پذیری از من
ہر چیز کہ آنست حجاب و بند ست

میں نے کہا کہ سمجھ لے کہ حجاب کتنے ہیں
سیکھ لے اور ہر شخص کو بتادے کہ اچھی نصیحت ہے
اگر تو مانے تو مختصر یہ ہے
کہ اس دنیا میں جو کچھ ہے وہ محض قید و بند ہے

دلدار طلب مکن چو دلدار نماند
بے یار بری چو در جہاں یار نماند
دامن کش و بگوشہ خوش بنشیں
وانگہ کہ در یار در یار نماند

جب دلدار نہ رہا تو دلدار طلب نہ کر
جب دنیا میں یار نہ رہا تو بے یار بسر کر
جب تیرے لئے درِ یار باقی نہ رہا
تو دامن کش اور گوشہ نشین ہو جا

در کار من خستہ نظر باید کرد
وز سوزِ دل و جان حذر باید کرد
صد بار بکوئے تو گزر کردستم
یکبار بکوئے من گزر باید کرد

مجھ دل ریش کے حال پر نظر کر
اور میرے سوزِ دل سے ڈر کر رہ
میں تو سو بار تیرے کوچہ میں آیا گیا ہوں
تجھکو بھی کم از کم ایکبار تو میرے کوچہ میں آنا چاہئیے

در عشق ہر آنکس کہ ہوس میگیرد
در سعرمن سیمرغ مگس میگیرد
برخیز و راہ گیر کاندر شب عمر!
در خانہ نشستہ را عسس میگیرد

جو شخص محبت میں ہوس اختیار کرتا ہے
تو وہ سیمرغ کی جگہ مکھی پکڑتا ہے
اے راہرو اٹھ اور اپنا راستہ لے کیونکہ
زندگی کی رات میں گھر بیٹھے ہوئے کو کوتوال پکڑ لیتا ہے

ما را تو اے خدا تو می باید و بس
بے تو چہ کنم جان و دل و ہوش و ہوس
گوئی کہ اگر بہشت خواہی بہ ہم
اندر قدحِ صفا کجا خواہم خس

مجھ کو تو اے خدا بس تو چاہیئے تیرے
بغیر میں جان و دل و ہوش و ہوس کا کیا کروں
اگر تو یہ کہے کہ تو مجھے جنت دیتا ہے تو میں کہوں)
مجھے دل کے صاف و شفاف پیالہ میں خار و خس
درکار نہیں ہے۔

بے تو ملکا باین دل و جاں چہ کنم
من طالب درد تو بہ درماں چہ کنم
گوئی کہ بہشت و حور و غلماں بستاں
تو گشتہ بہشت من بہ غلماں چہ کنم

اے بادشاہ تیرے بغیر میں دل و جان کا کیا کروں
میں تو تیرے درد کا طالب ہوں مجھے علاج درکار نہیں
اگر تو یہ کہے کہ میں بہشت اور حور و غلماں لے لوں
(تو میں کہوں) تو میری بہشت بن چکا ہے میں غلماں کا کیا کروں

اے دل ز غم عشق زخمہا زدہ ام
در کوئے طلب بسے قدمہا زدہ ام
از حسرت نایافتہ ہنگام سحر
یا رب تو گواہی کہ چہ دمہا زدہ ام

اے دل عشق کے غم میں میں نے بہت کچھ لکھا ہے
اور کوچۂ طلب میں بہت تگ و دو کی ہے
صبح کے وقت مقصد حاصل نہ ہونے کے باعث
اے خدا تو گواہ ہے کہ میں نے کس قدر آہ و فغاں کی ہے

رسالۃ السلوک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ والسلام علیٰ نبیہ و حبیبہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد این می گوید حمید صوفی عفی اللہ عنہ۔

اللہ رب العالمین کا شکر ہے اور اسکے نبی اور حبیب محمد مصطفیٰ پر اور آپ کی تمام آل و اصحاب پر درود و سلام کے بعد صوفی حمید کہتا ہے۔

رباعی

دنیا ز خیالِ خود بروں بر دستم
عقبیٰ ہمہ وقت یاد نا وردستم
روزے کہ روندگان بدرویت برسند
من بے من و دامن وصلت در دستم

ترجمہ

مینے دنیا کو اپنے دامنِ خیال سے نکالدیا ہے
اور عقبیٰ کو بھی ہر وقت یاد نہیں کرتا
جب سالکانِ راہ تجھ تک پہونچیں گے
میں بے نوا ہونگا اور تیرے وصال کا دامن میرے ہاتھ میں ہوگا

دنیا کہ بود تا کہ حدیثش گویند
دل در بار ند چوں خیالش جویند
مردانِ خدا حدیث عقبیٰ از دل
چوں لوح نوشتہ کن می شویند

دنیا ایسی کیا چیز ہے جس کا ذکر کیا جائے
اسکے خیال میں جب محو ہوتے ہیں دل تنگ کیے دیتے ہیں
مردان خدا عقبیٰ کی بات کو دل سے اس
طرح مٹا دیتے ہیں جس طرح تختی مٹادی
جاتی ہے۔

دوستی از دوستان کہ جویائے

دوستوں میں سے ایک دوست

این راه است بلکه دریں راه
او را پائیگاه است۔ ازیں مسکین
درخواست کرد که طریقِ سلوک
بقلم آرند که مریداں هر وقت بر
آں قدم سپارند۔ بر زبانِ ایں
مسکین رفته که سلوک در قدم است
نه در قلم۔ وایں سرے لطیف
است که قدم همچو کشتی و راه همچو
دریا و خدمت راه چو لنگر است
و مرغِ هوا و محبت بے پر است
چنانکه خواجه حسین منصور حلاج
قدس الله سرهٗ فرموده است۔
رَاَیتُ طیراً من طیورِ الصّوفیّة
علیهِ جناحان وانظرخان فبقی
عن الطیرانِ لنی عن القوم
فقات له اقطع جناحیک بمقراضِ
الفناءِ والا فلا تشغل بضربات الصوفیه
فقالَ لی بجناحی الطیرِ الحقی
فقلت وَ ما علمتُ لیس

کسی نے جو راہِ حق کا متلاشی تھا بلکہ
صاحب مقام تھا مجھ مسکین سے
درخواست کی کہ طریق سلوک قلمبند
کروں تاکہ مریدین ان پر گامزن
ہو سکیں۔ میری زبان سے نکلا کہ
سلوک قدم یعنی عمل میں ہے نہ کہ
قلم یعنی تحریر میں اور یہ ایک لطیف
نکتہ ہے کہ قدم مثل کشتی اور راہ
مثل دریا ہے اور خدمت راہ لنگر
ہے اور عشق و محبت کا مرغ بے
پر ہے بقول خواجہ منصور حلاج۔

کمثلہ شمس تو تقع فی بحر العلم غرقت
فی صورۃ البحر المتقطر فی الافہام
الافکار الواصل منتہا دما
باطل ۔

ازیں مسکین سوال کردہ سوالِ
اورا اجابت کردم و ایں کلمہ چند
در قلم آوردم تا مبتدیاں را سبب
ہدایت و منتہیاں را سبب تقرب
گردد انشاء اللہ تعالیٰ۔ آغاز سلوک
مریداں را باید کہ نخست مرید آیند
تا حق تعالیٰ در ارادت بروے بکشاید
کہ تا آنکہ ایں در بروے کشادہ
نگردد اندوے، ہیچ کار درست
نیاید و چوں کشادہ گشت باید کہ
نخست دست از دنیا بشوید و
چہار تکبیر مرگ بر خود بگوید کہ دنیا
و عقبیٰ ہمہ در یک دل جمع نباشد
کہ الدنیا و العقبیٰ

مجھ مسکین سے سوال کیا گیا تھا میں
نے اسے قبول کیا اور یہ چند کلمے سپرد
قلم کئے تاکہ مبتدیوں کے لئے ہدایت
کا سبب اور منتہیوں کے لئے تقرب
کا باعث ہوں۔ ابتداء سلوک میں
مریدوں کو دست بیعت ہونا لازمی
ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ارادت کا دروازہ
اس پر کھول دے کیونکہ بغیر اس در
کشائی کے کوئی کام درست نہیں
ہوتا اور جب یہ دروازہ کھولا گیا
تو پھر لازم ہے کہ دنیا سے ہاتھ اٹھا
لے اور خود کو مرا ہوا تصور کرے
کیونکہ دنیا اور عقبیٰ دونوں ایک
دل میں جمع نہیں ہوتیں۔

رباعی

گر دین طلبی تمام ز دنیا بگذار
کیں ہر دو نیایند جمع یک بار
از ہر دو اگر لقمہ جمع کنی و بخوری
در حلق بگیردت بمیری سر زار

چوں دست از دنیا برداشت و
پائے در طلب عقبیٰ راسخ و ثابت
گرد در حق تعالیٰ در ہدایت دوئم
بکشاید و او را سرے از اسرار
طالبان حضرت خود نماید۔ قدم
دوم بر عقبیٰ سپرد کہ "خطوطان و
قد وصلت" و ایں جملہ نیک آسان
نماید۔ اما در تفصیل بر نفس و عقل
دشوار می آید۔ چنانکہ نفس را
گذاشتن است و از عقل گذشتن
است۔ چنانکہ یکے از عارفانِ کامل
گوید۔
قال بعضہم الاکل والشراب وافہم

ترجمہ

اگر دین کا طالب ہے تو دنیا کو چھوڑ دے
کیونکہ یہ دونوں یک جا جمع نہیں ہو سکتے
اگر دونوں کا لقمہ بنا کر کھائیگا (یعنی دونوں
سے لطف اندوز ہونا چاہیگا) تو یہ لقمہ تیرے
حلق میں پھنس جائیگا اور تو مر جائے گا۔

جب دنیا سے دست بردار ہو کر
طلب عقبیٰ میں راسخ قدم ہو گیا تو
اللہ تعالیٰ دوسری ہدایت کا دروازہ
کھول دیتا ہے اور اپنے طالبوں
کے بھید اس پر منکشف کرتا ہے
اور اس کا دوسرا قدم عقبیٰ کی طرف
بڑھتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے "خطوطاں
و قد وصلت" بظاہر یہ جملہ آسان
معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں عقل و
نفس پر گراں گذرتا ہے کیونکہ ترکِ
نفس کرنا حدِ عقل سے نکل جانا یہ
کاملے دانند۔ عارفانِ کامل میں
سے کسی کا قول ہے۔

والوہم والخیال والاشتغال با
لحواس المحسوسات من العالم
الملک وشوق والذوق بالمعلومات
والمعقولات من العالم الملکوت
والصرفہ عن الحواس المحسوسات
من ظاہرا او باطنا سبیلا الی اللہ
ہمت ما اذا تجاوز عنہما وصل
الیہا

وایں راہ واصلان حضرت است
وچوں رونده تا ہست در خودیت
خود است رونده. چوں نیست
شد از خود باشد

اور یہ راہ واصلان حق سبحانہٗ تعالیٰ
کی ہے اور جب تک سالک میں
ہستی ہے تو خودی ہے یعنی انسان
اور جب وہ نیست ہو گیا تو گویا واصل
خود ہو گیا۔

رباعی

ہر کہ او ہست جز ہوائے نیست
نیست شو. نیستی جدائی نیست
بنده جائے رسد کہ محو شود
بعد ازاں کار جز خدائی نیست

ترجمہ

جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ کچھ ہے تو یہ
ایک نفسانی خواہش ہے نیست ہو جا
کیونکہ نیستی کو جدائی نہیں۔ بندہ جب
ایسی جگہ پہنچتا ہے کہ جہاں اس پر
محویت طاری ہو جاتی ہے تو وہاں

تصرف دریں مقام است و ترک
تصرف کہ اندیں گفتہ اند التصرف
فی الفقر حرام۔ تصرف در عالم
ملک حجاب عالم ملکوت است
و تصرف در عالم ملکوت واماندن
از جبروت است و در جبروت نظارہ
کردن واماندن از لاہوت است۔

رباعی

آتش در زن بہر چہ داری یارت
واندیش مکن کزیں برآید کارت
چو ہیچ نماند پس اے پسر امارت
باقی ببقاء او شود انوارت

سر ایں معنی است وتا از طور ناسوت
نگذرد در عالم ملکوت نرسد وتا از
طور ملکوت نگذرد در عالم جبروت

اس کا تعلق سوائے ذات باری کے
کسی سے کچھ نہیں ہوتا۔
تصرف اس کا ایک مقام ہے اور
ترک تصرف جائز رکھا ہے۔ تصرف
فقر میں حرام ہے۔ تصرف عالم ملک
میں حجاب عالم ملکوت ہے اور تصرف
عالم ملکوت میں جبروت سے باز رکھتا
ہے اور جبروت میں نظارہ کرنا
لاہوت سے باز رہنا ہے۔

ترجمہ

جو کچھ تیرے پاس ہے اسے آگ
لگا دے اور اسکی مطلق پرواہ مت
کر کیونکہ ایسا کرنے سے تجھے مقصد
حاصل ہوگا جب تیرے پاس کچھ نہیں
رہا تو اے بچے تیرے انوار اس کی
بقا کی بدولت ثانی ہو جاتے ہیں۔
اور اس بھید کے یہ معنی ہوئے کہ
جب تک تو طور ناسوت سے نہ گذرے
گا عالم ملکوت میں نہیں پہنچے گا

نظارہ کردن نتواند وتا از طور جبروت
نگذرد بہ لاہوت نرسد تا بندہ از
خود واز کار خود با مشغول از عالم
لاہوت بس دور است۔

رباعی

مشغول ہوا کہ ترا بشناسد
واں کیست کہ از عقل وہوا بشناسد
ایں کار بہ بازو و تن خاکی نیست
ہم نور تو باید کہ ترا بشناسد

تا ابتدائے آہ از ذکر اللہ کند وروئے
از ہمہ چیز بگرداند واز خلق عزلت
گیرد وخلوت اختیار کند ویک ذکر
ویک ہمت گردد واسباب تفرقہ
جملہ بگذارد وخود را مردہ شمارد
واللہ اللہ بگوید تا سر از دریچہ

اور جب تک ملکوت کے پہاڑ کو عبور
نہیں کرے گا عالم جبروت کا نظارہ
نہیں کر سکتا اور جب تک جبروت
کے پہاڑ کو عبور نہیں کرے گا لاہوت
میں نہیں پہنچ سکے گا جب تک بندہ
کو اپنا اور اپنے کام کا شعور ہے عالم
لاہوت سے دور ہے۔

ترجمہ

جو ہوس میں مشغول ہے تجھے کب پہچان
سکتا ہے اور وہ کون ہے جس نے تجھے
عقل ونفس سے پہچانا یہ کام قوت
بازو اور جسم خاکی کا نہیں ہے جب تک
تیرا نور دل میں نہ ہو تجھے نہیں پہچان سکتے

اللہ کے ذکر سے شروع کرے اور
تمام چیزوں سے توجہ ہٹا لے اور خلق
سے تنہائی اور گوشہ نشینی اختیار کرے
اور ایک ذاکر وصاحب ہمت ہو جائے
تمام تفرقات کو بالائے طاق رکھ دے
اور خود کو مردہ سمجھ لے اور اللہ اللہ

لاہوت بر آرد۔

و السلام علی من اتبع الھدیٰ

سوال :۔ دل چیست

جواب :۔ دل آئینہ جمال روح
است چوں خواہد کہ جمالِ بیمثالِ
خود را نظر آرد روئے آئینہ دل
بسوئے خود گرداند خود را مشاہدہ
کند بے چند بے نظیر و بے تدبیر
و بے تشبیہ۔ چوں ایں معنی او را
روئے نماید زبان سبحانی ما اعظم
شانی شاید بکشاید در راہِ خود را
در خود بجوید از طریقِ یقین نہ
بگمان الحق گوید و چوں خواہد کہ
خود را بموافق سید المرسلین کہ
ارنا الاشیاء کما ھی گوید چوں
در اشیار مطالعہ کند روئے آئینہ
دل سوئے اشیار گرداند تا اشیار

کی رٹ لگائے تب کہیں جاکر مقام
لاہوت طے ہوتا ہے

ہدایت پائے ہوئے لوگوں کا اتباع
کرنے والوں پر سلامتی ہو۔

سوال :۔ دل کیا ہے۔

جواب :۔ دل روح کے حسن کا
آئینہ ہے اگر یہ چاہے کہ اپنا جمال
بے مثال دیکھے تو دل کے آئینہ کا
رخ اس طرف کر دے اور خود کو بے
نظیر اور بے تشبیہ دیکھے جب یہ
بات پیدا ہو جائے تو زبان سے اس
وقت سبحانی ما اعظم شانی کہے اور
اپنا راستہ اپنے میں ہی ڈھونڈے
گمان کے ساتھ نہیں یقین کے ساتھ
انا الحق کہے اور جب کہ سید المرسلین
کی طرح ارنا الاشیاء کما ھی کہے
جب اشیار کو دیکھے تو دل کے
آئینہ کا رخ اشیاء کی طرف کرے
تاکہ اشیار کو دیکھے جب تو اشیاء

بیند چوں اشیار دید از خود در حجاب
شود چہ گوید

لو قلت یوماً سبحانی ما اعظم شانی
فانا الیوم مجوسی اقطع زناری و
انا اقول لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

و چوں خود را دید ارنا شیا کما ھی
در نظر او نیاید چہ گوید لیس فی
جبتی سوی اللہ ۔

سوال ۔ در شریعت چیست و طریقت
چیست ۔

جواب ۔ شریعت ابر است و
طریقت باران و شریعت ظاہر است
و طریقت باطن، شریعت بے طریقت
ممکن و طریقت بے شریعت لاممکن
و شریعت ظاہر آرائی است و طریقت
باطن پیرائی ۔

سوال ۔ حاصل شریعت چہ و

کو دیکھنے لگے گا تو اپنے آپ حجاب
بن جائے ۔

اور جب اس نے خود کو دیکھا تو ارنا
شیا کما ھی ۔ اس کی نظر میں نہیں آسکتا
وہ کیسے کہہ سکتا ہے لیس فی جبتی
سوی اللہ ۔

سوال ۔ شریعت کیا ہے اور طریقت
کیا ہے ۔

جواب ۔ شریعت ابر ہے اور طریقت
بارش، شریعت ظاہر ہے اور طریقت
باطن، شریعت بے طریقت کے ممکن
ہے مگر طریقت بغیر شریعت غیر ممکن
ہے۔ شریعت ظاہر کا آراستہ کرنا
ہے اور طریقت سے باطن آراستہ
کیا جاتا ہے ۔

سوال ۔ شریعت سے کیا حاصل

حاصل طریقت چہ

جواب:- حاصل شریعت رویت
است و حاصل طریقت وصل حاصل
شریعت نعمت است و حاصل طریقت
منعم، حاصل شریعت نعیم جنان
است و حاصل طریقت نعیم جان
حاصل شریعت اثبات ہادی و
حاصل طریقت محو کنندۂ دوئی است
شریعت در خواستن است و
طریقت بر خواستن و حقیقت ندیافتن
شریعت سیر است و طریقت طیر
است و حقیقت ترکِ غیر۔

رباعی

از تو سہ راہ را کردند نشاں
اول رہ تن پس رہ دل پس رہ جاں
شریعت و طریقت و حقیقت در راہ
باجاں تو بود جان تو از جان جہاں

ہوتا ہے اور طریقت سے کیا۔

جواب:- شریعت سے رویت
حاصل ہوتی ہے اور طریقت سے وصل
شریعت کا حاصل نعمت ہے اور طریقت
کا حاصل منعم، شریعت کا حاصل جنت
کی نعمتیں ہیں اور طریقت کا حاصل
جان کی نعمتیں۔ شریعت کا حاصل اس
کے ساتھ ثابت رہنا ہے اور طریقت
کا حاصل دوئی مٹانا ہے شریعت
کا مقصد چاہنا اور طریقت کا مقصد
پالینا ہے۔ شریعت سیر (چلنا) ہے
اور طریقت طیر (اڑنا)، اور حقیقت
غیر کا ترک ہے۔

ترجمہ

تجھ کو تین راستے بتائے ہیں
اول تن کا راستہ پھر دل کا راستہ پھر جان کا راستہ
شریعت، طریقت و حقیقت کے راستے
تیری جان کے ساتھ ہیں اور تیری جان
جہان کے ساتھ ہے۔

رباعی

عجز من خستہ بساز اے دمساز
تا کے گوئی کہ با غم من دمساز
سازم دل خستہ است بجز یکدم نیست
بیچارہ بود کرا بود یک دمساز

سخن بس عزیز است و عزت سخن
کسے داند کہ در طلب رنج بردہ
باشد از پیر خویش شنیدم کہ
در طلب یک سخن مرا مشکل شدہ
بود کہ راہی دو قطع کردم و نزدیک
بودم کہ در سال بادیہ جان من
زیت برود و خون من بے بہا
بریزد بسیار کوشیدم و در حل
آں عقدہ بجوشیدم و چنداں
حلقہ بر سنداں زدم کہ آں در
بستہ بر من بکشاد و آں معنی مطلوب
برار وے داد پس بشناختم تا یافتم
بس رنج خوردم تا بر آں خوردم

ترجمہ

اے دمساز مجھ خستہ کے عجز کو پسند کر لے
تو یہ کب تک کہتا رہیگا کہ میں تیرے غم کیساتھ موافقت کرتا رہوں
یہ مان لیا کہ تو دل گرفتہ ہو گیا لیکن فرصت یکدم
سے زیادہ نہیں بیچارہ کا کون دمساز
ہوتا ہے۔

یہ بڑی پیاری بات ہے اور بات
کی عزت وہ جانتا ہے جس نے طلب
میں رنج اٹھایا ہو میں نے اپنے پیرو
مرشد سے سنا ہے کہ آپ کو راہِ
طلب میں ایک مشکل پیش آئی تھی
دو راستے طے کئے اور قریب تھا
کہ اس جنگل میں بغیر خون بہائے
نکل جائے اور میرا خون بے قصاص
ہو ان کو حل کرنے کی بہت کوشش
کی اور بالآخر خداوند تعالیٰ نے میری
عقدہ کشائی فرمائی اور معنی مطلوبہ
ظاہر ہو گئے یہ چیز بہت کوشش
کے بعد حاصل ہوئی بہت رنج

لاجرم قدم آں می دانم وحق آں
می شناسم۔ تا آنکہ ناجستہ بیابد
قدر آں نداند اگر مستمع مستحق
نبود۔ نعوذ باللہ منہا حق آں نگذارد
وناشنودہ انگارد تا از معنی آں
در حجاب ماند۔ فردا راہ او در
عتاب ماند۔

رباعی

امروز ہر آں کہ در حجاب است
فردا رہ او سوئے عتاب است
مطلوب تو آنکہ جہت با تست
نے در سخن و نے در کتاب است

سوال:۔ غیر کہ بود

جواب:۔ آنکہ بود بداند کہ او
ہست۔

سوال:۔ اگر پرسند فقیر کہ بود

اٹھائے تب کہیں ثمرہ ملا آپ اس
کی قدر جانتے ہیں اور اس کا حق
پہچانتے ہیں۔ جو بغیر تلاش کے
پالیتا ہے وہ اس کی قدر نہیں
جانتا اگر سامع مستحق نہیں ہے
تو نعوذ باللہ منہا اس کا حق ادا
نہیں کرے گا اور ان سنی کر جائے
گا یہاں تک کہ حقیقت اس پر منکشف نہ
ہوگی اور وہ عتاب میں رہے گا

ترجمہ

آج جو پردے میں ہے کل اس
کا راستہ عتاب میں ہے۔
جو تیرا مطلوب ہے وہ تیرے
ساتھ ہے نہ کتاب میں ہے نہ
بات میں ہے۔

سوال:۔ غیر کون ہوتا ہے

جواب:۔ وہ جو کہ سمجھتا ہے کہ
وہ ہے۔

سوال:۔ پوچھیں فقیر کون ہے

جواب:۔ ہر کہ نبود۔

سوال:۔ در شب چہاردہم ماہ بعکس آفتاب مستغرق شود و در دور روز قران قرص ماہ ناپدید شود ازیں دو حال بیگانگی کدام یک نزدیک تر است۔

جواب:۔ در شب چہاردہم اگرچہ قرص ماہ مستغرق عکس آفتاب است امّا دوئی برجاست امّا آنکہ در دو روز قراں صفات ماہ کلّی مسلوب و منفی است و ذات آفتاب در صفت یگانگی ثابت است چنانچہ گوید۔

رباعی

ہر دل کہ ز سرِ عشق آگاہ بود
آں دل نبود کہ آں ہر تو شاہ بود

جواب:۔ جو یہ خیال کرے کہ وہ نہیں ہے۔

سوال:۔ چودھویں رات کو چاند آفتاب کے عکس میں غرق ہو جاتا ہے اور دو روز تک چاند ناپید رہتا ہے ان دونوں حالتوں میں بیگانگی کس حالت سے قریب تر ہوتی ہے

جواب:۔ چودھویں رات کو جب چاند آفتاب کے عکس میں محو ہو جاتا ہے دوئی (بیگانگی) برقرار رہتی ہے البتہ جب کہ ان دونوں میں قران ہوتا ہے چاند کے صفات بالکل مسلوب و منفی ہو جاتے ہیں اور آفتاب کی ذات صفات یگانگی میں ثابت رہتی ہے

جو دل کہ عشق کے بھید سے آگاہ ہو گیا
وہ دل نہیں رہا بادشاہ ہو گیا!

گہ مہ و مہر یک جا باشند۔
چوں مہر بود ہمہ کجا ماہ بود

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چاند سورج
ایک جگہ ہوتے ہیں مگر جب آفتاب
ہوتا ہے چاند معلوم نہیں ہوتا۔

رباعی

عشق اے صنما کجا پذیرد چو منی
سرگشتہ و شوریدہ و خود دریش تنی
مر عشق ترا کہ جانِ جاناں است
آسودہ دل باید نہ فرسودہ تنی

ترجمہ

اے صنم عشق مجھ جیسے کو جو سر پھرا اور
پریشان ہیجو و رنجو ہے کب قبول کرلے
اے جان جہاں تیرے عشق کی پذیرائی
کیلئے آسودہ دل ہونا چاہیئے نہ کہ
فرسودہ جان۔

سوال: ما ایں جاں سہ جان است
و چہارم عشق ایں کدام است۔

سوال: جانیں تین ہیں۔ چوتھی جان
عشق کی یہ کہاں سے آئی:

جواب: یک جان نباتی، دوئم
جان حیوانی۔ سوئم جان انسانی جانِ
نباتی زندہ بہ جان حیوانی است کہ
بدید آوردن برائے آنست زجانِ
حیوانی زندہ بجان انسانی است
کہ مقصود آں برائے آفرینش است
و جان انسانی زندہ بعشق است و
عشق صفتے از صفات رحمانی است

جواب: ایک جان نباتی درخت
وغیرہ ہے دوسری جان حیوانی جاندار
کی ہے اور جان حیوانی جان انسانی
کے لئے زندہ ہے کیونکہ آفرینش
کا مقصود جان انسانی ہے اور جانِ
انسانی عشق سے زندہ ہے اور عشق
رحمانی صفتوں میں سے ایک صفت
ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔ یحبہم اور عشق

کہ یحبہم و عشق پرتو آنست کہ
یحبونہ

سوال:۔ اذا اتم الفقر فھو اللہ
چیست۔

جواب:۔ فنائے مطلق از صفات
خداوند تعالیٰ است و فقر مطلق از
صفات بندہ مامور است بمحو
صفات جائز۔ علیٰ سبیل البدل
کما قال اللہ تعالیٰ یبدل سیاتہم
حسنات و قال علیہ السلام
تخلقوا باخلاق اللہ چوں بندہ
فقیر حقیر محو صفات قیام نماید بر یک
بجہد بجا بدہ بے صفتے می شود تا
بندہ بجائے رسد کہ جملہ صفات
او محو شود۔

اس کا پرتو ہے کیونکہ یحبونہ
(محبت کیا گیا ہے)

سوال: فقر کی انتہا اللہ ہے
یہ کیا رمز ہے۔

جواب:۔ فنا مطلق اللہ تعالیٰ کی
صفات میں سے ایک صفت ہے
اور بندے کی صفت صرف فقر ہے
صفات کو محو کرنے کے لئے بندہ
مامور ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے
برائیاں نیکی سے بدل جاتی ہیں اور
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے اپنا
اخلاق بناؤ جب بندہ فقیر حقیر محو
صفات میں قیام کرتا ہے اس کی
ہر ایک کوشش بے صفت ہونے
کے مجاہدے کی ہوتی ہے یہاں
تک کہ بندہ اس مقام پر پہونچ
جاتا ہے کہ اس کی تمام صفات
محو ہو جاتی ہیں۔

رباعی

رہ رو باید کہ درین رہ پوید
از خود شنود حدیث یا خود گوید
بندہ بہ نفی صفات خویش جائے برسد
نہ او ز کس و نے کس ازو ستودہ جوید

تا ہیچ صفتے باقی است او ہم چو
آں محتاج است و اسم فقر بروے
آں باقی است، چوں کلی صفاتِ
او فانی شود او لصفت غنا باقی گردد
اذا تم الفقر فہو اللہ سر ایں معنی
است۔

سوال: دل چیست۔

جواب: دل بیرون عالم است
و بیرون دل چوں سالک در دلِ
دل رود از عالم بیرون آید و چوں
در عالم در آید از دل بیروں رود۔

ترجمہ

سالک کو چاہیئے کہ راستہ چلے
حدیثِ طریقت خود سنے یا خود سے کہے
اپنی صفات کی نفی کرنے سے بندہ اسی جگہ
پہنچتا ہے کہ نہ تو وہ کسی سے اپنی تعریف
کرتا ہے اور نہ کوئی اس سے تعریف کا
متمنی ہوتا ہے۔

جب تک اس میں کوئی سی صفت
باقی ہے وہ اس صفت کی طرح محتاج
ہے اور فقر کا نام اس کے ساتھ لگا
ہوا ہے جب اسکی تمام صفات فانی
ہونگی تو غنا باقی رہ جائے گا اور
اذا تم الفقر فہو اللہ کے یہی معنی
ہیں۔

سوال: دل کیا ہے۔

جواب: دل عالم سے باہر ہے
اور عالم دل سے باہر جب سالک
دل کے دل میں پہنچ جاتا ہے تو عالم
سے باہر آ جاتا ہے اور جب عالم

سوال:۔ صفا چیست

جواب:۔ غیر مود روح و نفس ہر دو
یک صفت آمیختہ اند۔ سالک حق
تعالیٰ چوں بخواہد کہ او بہ توفیق خداوند
قدم در طلب طریقت راست نہد
کوشش ایشاں آں باشد۔ کہ روح
را از صفت نفسانی مجرد و صافی کند
چناں ہیچ صفت نفسانی در وے
باقی نماند چنانچہ مصرعہ

روح مجرد بماند دامن دلبر گرفت

آں را صفا گویند۔

سوال:۔ حد صفا تا کجا است

جواب:۔ حد صفا از خود و از کونین
بے خبر شدن است چنانکہ از پرتو
جمال حق اثر بشریت و سے در وے
فانی شود و بمشاہدہ حق چناں
مستغرق شود گویا کہ او را نہ آفریدہ بود

میں آجاتا ہے تو دل سے باہر آ
جاتا ہے۔

سوال:۔ صفا کیا ہے۔

جواب:۔ روح اور دل کو ایک صفت
سے ملایا ہے جب طالب حق تعالیٰ
یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے
وہ طلب طریقت میں راہِ مستقیم پر
چلے اور اس کی کوشش یہ ہو کہ روح
کو نفسانی صفات سے مجرد اور صاف
کرے اور کوئی صفت نفسانی اس
میں باقی نہ رہے تو روح مجرد ہو کر
دلبر کا دامن پکڑ لیتی ہے اور اس کو
صفا کہتے ہیں۔

سوال:۔ صفا کی حد کہاں تک ہے

جواب:۔ حد صفا یہ ہے کہ خود سے
اور کونین سے بے خبر ہو جائے۔ یہاں
تک کہ حق کے جمال کے پرتو سے
بشریت کا اثر بشر میں فانی ہو جاتا
ہے اور وہ حق کے مشاہدہ میں لیا

و در قیامت ہمیں صفا بر اندازہ
صفا دیدار خواہد دید۔

سوال:- فردائے قیامت کہ وعدہ
دیدار است نہ ہمیں صفا خواہد بود
جواب:- فردا آرے ہر کسے بر
اندازہ صفا خود بیند۔
سوال:- چوں کشف کون از صفا
است ہر در آئینہ دو صفا پیدا آید
و آں از کسب و خواست بندہ
نیست و عالم کشف از کفر قہ می
نماید باشد کسے از عزیزان ایں
راہ کہ او را صفا باشد و کشف
نباشد۔

جواب:- فرمود کشف دو است
یکے مکان شدن است بمشاہدہ
خداوند تعالیٰ۔ دوم مشاہدہ خلق

غرق ہو جاتا ہے کہ گویا وہ پیدا ہی
نہ ہوا تھا۔ اور قیامت کے دن اسی
صفا کے اندازے پر اللہ تعالیٰ کا
دیدار ہوگا
سوال:- قیامت کے دن جس دیدار
کا وعدہ ہے وہ دیدار بھی صفا ہوگا
جواب:- ہر شخص اپنے صفا کے
اندازہ پر دیدار کرے گا۔
سوال:- چونکہ کون کا کشف صفا
کے باعث ہے جو صفا میں ظاہر
ہوتا ہے یہ بندہ کے کسب (عمل)
یا خواہش سے نہیں ہے اور عالم
کشف کفر قہ سے معلوم ہوتا ہے۔
ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس راہ کے چلنے
والوں میں سے کسی کو صفا ہوتا ہے
مگر کشف نہیں ہوتا۔
جواب:- فرمایا کشف دو طرح
کا ہوتا ہے ایک یہ ہے کہ خداوند
تعالیٰ کے جمال کے لئے مکان بن جائے

در آفرینش خداوند عزوجل مشغول
شود، ایں کشف کسے را بہ نظارگی
ملک خداوند تعالیٰ عزوجل باشد
و ایں تمام نیست و کسے را جز بہ خدا
بود باید دوسرا او را بمشاہدہ جمال
در آید چہ گوئی او را جز آفرینش
کسے کہ بکشف ناز کو تمن نیابد کہ
ایں مقام عالی است تا خداوند کرا
خواستہ است۔

سوال سرود شراب و خرابات ہر یکے
ازیں بلفظ مختلف اند مراد ازیں چہ خواستہ است
جواب: گرچہ الفاظ مختلف اند
اما در معنی از چوں بندہ را در صفا
استغراق حاصل شود یکے سرود نام
دہد۔ دوئم خرابات گوید یکے شراب
گوید یکے صفا گوید یکے نور مطلق

(یعنی جمال اس میں جاں گزیں ہوجائے)
دوسرے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے مشاہدہ
میں محو ہوجاتا۔ یہ کشف کسی کو خدا تعالیٰ
کے ملک کے دیدار سے حاصل
ہوتا ہے اور اسی پر اختتام نہیں ہے
کچھ لوگ خدا تعالیٰ کے جمال کا سودا
اپنے سر میں رکھتے ہیں یعنی تمنائے
دیدار جمال میں محو رہتے ہیں اور ان
کو مخلوقات میں سے کسی کا کشف حاصل
نہیں ہے اس لئے کہ یہ مقام بلند
ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر
کون اس کو حاصل کر سکتا ہے۔
سوال: سرود، شراب، خرابات مختلف
الفاظ ہیں ان سے کیا مراد ہے۔
جواب: اگرچہ الفاظ مختلف ہیں
ان کے معنی ایک ہیں جب سالک کو
صفا میں استغراق ہوتا ہے ایک
اس کا نام سرود کہتا ہے دوسرا خرابات
کوئی شراب کہتا ہے، کوئی صفا کہتا

گویہ عبارت مختلف است و مقصود یکے چنانکہ فرمودہ اند۔

عبارا تنا شتیٰ و حسنک واحد
و کل الیٰ ذاک الجمال یشیر!

پیر ہریو نور اللہ مرقدہ فرمودہ است کہ موافقت صفت دل است۔ و مخالفت صفت نفس است۔ ایں مخالفت موافق نہ شود و آں موافق مخالفت نگردد۔ و مخالفت نفس تا حد است کہ خواہند خداوند تعالیٰ را خلاف کنند اگر نتوانند و موافقت دل تا حدیست۔ آں سر کہ از اوصاف نفسانی بدر آید بزرگوار پیر ہریو قدس اللہ سرہ گفتہ است کہ دیو بالنفس یار است و فرشتہ با جان تا غلبہ کرا بود چوں ایں دانستی بدانکہ ہر جا کہ مخالفت است نفس آنجا غالب است پس موافقت صفت روح است و مخالفت صفت نفس

کہتا ہے کوئی نور مطلق۔ عبارت مختلف ہے مگر مقصود ایک ہے۔

پیر ہریو نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا ہے کہ دل کی صفت موافقت ہے اور نفس کی صفت مخالفت یہ مخالفت موافق نہیں اور وہ موافق مخالف نہیں۔ مخالفت نفس کی یہاں تک ہوتی ہے کہ خداوند تعالیٰ کی نافرمانی تک آمادہ کرتی ہے اور دل کی موافقت یہ ہے کہ اوصاف نفسانی سے بہتر برآ ہوتا ہے۔ پیر بزرگوار ہریو صاحب نے فرمایا ہے کہ نفس شیطان کا یار ہے اور جان کا یار فرشتہ ہے جب دیکھنا یہ ہو کہ غلبہ کس کا ہے جس جگہ مخالفت نفس ہے وہاں نفس غالب ہے جس جگہ دل موافق ہے وہاں روح غالب ہے پس موافقت

است۔

سوال:۔ پرسیدند مردے بطلب
صفا روے بگساند و روے دل
بخدا آرد و بمجاہدہ ریاضت
چنداں بکوشد کہ خود را صفا و فارغ
بیند چنانکہ ہیچ کدورتے اندروں
خود نہ بیند چنیں داند کہ من یافتم
و دریں بہ یقیں بود و ہیچ شک نیارد
واں خود صفائے او ہواے بود
پس چگونہ فرق کند در صفائی حقیقت
و صفائی ہوا۔

جواب:۔ صفائی خدا بے دعویٰ
بود و نشانِ وے نیستی و صفائے
ہوا با دعویٰ بود و نشانِ وے
ہستی بود۔

روح کی صفت ہے اور
مخالفت نفس کی۔

سوال:۔ ایک آدمی صفا کی طلب
کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دل خدا
کی طرف لگاتا ہے مجاہدہ اور ریاضت
میں اتنی کوشش کرتا ہے کہ خود
کو صفا اور فارغ پاتا ہے اپنے اندر
کوئی کدورت نہیں پاتا ایسا معلوم
ہوتا ہے کہ اس کو کچھ مل گیا اس کو
اس کا یقین بھی ہوتا ہے۔
مگر یہ صفائی ایک
ہوائے نفس ہوتی ہے پس حقیقی
صفائی اور صفائی ہوائے نفس
کا فرق کیسے معلوم ہو۔

جواب:۔ صفائی خدا بغیر دعوے
کے ہوتی ہے اور اس کی نشانی نیستی
ہے اور صفائی نفسانی دعوے
کے ساتھ ہوتی ہے اور اس کی نشانی
ہستی ہے۔

سوال :- دوئم صفا خدائے تعالیٰ
بآرام بود و صفائی ہوا نا تمام و بے
آرام کہ بخاطر ہوائے آرام نباشد
وسد حیوانی آنذو ہر دو پیدا ے
طلبید و از اں باک ندارد کہ خود را
بالغ داند گوید برادر سیدم وانہ ینہا
کہ می کنم مرا ہیچ زبان نیست۔ بدیں
پندار ے کہ روز تاریک نزد شود
و صفائے خدائے تعالیٰ ذوق خود
طلبید و ذوق آں جز جان و دل
کسے نداند۔

سوال :- خدائے تعالیٰ کی طرف
کی صفائی میں آرام ہوتا ہے اور صفائی
نفسانی بے آرام و نا تمام
اور اس
سے نہیں ڈرتی کہ خود کو بالغ سمجھے
ایسی صفائی رکھنے والا کہتا ہے کہ میں
نے اپنی مراد پالی اللہ میں جو کچھ کرتا
ہوں مجھے اس سے کوئی نقصان نہیں
اس سے سمجھ لو کہ اس کا روز تاریک
قریب ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفائی میں
ذوق مضمر ہوتا ہے جس کا مزا
سوائے قلب و روح
کوئی نہیں جانتا۔

جواب :- صفائی خدائے تعالیٰ
جدائی نہ طلبید ہر دم کہ در دل می
رود و با جان و دل یکے شود و می خواہد
تا بجائے رسد کہ آں بجائے است
تا از خود ایمن گردد۔

جواب :- صفائی خدائے تعالیٰ
جدائی نہیں چاہتی جب دل مر جاتا
ہے اور جان و دل ایک ہو جاتے
ہیں وہ اس جگہ پہنچ جاتا ہے کہ وہ مکان
کی قید سے ماورا ہے اور اپنے آپ
محفوظ ہو جاتا ہے۔

سوال: چوں روندہ با جان یکے
شود ویرا ذوق باشد۔

جواب: چوں در مشاہدہ یکے شود
ہمہ ذوق شود و از غایت ذوق نداند
کہ ذوق جان است و یا جان ذوق۔

سوال: در کمال بے خبری است
او بے خبری از ذوق چہ داند

جواب: تا می بیند کہ از آں نظر
باطن ذوق او را می باشد کہ آں ذوق
مشاہدہ است و پیغمبر علیہ السلام برین
نظر دعا کرد و گفتہ اللھم ارزقنی
لذۃ ذوق النظر الیک زیرا کہ
طرب در نظر است تا می بیند از نظر
باطن او تا خبر است چوں یکے شود
بے خبر شود ہمہ دو تن شود و تمیز
نماند و دریں باب کاملے گفتہ است۔

سوال: جب سالک جان کیساتھ ایک
ہو جاتا ہے تو اس کو ذوق ہوتا ہے۔

جواب: مشاہدے میں ایک ہو جاتا
ہے اور ہمہ تن ذوق ہو جاتا ہے اور
انتہائی ذوق کی وجہ سے وہ نہیں جانتا
کہ ذوق جان ہے یا جان ذوق ہے۔

سوال: کمال بے خبری ہے اور
بے خبری میں کیا معلوم ہو کہ ذوق کیا ہے

جواب: نظر باطن سے دیکھنے لگتا
ہے جس سے اس کو ذوق ہوتا ہے
کہ یہ ذوق دیدار ہے اور پیغمبر علیہ
السلام نے اسی بنا پر دعا کی اور
فرمایا اے میرے رب مجھے اپنی طرف
دیکھنے کا ذوق عطا فرما کیونکہ خوشی
نظارے میں ہے اور جب ایک
ہو جاتا ہے بے خبر ہو جاتا ہے بلکہ
ہمہ تن ذوق ہو جاتا ہے اور وہ تمیز
نہیں کر سکتا۔

بیت

تا من بودم نبود ساقی
چوں فانی گشتم گشتم باقی

ایں سر لیست کہ بگفتن معلوم نشود تا نبیند و نہ چشد نداند۔

ترجمہ

جب تک میں تھا تو ساقی نہ تھا۔
جب فانی ہو گیا تو باقی بن گیا

یہ ایسا بھید ہے کہ کہنے سے سمجھ میں نہیں آتا جب تک خود نہ دیکھے اور خود نہ چکھے سمجھ میں نہیں آتا۔

بیت

از بے خبری بے خبراں معذور اند
سر لیست دریں شیوہ کہ مستاں دانند

ترجمہ

بے خبری سے بے خبر لوگ معذور ہیں
اس بات میں ایک بھید ہے جسے مست لوگ ہی جانتے ہیں۔

سوال:۔ رونده کیست

جواب:۔ دل رونده است کہ اورا از مشاہدہ جاں ذوق است و جان را از مشاہدہ حق چوں دل نبود جان مستغرق شود و جاں بنور جمال حق تعالیٰ ہمہ یک رنگ شوند و دریں سخن کسے را نطق بیش ازیں نیست۔

سوال:۔ سالک کون ہے۔

جواب:۔ دل سالک ہے کہ اس کو جان کے مشاہدے سے ذوق ہے اور جان کو حق کے مشاہدے سے جب دل جان کے نور میں غرق ہو جاتا ہے اور جب جان جمالِ حق کے نور میں یک رنگ ہو جاتی ہے اور اس سے آگے کسی کے کہنے کی بات نہیں ہے۔

بیت

زیں پس کہ اگر کسے نشاں داد
بخشندۂ عقل و نطق جاں داد

سوال:- دل چیست کہ ازیں دولت
مستغرق و مشرف می شود۔

جواب:- فرمود۔ رباعی

دل نور مجرد است و تن پوست
در کسوت روح صورت دوست ببیں
ہر چیز کہ آں عین نشاں ہستی داد
پرتو نور است یا نور اوست بہ بیں

فرد

دل نور مجرد و بسیط است
در کل جہاں ازاں محیط است

بیت

دل یکے نظر لیست ربانی
خانۂ دیو را چہ دل خوانی

سوال:- دریں عالم نظر می افتد
اسامی ہر یک جدا است چنانکہ نفس و

ترجمہ

اس کے سوا اگر کسی نے نشان بتایا تو
یہ کہ منعم حقیقی نے عقل و نطق و جان
عطا کی ہے۔

سوال:- دل کیا ہے جو اس دولت
میں مستغرق اور اس سے مشرف ہے۔

جواب:- فرمایا

دل نور مجرد ہے اور تن مانند پوست ہے
روح کے لباس میں دوست کی شبیہ دیکھ
جس چیز کو آنکھیں ہستی سمجھتی ہیں غور سے
دیکھ نور کا پرتو ہے یا اس کا نور ہے۔

ترجمہ

دل نور مجرد ہے اور بسیط ہے اور
سارا جہان اس سے محیط ہے۔

بیت

دل اللہ کے جمال کا ایک پرتو ہے
شیطان کے گھر کو دل کیوں کہتا ہے۔

سوال:- اس عالم پر نظر پڑتی ہے
ہر ایک کے نام جدا جدا ہیں چنانچہ

دل و روح چوں نظر شد یک رنگ می
شود جز یکے بیش نیست ایں را
بیان فرمایند۔

جواب:- ابر تا نہ باریدہ است
نام او ابر است چوں فرود بارد
نام وے باراں شود و چوں در زمین
آمد نام وے جوئے آب شود و
چوں قرار گیرد نام وے حوض شود

فرد

قطرہ ہم از اں دریا دریا ہم ازاں قطرہ
بارہ اں ہم ازاں دریا دریا ہم ازاں باراں

سوال:- ازاں نظر دل را اول
منظر ربانی فرمودید پانہ خانۂ دیو خواندید
ایں چگونہ باشد بیان فرمایند

جواب:- تا دل عشق ایں عالم
دارد و وابستہ خواہش است خانہ دیو
است و نام او نفس است و جائے
او دوزخ۔ و چوں نظر از ایں عالم بر گیرد

نفس و دل و روح، جب نظر ایک
رنگ پر پڑتی ہے تو بجز ایک اور
کچھ معلوم نہیں ہوتا۔

جواب:- ابر جب تک برسا نہیں
ابر ہے اور جب وہ برس پڑا اسے
بارش کہتے ہیں اور جب زمین میں
جمع ہو کر بہتا ہے تو اس کا نام دریا
ہو جاتا ہے اور جب ایک جگہ جمع
ہو جاتا ہے تو اس کا نام حوض ہو
جاتا ہے۔

قطرہ بھی اسی دریا سے بن جاتا ہے اور
دریا بھی اسی قطروں کا مرکب ہے۔

سوال:- اس نظر سے دل کو پہلے
منظر ربانی فرمایا آپ نے پھر خانہ دیو
اس کی وضاحت سے بیان فرمائیں۔

جواب:- جب تک دل کو اس عالم
کا عشق ہوتا ہے اور اس میں پھنسا
رہتا ہے، وہ شیطان کا گھر ہے
اسی کا نام نفس ہے۔
اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور جب

و طالب بہشت است و وے کارہائے
خیر و طالب درآید نام وے دل
شود و جائے بہشت وے وچوں
ازیں عالم نیز برگیرد و ہمت عالی
یار وے شود حق تعالیٰ بروے
غالب شود نام وے روح شود
و حاصل وے مولیٰ تعالیٰ و ایں
نظم لائق وے گردد۔

بیت

عقل و دل و دین و ہوش جملہ ز من گم شدہ
روح مجرد بماند و دامن دلبر بگرفت

اس عالم سے گزر کر طالبِ بہشت
ہوجاتا ہے اور نیک کاموں اور
طاعت کی طرف مائل ہوجاتا ہے
اس کا نام دل ہوجاتا ہے اور اس
کا ٹھکانہ جنت ہے اور جب وہ اس
عالم سے بھی گذر جاتا ہے اور ہمت
عالی اس کی مددگار ہوتی ہے تو اللہ
تعالیٰ کا عشق غالب ہوجاتا ہے
اور یہ نظم اس کے حسب حال ہوتی ہے
عقل، دل، دین اور ہوش سب گم
ہوگئے جب روح مجرد رہ گئی تو اس
نے دلبر کا دامن تھام لیا۔

مکتوبات

حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین رح کے مکتوبات طالبان حق کی رہنمائی اور اسرار معرفت کی نقاب کشائی کے لئے شمع فروزاں ہیں تصوف اور معرفت کا بیش بہا خزانہ ہیں اور سرمایۂ ادب میں بھی خاص اہمیت کے حامل ہیں فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی بہترین انشا پردازی کا نمونہ ہیں یہ مکتوبات حضرت سلطان التارکین کے تبحر علمی اور تصوف میں بلند پایگی کے آئینہ دار ہیں اور اسلوب نگارش کے اعتبار سے بھی ان خطوط کو طرۂ امتیاز حاصل ہے ان مکاتیب سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت سلطان التارکین رح کا ترک دنیا درجہ کمال کو پہونچا ہوا تھا۔

دنیوی مال و متاع میں سے آپ کے پاس کچھ نہ تھا مگر فقر کی دولت سے مالا مال تھے۔ آپ کی خط و کتابت نقر و غنا پر شیخ الاسلام شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی رح سے بہت ہوئی تھی جو صاحب دولت و ثروت تھے۔ ہمیں افسوس ہے کہ آپ کے مکتوبات میں سے ہم کو معدودے چند خطوط دستیاب ہو سکے جو ہدیہ ناظرین ہیں۔

اورا با شیخ الاسلام بہاؤالدین ذکریا ملتانی رح در باب فقر و غنا مراسلات و مکاتبات بسیار است و مضمون یکے از آنہا ایں است کہ باطباق مشائخ

شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی رح سے آپ کی بہت خط و کتابت نقر و غنا کے موضوع پر ہوئی اس میں سے ایک مراسلے کا مضمون یہ ہے کہ مشائخ

و بہ مقتضائے نصوص و احادیث
دنیا و متاع آں مانع وصول بحضرت
مولیٰ است سبحانہ و تعالیٰ و چوں
شنیدہ می شود کہ بعضے از مشائخ
عصر ما حظ وافر از آں دارند و
با وجود آں خوارق و کرامات نیز
از ایشاں ظاہر می شوند ایں مسکین
را دریں باب حیرت زیادہ می
گردد اگر ایشاں لطف فرمودہ ازیں
اشکال گرہ بکشایند عین عنایت
باشد۔ والسلام۔

جواب از جانب شیخ الاسلام شیخ
بہاؤ الدین ذکریا ملتانی رح بنام حضرت
شیخ بزرگ حمید الدین صوفی رح حق
تعالیٰ در قرآن مجید در حق تمام متاع و
مال دنیا می فرماید قولہ تعالیٰ قل
متاع الدنیا قلیل ؕ معلوم است
کہ از آں چہ زر پیش ما باشد فقط
والسلام۔

کے خیال کے مطابق اور نصوص اور
احادیث کی رو سے دنیا اور اس کا مال
حضرت تعالیٰ تک پہونچنے میں مانع
ہے اور جب ہم سنتے ہیں کہ ہمارے
زمانے میں مشائخ کے پاس اس کا
حصہ کثیر ہے اور اس کے باوجود ان
سے خوارق عادات و کرامات ظاہر
ہوتی ہیں تو اس فقیر کو سخت حیرت
ہوتی ہے اگر آنجناب برائے لطف و
کرم اس عقدہ کی گرہ کشائی کریں
تو عین عنایت ہوگی۔ فقط والسلام

جواب از جانب شیخ الاسلام شیخ
بہاؤ الدین ذکریا رح ملتانی بنام حضرت
شیخ بزرگ حمید الدین صوفی رح دنیا
کی تمام دولت کے واسطے حق تعالیٰ
قرآن مجید میں فرماتا ہے "کہہ دیجئے کہ
دنیا کی پونجی قلیل ہے آپ کو معلوم
ہے کہ اس میں سے ہمارے پاس
کتنی ہوگی۔ والسلام

مکتوب دیگر شیخ بزرگ حمید الدین صوفی قدس اللہ سرہ بنام شیخ الاسلام بہاؤ الدین ذکریا رح

من القطر الی النہر ومن النہر الی القطر۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ الاخبار قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ الدنیا الشیطان الی آخر الحدیث

ودر خبر دیگر است الدنیا کلہا حرام الی آخر الحدیث ودر خبر دیگر فرمود الدنیا حرام علی اہل الاخرۃ والاخرۃ حرام علی اہل الدنیا والاخرۃ حرام علی اہل اللہ ودر عوارف المعارف آوردہ است بندگی حضرت شیخ الشیوخ قدس اللہ سرہ العزیز الدنیا مبغوضۃ فمن استمسک بحبل فیہا فادیہ الی النار

دوسرا خط شیخ بزرگ حمید الدین صوفی قدس اللہ سرہ کا بنام شیخ الاسلام بہاؤ الدین ذکریا رح

قطرہ کی طرف سے نہر کو اور نہر کی طرف سے قطرہ کو۔ شروع کرتا ہوں میں ساتھ نام اللہ کے جو رحم کرنے والا اور رحیم ہے یعنی اللہ کی طرف سے تجھ پر رحمت ہو اور برکت بھی ہو حدیث شریف میں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا شیطان کی شراب ہے ——— اور دوسری حدیث شریف میں آیا ہے کل دنیا حرام ہے ——— ایک اور حدیث شریف میں آیا ہے دنیا آخرت والوں پر حرام ہے، اور آخرت دنیا والوں کے لئے حرام ہے اور دنیا و آخرت دونوں اہل اللہ پر حرام ہیں۔ حضرت شیخ الشیوخ قدس سرہ نے عوارف المعارف

الاقامۃ۔ قال ابوذر رض ادقع من فوق قصر نا یحکم احب الی من مجالسۃ الاغنیاء لانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تجالسوا الموتی قیل یارسول من الموتی قال الاغنیا وقال انس بن مالک رضی اللہ عنہ عظنی فقال الراہب ان استطعت ان بینک وبین الناس سوارا من حدید فافعل واین معنی با تعلق دنیا میسر نشود قال میرۃ قال غیس کا الراہب تجرد من الدنیا فانک انما خرجت الی الدنیا وانت مجرد واقوال مشائخ قدس اللہ ارواحہم قال بعضہم الدنیا عروس وطالبہا بما خطبہا الزاہد فیہا یسخم وجہہا وتنتف شعرہا وتحرق ثوبہا والعارف باللہ یشغل بسیدہ ولا یلتفت الیہا وقیل بعضہم فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم

میں فرمایا ہے دنیا پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے جس نے اس کی رسموں کو پکڑا دوزخ میں گیا حدیث شریف میں حضرت ابوذر روایت کرتے ہیں کہ سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ موتی کے پاس مت بیٹھو عرض کیا یارسول اللہ موتی کیا ہے فرمایا اغنیا اور فرمایا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے۔

اور یہ معنی دنیا کے تعلق کے بغیر حاصل نہیں ہوں گے۔

سیرو اسبق المؤذون قبل من

والذی لیس معہ غیرہ و

مخافیۃ الدنیا دالاخر ظاہرۃ بسبل

بعضہم فی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم

الذی یعمل بعلمہ فقال العالم الذی

یترک الدنیا دان قلیل العمل۔

رباعیات

بے درد کسے بدرد منداں نرسد

بے سوز کسے بمستمنداں نرسد

دنیا داری و ملک عقبیٰ طلبی

قسمت تو روزگار چنداں نرسد

بگذار اگر مصد قے دنیا را

ترک آر اگر محققے عقبیٰ را

نفس تو خراست روح پاک عیسیٰ

در پائے خر نفس مکش عیسیٰ را

این فقیر دریں بابند است اگر با وجود

دنیا راہ خداوند تعالیٰ وتقدس می

ترجمہ

بغیر درد کے کوئی درد مند کے پاس نہیں جاتا

جبتک ہو سے ہمنوا نہو کوئی مستمند کیطرف رجوع

تو صاحب دنیا ہوتے ہوئے عقبیٰ کی طلب کرتا

تیری قسمت میں اتنا حصہ نہیں ہے۔

اگر تو اہل صداقت میں سے ہے تو دنیا کو چھوڑ دے

اگر تو حقیقت آشنا ہے تو عقبیٰ کو چھوڑ دے۔

تیرا نفس گدھا ہے اور تیری روح پاک بمنزل عیسیٰ

ہے نفس جو گدھے کے مصداق ہے اسکے

پاؤں میں عیسیٰ کو مت گھسیٹ۔

یہ فقیر اس خیال میں ہے کہ اگر دنیا کے

ہوتے ہوئے یعنی دنیا داری میں مشغول

تواں رفت استغال بریں سخنہا
لایعنی بود واگر نتوانند بعضے سالکان
بے تعلق دنیا تمسک ماوراء اجرائے می
کنند وایشاں را نیز بالطل نمی توانند
نہاد کہ حکایت کرامت ایشاں
سایع است آنکہ بخبر متواتر پیوست
و خبر متواتر موجب علم و عمل است
مقصود آں کہ ایں معنی مشکل شدہ
است و درایں روزگار مرد اسرار
کہ از حقیقت کار آگاہ بود عزیز
الوجود است چنانکہ در رسالہ
قشیری آوردہ است قدس اللہ
سرہ العزیز اعز الاشیا فی زماننا
تناشیاں عالم یعمل بعلمہ
و عارف ینطق من حقیقتہ
از راہ مرید پروری جواب باصواب
نویسند چنانکہ اشکال برخیزد خاطر
بریں اساس امیدہ بود کہ اگر بردست
ہاں چیزے کہ در دل نا خندہ زباں

ہوتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کا راستہ
اختیار کیا جا سکتا ہے تو ان دونوں
راہوں میں مشغولی سعی لاحاصل ہے
اور اگر یہ دونوں راہیں اختیار نہ
کی جا سکیں تو بعض سالک دنیا کے
تعلق سے ہی آخرت کی راہ اختیار
کر لیتے ہیں اور ان کو غلط راہ نہیں
کہہ سکتے ان کی کرامت کی حکایتیں مشہور
ہیں کہ ہمیشہ اچھائی کے کام کی
طرف متوجہ ہیں اور ان کا عمل علم
کے مطابق ہے مقصود یہ ہے کہ
یہ کام مشکل ہے اور اس زمانے
میں اسرار سے واقف آدمی جو کاموں
کی حقیقت جانتا ہو بہت عزیز سمجھا
جاتا ہے چنانچہ رسالہ قشیری میں
درج ہے یعنی دنیا میں عزیز وہ اشیاء
ہیں جو اپنے عمل کو علم کے مطابق بناتی
ہیں اور جو کچھ باتیں کرتے ہیں وہ معرفت
اور حقائق پر مبنی ہوتی ہیں اور

نمارد۔ شیخ الاسلام محمد غزالیؒ در
مصنفات خویش آوردہ است کہ
اگر کسے گوید باوجود دنیا کہ مرا بہ دنیا
ہیچ التفاتے نیست و جل من
گذرے نمارد واستوار ندارد
ایں پندار دبد انکہ او آں
مرد را مانند کہ کنیزکے دارد بدو
التفات نمارد و پندارد کہ از وے
فارغ است چو بفروشد عاشق
زار پدید آید اگر مشتری بروے نہ
بخشاید کار او بہ ہلاکت در آید ایں
معنی ندروند می بیچہ از راہ بخشش
و بخشائش رسالہ بردارند برے طالب
نویسند تا امام خود سازد۔ فالاجر
علی اللہ والتوفیق من اللہ
والسلام من اتبع الھدیٰ۔

مرید پیدری جواب بالصواب تحریر
فرمائیں شیخ الاسلام محمد غزالیؒ
نے اپنی تصنیفات میں بیان کیا
ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ دنیا کی
آسائشیں میسر ہوتے ہوئے مجھے
دنیا کی طرف التفات نہیں ہے اور
مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہے
تو اس پر اعتبار نہ کر
اس لئے کہ وہ اس شخص
کے مانند ہوتا ہے کہ جس کے پاس
کنیز ہے اور اس کی طرف ملتفت
نہیں ہوتا اور وہ خیال کرتا ہے کہ
اس کو کنیز کی ضرورت نہیں ہے جب
فروخت کر دیتا ہے تو عاشق زار کی
شکل میں ظاہر ہوتا ہے اگر خریدار اس
کے ساتھ مہربانی نہ کرے
تو وہ ہلاکت تک پہنچ جائے یہ معنی
آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے از
راہِ عنایت و بخشش ایک رسالہ

در مکتوب دیگر می نویسند این حقیر
مکتوب بخدمت شیخ بہاؤ الدین
عرضداشت کردہ از اشکالے کہ
ایں مسکیں داشت از خدمتش التماس
جواب نمودہ خدمت ایشاں بسببے از
اسباب جواب آں نہ نوشتند و اگر
نوشتند شافی نیامد۔ ایں حقیر بدرگاہ
مجیب الدعوات تضرع کردہ وزاری
نمود کہ مشکل بندہ خودرا آسان کند
وازیں کشائی پیدا آرد۔ حضرت
مجیب الدعوات دعائے بندہ را
قبول کرد و چناں نمود کہ ارباب
شریعت کہ طالبان ثواب آخرت
اند و برائے تحصیل ثواب اکتساب

لکھ کر طالبان ماہ کے پاس بھیج دیں
تاکہ اپنا امام بنائیں۔ اس کا اجر اللہ کی
طرف سے ملے گا اور توفیق باری تعالیٰ
کی جانب عطا ہوگی اور ہدایت کے
اتباع کرنے والوں پر سلام ہو۔
ایک اور خط میں لکھتے ہیں۔ اس حقیر
نے ایک اور خط شیخ بہاؤ الدین کی
خدمت میں بھیجا تھا اور جو مشکلیں
اس مسکین کو درپیش تھیں آپ کی خدمت
میں پیش کر کے جواب مانگا تھا آپ
نے کسی وجہ سے اس کا جواب نہیں
دیا اور اگر دیا بھی تو کافی وشافی نہ
تھا پھر اس حقیر نے درگاہِ مجیب
الدعوات میں گریہ وزاری کی کہ
بندہ کی مشکل آسان کر اور اس عقدہ
کی نقاب کشائی فرما۔ حضرت مجیب
الدعوات نے بندے کی یہ دعا قبول
فرمائی اور اس طرح فرمایا کہ ارباب
شریعت آخرت کے ثواب کے

خیرات و مبرات از صلوٰۃ و قربات
بکنند و از کشف حقائق تقویٰ و دقائق
نفس ہوا کہ ارباب طریقت ندیابند
محجوب باشند۔ و ہم چنیں ارباب
طریقت از اسرار قرب و انوار تجلی
ذاتی کہ مخصوص طالبان مولیٰ است
و پیش ایشاں ہر چہ ماسوائے ذات
حق است اگرچہ کشف و مشاہدہ
باشد حجاب ذات بود محجوب و معذور
باشند پس ہر کہ بہر چہ مادون
حق است در ماندہ است بحقیقت
محجوب است ہر چند کہ او نداند
کہ محجوب است و دیگر جامی نویسد۔
چوں مکتوبات و رسائل شیخ بزرگ
حمید الدین صوفی رحمۃ اللہ علیہ
در باب غنا و فقر بخدمت شیخ
الاسلام بہاء الدین ذکریا رحمۃ اللہ
علیہ بسیار رسید و ایشاں از
جواب نوشتن باز ماندند حضرت

طالب ہیں اور جو نفس و خواہش کے
دقائق اور تقویٰ کے حقائق کا
انکشاف ارباب طریقت کو ہوتا ہے
اس سے محجوب ہوتے ہیں اور اسی
طرح ارباب طریقت کہ قرب کے
اسرار و تجلی ذاتی کے انوار سے کہ
طالبان مولیٰ کے لئے مخصوص ہیں
محجوب و معذور ہوتے ہیں کیونکہ
طالبانِ مولیٰ کے لئے جو کچھ بھی
کہ ذاتِ حق کے سوا ہے اگرچہ کشف و
مشاہدہ ہی کیوں نہ ہو حجاب ذات
ہے۔ جو چیز کہ حق کے ماسوا ہے
اس میں جو شخص پھنسا ہوا ہے
وہ حقیقت میں محجوب ہے ایک
اور جگہ لکھتے ہیں کہ چونکہ شیخ
حمید الدین صوفی رح نے غنا اور فقر
کی بابت شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین
ذکریا رح کی خدمت میں بہت سے
مکتوبات و رسالے بھیجے اور وہ

شیخ بزرگ ایں ماجرا را بحضرت
حق جل علیٰ شانہٗ عرض گردانید واز
آنجناب جواب باصواب یافتہ
چنانچہ عبارت او ایں است،
بعنایت عزیز شیخ المشائخ بہاء الملت
والدین ذکریا رحمۃ اللہ علیہ ذکرہ
اللہ بالخیر مکتوبے در قلم آمدہ در
طلب راہ حق سبحانہ و تعالیٰ و
تقدس بکرات و اوقات رجوع عرض
کرد کہ خداوند شیخ الاسلام بہاالدین
ایں ضعیف را جواب نداد بر آں
کہ بر ذمہ او فرض بود۔ بار خدایا
تو آں قصہ را جواب کن حق سبحانہٗ
تعالیٰ بعد از دو سال ایں امیدوار
بوصل او از خزانۂ غیب بریں
ضعیف فرستاد کہ عین جواب
آں مکتوب بود و ایں بے چارہ
در قلم آورد تا سالکان را یار بود
و محباں را یادگار۔

جواب دینے سے قاصر ہے۔
اس لئے میں نے اس ماجرے
کو حق تعالیٰ کی درگاہ میں پیش کیا
اور وہاں سے جواب باالصواب ملا
جس کی عبارت یہ ہے حق سبحانہ
تعالیٰ کی راہ کی طلب اور حضرت قدس
کے طالبان کے احوال کی بابت
عزیز شیخ المشائخ بہاالدین ذکریا رح
کی خدمت میں ایک خط لکھا آپ نے
اسباب ثانی میں سے ایک سبب تحریر
فرمایا مجھ بیچارے نے اللہ تعالیٰ و
تقدس کی درگاہ میں اکثر رجوع کرتے
وقت عرض کیا کہ خداوندا شیخ الاسلام
نے مجھ ضعیف کو جواب نہیں دیا
حالانکہ جواب دینا ان کے ذمے فرض
تھا بار خدایا آپ ہی اس کا جواب
عنایت فرمائیں۔ حق سبحانہ تعالیٰ
نے دو سال کے بعد اس کا جواب
خزانۂ غیب سے مجھ ضعیف امیدوار

بداں اے عزیز اعزنا اللہ
وایاک بحصول المقاصد کہ روندگان
براہ خدائے تعالیٰ وتقدس آنہا
کہ واقف اند سہ گروہ اند ہر یکے
را از ینہا طلبی دادہ اند و مشربے
نہادہ اند ہمت کسے پیش ازاں
تقاضہ نہ کند کہ حق عزوجل برائے
او آمادہ کردہ است در ازل برائے
او خواستہ اکنوں بیان کنم تا
ترا معلوم گردد اول یکے ازایشاں
مجرداں بہ تجرید پاک چنانکہ التفات
از دل خود دو کردہ اند و از خود
نی الصفات گشتہ دبیا سودہ بفضل
خداوند تعالیٰ۔

کے پاس بھیجا جو اس خط کا
عین جواب تھا میں بیچارہ اسلئے
لکھ رہا ہوں کہ سالکوں کے لئے
یار اور محبوں کے لئے یادگار رہو۔

اے عزیز اللہ تعالیٰ
ہم کو اور تجھکو حصول مقاصد مقدر
کرے۔ خدائے تعالیٰ وتقدس کے
راستہ پر چلنے والے جو واقف ہیں
ان کے تین گروہ ہیں ہر ایک کے
لئے ایک طلب اور ایک مشرب
مقرر کیا گیا ہے ہر شخص کی ہمت اس
سے زیادہ تقاضہ نہیں کرتی جتنی
کہ حق عزوجل نے اس کے لئے مقرر
فرمائی ہے اور ازل میں اس کے
واسطے چاہا ہے میں اب بیان کرتا
ہوں تاکہ تجھ کو معلوم ہو جائے کہ
اول ان میں سے ایک گروہ مجردوں
کا ہے جو بوجہ تجرد پاک ہیں چنانچہ
وہ دونوں جہان کی طرف التفات نہیں کرتے

دوم ایں آمیختگان اند کہ دل ایشاں
ہم آرزوئے خداوند تعالیٰ کند و ہم
آرزوئے بہشت کند۔
سوئم بہشتیان اند کہ ایشاں را جز
آں آرزو نباشد و ہر چہ کنند برائے
بہشت کنند۔

بیان قوم اول آنہا کہ مجردان اند
پاک اند و فانی الصفات و آرزوئے
آں پیوستہ آں باشد کہ در خرابات
بے خودی غرق باشند و از دست حواس
خلاصی جویند۔ ایں قوم تفکر کنند
ہمت ایشاں جز حق نہ بینند کہ در
صفائے ایشاں کدورت و حجابے
نباشد۔ زیرا چہ ملکی نژاد اند و
از ہمہ فارغ شدہ اند کہ حق تعالیٰ
ایشاں را بعنایت خود ازیں بلایا

دوسرا گروہ آمیختگان کا ہے یعنی ان
کا دل اللہ تعالیٰ کی بھی آرزو کرتا
ہے اور جنت کی بھی
تیسرا گروہ بہشتیون کا ہے یعنی ان
کی اس کے سوا کچھ آرزو نہیں ہوتی
اور جو کچھ کرتے ہیں بہشت کیواسطے
کرتے ہیں۔

اول فرقے کا بیان۔ یہ وہ لوگ ہیں
وہ مجرد ہیں، پاک ہیں اور فانی الصفت
ہیں اور ہمیشہ ان کی آرزو یہ رہتی ہے
کہ بے خودی کی شراب میں ڈوبے
رہیں اور حواسوں سے رہائی چا
ہیں یہ فرقہ تفکر کرتا ہے اور ان کی ہمت
سوائے حق کے نہیں دیکھتی، ان
کی صفائی قلب میں کدورت اور حجاب
نہیں ہوتا کیونکہ فرشتہ صفت
ہیں اور سب سے فارغ ہیں حق تعالیٰ
ان کو اپنی عنایت سے تمام بلاؤں

خلاصی بخشندہ است کہ در تفکر و
غیر تفکر حق بہ بینند و حق دانند و حق
شنوند و حق خوانند تا پیوستہ در
خرابات بے خودی غرق باشند چنانکہ
گویند۔

رباعی

خراباتیست بر رندانِ سرمست
ز سرمستے نہ جائے نیست نے ہست
ہمہ فارغ ز امروز و ز فردا
ہمہ آزاد از ہشیار و از مست

بیان قوم دوئم کہ آمیختگانند
ایشاں را ایں مقام میسر نشود اگرچہ
آرزو کنند کہ ایشاں را ہمت مجرد
ندادہ اند و اگر بعد مجاہدہ بسیار
حق تعالیٰ ہمچو برقے از عالم صفات می
نماید باز بزودی در حجاب شوند زیرا
کہ دے حجاب دار د وآں خواستہا ئے

سے خلاصی بخشتا ہے اور ان کے
معاملے کو ایسا صاف کر دیتا ہے کہ
ہر وقت خواہ تفکر ہو خواہ غیر تفکر
حق دیکھتے ہیں حق جانتے ہیں حق
سنتے ہیں اور حق بولتے ہیں تاکہ ہمیشہ
بے خودی کی شراب میں غرق رہیں
چنانچہ کہا ہے۔

ترجمہ

رندان سرمست کے واسطے میخانہ موجود ہے
سرمستی کی وجہ سے نیست اور ہست کی گنجائش نہیں
آج اور کل کی فکر سے سب فارغ ہیں
سب ہوشیاری اور مستی سے آزاد ہیں

دوسرے فرقے کا بیان:۔ یہ فرقہ ملے
جلے حضرات کا ہے ان کو یہ مقام
میسر نہیں ہوتا۔ اگرچہ یہ اس کی
خواہش کرتے ہیں کیونکہ تجرد کی ہمت
نہیں دی گئی ہے اگر بہت مجاہدہ
کرے بھی۔ حق تعالیٰ کسی کو ایک
بجلی سی دکھا دیتا ہے اور چونکہ وہ

وے باشد کہ درون دل وے بروں
آرزو ہی کنند۔ چنیں داند ایں نظر
کہ مرا است پیش ازیں کسے را نبود
ونہ بعد از من خواہد بود زیرا کہ
وے پاک نیست ہر آئینہ پندارے
باوے باشد و ایں پندار است
کہ وے را بریں دارد تا ایں در
دل وے است روئے صفائے
مطلق دیدن میسر نشود اگر آں را
از صفا بد و نماید چہ سود چوں
در وے قابلیت صفائے مجرد
نباشد کہ پیش ازیں خواستہائے
در دل وے نقش شدہ باشد تا
کلی پاک نشود صفائے کلی حاصل
نیاید وہ ہرگاہ کہ ایں روندہ
آلودہ تفکر کند جز درجات بہشت
و قرب رویت در نظر نیاید زیرا
کہ صفائے تمام ندارد تا نظر از
ایں جانب بردارد و

خود حجاب میں ہے اس لئے مشاہدہ
تجلی میں بھی حجابات پیدا ہو جاتے
ہیں لیکن وہ یہی سمجھتا ہے کہ یہ جو
اس کی نظر کی کیفیت ہے پیشتر
کسی کی نہیں تھی اور نہ اس کے بعد
کسی کی ہوگی اور یہ اس لئے ہوتا ہے
کہ وہ پاک نہیں ہے تاہم اس میں
ایک پندار پیدا ہو جاتا ہے اور یہ
پندار ایسے خیال کا محرک ہوتا ہے
کہ جب تک یہ خیال اس کے دل
میں رہتا ہے صفائے مطلق کا دیدار
اس کو میسر نہیں ہوتا اور اگر وہ
اس کو صفا سمجھا جائے تو کوئی فائدہ
نہیں اس لئے کہ اس میں صفائی
کی قابلیت نہیں ہوئی کیونکہ
جو خواہشات اس کے دل میں نقش
ہوگئی ہیں اور موجود ہیں جب تک دل
ان سے پاک نہیں ہوگا صفائے مطلق
حاصل نہیں ہوگی اور جب یہ سالک

اگر بعد از مدتے ناگاہ اثر صفا پیدا
شود در حال آں چیز کہ درو نہ او مائل
بدانست و یا در ملکیت بیاید حجاب
کند خواہ دنیا خواہ آخرت خواہ
کرامت خواہ سلامت ہر چہ جز
حق است او را حجاب کند از مردے
کہ ایں حجابہا بہ بینند و بدانند کہ
دور می باید اگرچہ بکوشند نتوانند
بے خواست خداوند عز و جل زیرا
کہ اگر بندہ حجاب خود بخود بتوانستے
برداشتن در حضرت خداوند سبحانہ
تعالیٰ انما نبوہ ہر گز بود ے۔

جو خواہشات سے پڑ ہے تفکر کرتا
ہے سوائے درجات بہشت اور
قرب رویت کے اسے اور کچھ معلوم
نہیں ہوتا کیونکہ صفائے تمام نہیں
رکھتا جس کی وجہ سے یہ خواہشات
مٹ جائیں۔

اگر مدت کے بعد یہ اضافی صفائی
پیدا ہو جائے تو وہ حالت ہو کہ
جس کی طرف نہ تو وہ مائل ہے
اور نہ وہ اس کی ملک ہے آخرکار
محجوب ہو جائے گی یعنی خواہ دنیا خواہ
آخرت خواہ سلامتی خواہ کرامت
جو کچھ بھی سوائے حق کے ہو گی وہ
حجاب پیدا کرنے والی ہو گی بعض
مردانِ خدا ان حجابات کو دیکھتے ہیں
اور دور کرنا چاہتے ہیں باوجود کوشش
بہ مقتضائے مشیت ایزدی
دور نہیں کر سکتے کیونکہ بندہ اپنا
حجاب خود ہی دور نہیں کر سکتا

آما الیقین است کہ خواست نخواست
خداوند عز وجل است۔ بندہ را
در حال کہ خواہد ندارد نہ ہر کہ را
خواستہ باشد جملہ حجاب ہا از
وے دور کند و بدرجہ اول برساند
و ہر کہ را نخواستہ باشد ہم در حجاب
خوش بے طلب گرداند تا دریں
مقام مقام کند و آرزوے دیگر
نبود۔

بیان گروہ سوئم کہ بہشتیانند۔ ایشاں
کسانے اند کہ ہمت ایشاں با
بہشت بیشتر است و ایشاں پیش
ازیں نظر ندادہ اند و ایشاں ہر
سلوکے کہ کنند از برائے بہشت
کنند و از ایشاں بعضے با دنیا
باشند و با صفت باشند از اوصاف
نفس و بعضے را از بعضے فضیلت
باشد و بعضے پیوستہ در صلاح

یقیناً یہ کام مشیت ایزدی کا ہے
خدا بندے کو جس حال میں چاہے رکھے
اور جس کے لئے مرضی ہو تمام
حجابات مرتفع کر دے
اور اول درجہ پر پہونچا دے وہ
جس کو چاہتا ہے اس کو حجاب میں
بے طلب خوش کر دیتا ہے یہاں
تک کہ وہ اسی مقام میں قیام
کرتا ہے اور اس کی کچھ آرزو
نہیں ہوتی۔

تیسرا فرقہ بہشتیوں کا ہے۔ یہ وہ
لوگ ہیں جو بہشت کے خواہشمند
ہیں اور اس سے زیادہ ان کو بینائی
نہیں دی گئی ہے اور وہ لوگ
سلوک بہشت کے لئے اختیار کرتے
ہیں ان میں بعضے دنیا دار ہوتے ہیں
اور اوصاف نفس سے متصف
ہوتے ہیں اور بعض لوگوں کو بعض
پر فضیلت ہوتی ہے اور بعض

باشد۔ و خیرات کنند و از گناہ بپرہیزند
چوں ایں قوم تفکر کنند تفکر ایشاں در
آلاء و نعماء و حور را باشد ایشاں
را صفا نباشد تا حجاب نبینند اگر
دنیا دار اند حجاب ننماید اگر عقبیٰ
دار اند حجاب ننماید و چوں از ایشاں
بپرسی گویند دل ما مجرد است از یں
با ہیچ چیز در دل ما گند نمارد۔
مجرداں پاک آنند در تفکر بہشت
صفائے مطلق میسر نشود و چوں
صفا نباشد حجاب دیدہ شود اگر
چنیں دانند کہ بہشت آمیختگان
ایں را کارِ عظیم دانند زیرا کہ نظر
ایشاں بر خود و بر کارِ خود باشد چوں
چنیں باشد نگاہ کنند صد ہزار

ایسے ہوتے ہیں کہ اصلاح کی فکر میں
ہوتے ہیں نیک کام کرتے ہیں اور
گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں یہ فرقہ
فکر مال کرتا ہے تو اس کا فکر جنت
کی نعمتوں اور حوروں کے لئے ہوتا
ہے ان کو صفائی میسر نہیں ہوتی ان
کو اپنا حجاب حجاب معلوم نہیں ہوتا
دنیا دار ہوتے ہیں تو حجاب نہیں معلوم
ہوتا اور اگر آخرت والے ہیں تو بھی
حجاب نہیں معلوم ہوتا دریافت کیا
جائے تو یہی کہیں گے کہ ان کا دل
مجرد ہے اس لئے ان کے دل میں
کسی چیز کا گند نہیں ہوتا۔
مجرد پاک وہ ہیں جو بہشت کی فکر
میں رہتے ہیں ان کو صفائے مطلق
میسر نہیں ہوتی اور جب صفائی ہوگی
تو حجاب ہوگا بہشتی کارِ عظیم جانتے
ہیں کیونکہ ان کی نظر ان پر اور خود ان
کے کام پر ہوتی ہے اگر دیکھا جائے

کس را بیند در ضلالت افتادہ و
ایشاں بصد درجہ پریشان تر شدہ
ہر آئینہ خود را خالی داند و دل خود
را خالی نیست۔ ایں قوم عام از
حال خاص خود بدانند و در دل
ایشاں چگونہ خالی شدہ است بعض
آنہا را کہ در نظر در حق تعالیٰ و
تقدس باشد ایشاں ہستی و بزرگی
خداوند دیدہ باشد و یقیں دانستہ
کہ پیش قدرت و قوت خداوند کونین
مقدار پر پشہ نیست خود را چہ وزن
بندہ جز فراموش کردن خدمت
خود روئے نہ بیند کہ نزدیکاں او
را بیند و خود فراموش کنند و در آں
ہر دو کس ترا عیب نتواں کرد خداوند
بیشتر یک ملکی است ملک خداوند
و بندگان در تحت و تصرف وے
اند ہر کس را چناں چہ خواہد در مقام
کہ خواہد دارد و چناں دارد کہ وے

تو ہزاروں آدمی اس ضلالت میں مبتلا
ملیں گے اور غایت درجہ زیادہ
پریشان ہیں۔ ہر نوع اپنے کو خالی
سمجھتا ہے اور اپنے دل کو خالی
جانتا ہے اور وہ فرقہ جو خاص
حالت رکھتا ہے ان کے دل میں
حق تعالیٰ ہوتا ہے اور اس کی ہستی و
بزرگی ان کی نظروں میں ہوتی ہے
اور یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ
خداوند کونین کی قوت و قدرت کے
آگے کوئی مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں
ہے سوائے خودی کے فراموش
کرنے کے اور کیا کر سکتے ہیں خداوندا
تو قادر ہے اور بندے سب تیرے
تحت میں ہیں۔ ہر شخص کو جیسا اور
جس جگہ کو تو پسند کرتا ہے رکھتا
ہے کہ وہ اپنے مقام میں خوش رہتا
ہے اور دوسروں کا مقام یاد نہیں
کرتا ہر شخص اپنے مقام پر جہاں

در مقام خود خوش باشد و از مقام
دیگر این یاد نہ کند. کل حزب بما
لدیہم فرحون

رباعی

تا در کوزه پندار تو ہستی باقیست
ایمن منشیں کہ بت پرستی باقیست
گفتی بت پندار شکستم رستم
ایں بت کہ تو پندار شکستی باقیست

سوال: پرسیدند کہ دل ولی کہ
تابع ولایت باشد قوی تر باشد یا
از دل ولی کہ ولایت تابع اوست

جواب: فرمود کہ دل ولی کہ متابع
ولایت است قوی تر باشد از
دل ولی کہ ولایت متابع اوست
زیرا کہ آں ولی کہ متابع ولایت است
اگر دل وے قوی نباشد کار ولایت

کہ وہ رکھا گیا ہے خوش ہے۔

ترجمہ

جب تک تجھے اپنی ہستی کا پندار باقی ہے
بے خوف نہ رہ کہ بت پرستی ابھی باقی ہے
تو کہیگا کہ تونے اپنے پندار کے بت کو توڑ دیا
اور آزادی حاصل کرلی لیکن یہ بت تو
ابھی باقی ہے کہ تونے اپنے خیال کے بت
کو توڑ ڈالا۔

سوال: جس ولی کا دل ولایت کے
تابع ہے وہ زیادہ قوی ہے اس
ولی کے دل سے جس کے تابع ولایت
ہے۔

جواب: فرمایا کہ اس ولی کا دل
جو کہ ولایت کے تابع ہے زیادہ
قوی ہے بہ نسبت اس ولی کے دل
کے جس کے تابع ولایت ہے کیونکہ
وہ ولی جو تابع ہے ولایت کے اگر

نتواند کرد۔ اگر این ولی را کہ ولایت
متابع اوست ہنوز برائے نام
دل دارد ولایت متابع است و
جان او جملہ حق باشد

رباعیات

گرچہ دل من ہزار درماں دانست
درمانش نبود آنچہ او آں دانست
گویند مرا بترک ایں کار بگو
نومید زدے چو نیست نتواں دانست

خونِ دلِ خود بے تو نخوردم آخر
در خونِ جگر چرا نکردم آخر
در عشقِ تو ہر حیلہ کہ کردم آخر
کردم ہمہ را ہیچ نکردم آخر

مکتوب شیخ حمید الدین صوفی سعیدی
القادری بجانب شیخ فرید الدین گنج شکر
اجودھنی در جواب خط ایشاں۔

اسکا دل قوی نہ ہوگا ولایت کا کام نہ
کر سکے گا اور وہ ولی جس کے تابع
ولایت ہے اگر وہ باوصف ولایت
برائے نام دل رکھتا ہے
تو ولایت اس کے تابع نہ ہوگی۔

ترجمہ

اگرچہ میرا دل ہزار طرح کا علاج جانتا ہے
مگر جیسے میں نہ جانا کہ وہ ہزار علاج جانتا ہے اسکا کیا علاج
لوگ کہتے ہیں کہ مجھکو اس کام کے ترک کرنے کا طریقہ بتاؤ
اگر اس سے ناامید نہیں ہے نہیں جان سکتا۔

میں نے اپنے دل کا خون تیرے بغیر نہ کھایا
آخر میں نے جگر کا خون کیوں نہ کیا۔
تیرے عشق میں میں نے ہر ممکن حیلہ کیا
سب کچھ کیا آخر معلوم ہوا کچھ نہیں کیا

شیخ فرید الدین گنج شکر اجودھنی کے
مکتوب کے جواب میں شیخ حمید الدین
صوفی سعیدی القادری کا خط۔

فقیر حقیر کہ خاکپائے درویشان است
و بجان ودل مرید ایشاں در اسحار
کہ نفوس طاہرہ واصلاں را بر بساط
قرب یار باشد وارواح منورہ
ایشاں راند سر اوقات عزت
دیدار دوام رفعت و قیام منقبت
آں برادر عزیز کہ طالب مراتب
اولیا است وبحقیقت از شما
سن است میخواہد وباجابت امیدوار
می باشد ان ربی علی کل شئی قدیر

مکتوب شریف رسید و بر
دیدہ نہادہ شد تبرکاً و
تقرباً الیہ بودہ می شود۔ ولو یعلم
المشتغلون بذکری ما فاتہم
من قربی لیضحکو قلیلا و یبکوا
کثیراً ولو یعلم المشتغلون
بقربی ما فاتہم من انسی بلیکم
اودما ولو یعلم المشتغلون بانسی
ما فاتہم منی لانقطعت ازواجہم

یہ کمترین فقیر اولیا اللہ کی خاک پا ہے
اور دل وجان سے ان کا مرید ہے
وبرادر عزیز کہ اولیا کے مراتب کے
طالب ہیں اور درحقیقت نیکوں کے
شمار میں ہیں۔ آپ کی رفعت کے دوام
اور منقبت کے قیام کی دعا کرتا
ہے اور امید رکھتا ہے کہ اللہ تعالے
قبول فرمائے گا۔ تحقیق میرا رب
کل باتوں پر قادر ہے۔

جناب کا خط مبارک پہنچا آنکھوں
سے لگالیا۔ برکت اور تقرب حاصل
ہونے کے لئے لکھا جاتا ہے۔

در زبور داؤد علیہ السلام آمدہ است چوں ذکر مدام حجاب قرب باشد و قرب مدام حجاب انس می گردد و در زماں انس نعمت وصل در توقف می افتد۔ فی الجملہ و اگر تتواند از عالم گفتگو روئے بعالم جستجو آرد۔ تا بود کہ جمال معنی در نظر آید و از عالم نہاں باخبر باشد۔ غم ذکرہم فی خوضہم یلعبون۔ غم کار خود بخورد فما قدر الدنیا حتی یعلمہا من تزود منہا واللہ الہادی برکات متزاید باد

رباعی

گر او بخودم بقا دہد خوش باشد
ور بے خودیم بقا دہد خوش باشد
من در خود در انتظار وصلش لیکن
گر حضرت او رضا دہد خوش باشد

مکتوب حضرت شیخ بزرگ جمال الدین

داؤد علیہ السلام کی زبور میں بیان کیا گیا ہے کہ جب ہمیشہ ذکر کرنا قرب کا حجاب ہوتا ہے اور قرب ہمیشہ انس کا حجاب ہوتا ہے اور انس کے زمانے میں وصل کی نعمت میں توقف ہوتا ہے۔ فی الجملہ اگر ہو سکے تو گفتگو کے عالم سے جستجو کیطرف متوجہ ہو تاکہ معنی کا جمال نظر آئے اور پوشیدہ عالم سے باخبر ہو اور اپنے کام کا غم کرے برکتیں زیادہ ہوں۔

ترجمہ

اگر وہ خود مجھے بقا دے تو اچھا ہو
اور اگر میری بیخودی کو بقا بخشے تو بھی اچھا ہو
میں خود اسکے وصل کے انتظار میں ہوں
لیکن اگر اسکی بارگاہ سے رضا ہو جائے تو اچھا ہے۔

مکتوب از جانب حضرت شیخ بزرگ

صوفی بجانب پسر خود شیخ عزیز الدین
رضی اللہ عنہ۔ زندگانی فرزند آں
عزیز عزیز الدین سعیدا سعدہ اللہ
فی دارین دراز باد و اکتساب سعادات
وحصول مرادات آمین یا رب
العالمین۔ سلام وتحیت پدر خود
حمید صوفی بخواند کہ عمر در بطالت
وکسل جز حرکات مستوراں نیست
چہ آدمی راکہ حق سبحانہ تعالیٰ بتشریف
خلعت انا خلقنا الانسان مشرف
گردانید و در زمرہ ملائک ذات
مقدس خود را ثنا گفتہ کہ فتبارک
اللہ احسن الخالقین مقصود و
مطلوب دو چیز اند۔ واللہ اعلم
یکے اظہار اسرار انی اعلم مالا
تعلمون۔ دوم تصدیق اقرار
وما خلقت الجن والانس الا
لیعبدون۔

حمید الدین صوفی بجانب صاحبزادہ
حضرت عزیز الدین رضی اللہ عنہ
بڑی عزت والے فرزند عزیز الدین
سعید۔ اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں
بہت سعید کرے اور دونوں جہان
کی مرادیں حاصل ہوں۔ اللہ تعالیٰ
زندگی دراز کرے آمین یا رب
العالمین تمہارا بیٹے والد حمید صوفی کا
سلام وتحیت ہو اور تم کو معلوم
ہو کہ گمراہی اور سستی میں عمر
گزارنا چوپایوں کا کام ہے۔
آدمی کو اللہ تعالیٰ نے انا خلق
الانسان کے خلعت سے سرفراز
کیا ہے اور ملائکہ سے اپنی تعریف
فرمائی کہ فتبارک اللہ احسن الخالقین
مطلوب ومقصود دو چیزیں ہیں واللہ
اعلم ایک تو انی اعلم مالا تعلمون
کے بھید کا اظہار فرمایا دوسرے
وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

این درگاه باز نکشاید که افحسبتم
انما خلقناکم عبثاً و انکم الینا
لا ترجعون دو کسے راندیں بارگاه
بار ندہد که ام للانسان ما تمنی
هر که خواهد که در وصال بکشاید یا مراد
از کنگره کبریا جمال نماید که شب ها
بیدار باشد و روز ها بے قرار چنانچه
بهتر عالم علیه السلام را که بهتر
عالمیان بود فرمود که قم اللیل و جائے
دیگر امر کرد فتهجد به نافلة لک
در عاشق صادق شب ها بقیام
لذا و روز ها مرغ زنده بدام نفس
اماره در آر که یا ایها المزمل قم
اللیل۔ عاشق را چناں باید که از
بسیار رفتن در کوئے معشوق

کے اقرار کی تصدیق۔
اس درگاہ کو کھیل کے لئے نہیں کھولتا
ہے کہ افحسبتم انما خلقناکم عبثا
وانکم الینا لا ترجعون۔ کسی کو اس
درگاہ میں باریابی آرزو کرنے سے
نہیں ہوتی۔ ام للانسان ما تمنی
جو یہ چاہے کہ وصال کا دروازہ کھل
جائے یا از کبریا کے کنگرہ سے
جمال دکھا دے اس کو چاہیئے کہ
رات کو بیدار رہے اور دل کو بے قرار رکھے
عالم کے سردار علیہ السلام کو دنیا
بھر سے بہتر تھے ان کو ارشاد ہوا
قم اللیل اور دوسری جگہ ارشاد
ہوا فتہجد بہ نافلۃ لک اے
عاشق صادق راتوں میں قیام کر
اور دنوں میں مرغ زندہ (روح) کو
نفس امارہ کے جال سے نکال چنانچہ
ارشاد ہوا یا ایہا المزمل قم اللیل
عاشق کو چاہیئے کہ محبوب کے کوچہ

و کم خفتن بر روئے محبوب و حضرت

او زبان درازی نتواند کرد چنانکہ

گفتہ اند۔

رباعی

اے بے خبر از غایت دلداری من

فارغ ز دل ستم کش و زاری من

خوش خوش ہمہ روز خوردن و گفتن تو

دو دہ ز شب دراز بیداری من

این تو لابس باشد اگر مستمع کس باشد

بلکہ کم ازیں چناں کہ گو یکس است

حرفے بس است۔

رباعی

ایشاں کہ ہمیں دہند از دیدہ نشاں

کردند غلط ز دیدہ دیدن نتواں

دریں نہانی ز دیدہ عالمیاں نہ

دیرا کہ نمودند بہ بنند زناں

میں زیادہ نہ پیے اور معشوق کے

سامنے زیادہ نہ سوئے اور اس

کے سامنے زبان درازی نہ کرے۔

چنانچہ کہا ہے کہ

ترجمہ

اے شخص کہ تو میری دلداری کی انتہا

میرے ستم اٹھائے ہوئے دل سے اند

خوب دن بھر کھانا اور باتیں بنا

افسوس کہ میری بیداری کی شب دراز

تو واقف نہیں ہے۔

اگر کوئی سننے والا ہے تو یہی اشار

کافی ہے بلکہ اس سے بھی کم درکار

ہے جیسا کہ کہا ہے جس جگہ کوئی صاحب

ہے اسے ایک حرف کافی ہے۔

ترجمہ

جو لوگ کہ دیدہ (باطن) کا نشان بتاتے

وہ چشم باطن سے غلط نہیں دیکھ

یہ رمز دنیا والوں کی نظر سے پوشیدہ

کیونکہ اگر ظاہر کر دیا تو وہ مانند دیکھے

رسالہ اصول الطریقت

اس رسالہ میں رموزِ طریقت اور اسرارِ حقیقت لفظی اور معنوی پاکیزگی کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ صاحب اخبار الاخیار مولانا عبدالحق محدث دہلوی نے اس کو سلطان التارکین کی مشہور ترین تصنیف شمار کیا ہے۔

صاحب سیر الاولیا نے حضرت شیخ المشائخ نظام الدین اولیاء کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب حضرت سلطان التارکین کے پوتے حضرت شیخ فریدالدین چاک پر ان اپنے صاحبزادے فتح اللہ کا عقد سلطان محمد تغلق کی صاحبزادی سے کرنے کی غرض سے دہلی تشریف لائے اور ان کی ملاقات حضرت شیخ المشائخ نظام الدین اولیا سے ہوئی تو حضرت شیخ المشائخ نے ان سے حضرت سلطان التارکین کی تصانیف طلب فرمائیں۔ آپ نے ناگور شریف پہنچ کر اصول الطریقت کا ایک نسخہ شیخ المشائخ کی خدمت میں ارسال کیا تھا حضرت شیخ المشائخ نے جب بطور فال اس کتاب کو کھولا تو یہ شعر نکلا۔

درویش نہ آنست کہ مشہور جہانست
درویش ہمانست کہ بے نام و نشانست

حضرت شیخ المشائخ نے اس شعر کو اپنے حسب حال سمجھا اور فرمایا کہ تمام مشائخ ابھی تک ہماری تعلیم و تربیت فرما رہے ہیں فی الحقیقت یہ رہروان راہِ طریقت کیلئے مشعل ہدایت کے مصداق ہے۔

رسالہ اصول الطریقت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمود والہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد میگوید حمید صوفی عفی اللہ عنہ کہ مردان راہ کہ روے ایشاں بدرگاہ بستہ سہ طائفہ اند چنانکہ در کلام مجید آمدہ است۔

قولہ تعالیٰ ترجمہ:۔ تمام تعریفیں دونوں عالم کے پیدا کرنے والے کے لئے ہیں اور رسولِ خدا احمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے آل واصحاب پر صلوٰۃ و سلام ہو بعد اس کے حمید صوفی عفی اللہ عنہ کہتا ہے کہ راہ سلوک کے راہرو جن کا مقصد درگاہ رب العزت تک پہنچنا ہے تین گروہ میں منقسم ہیں چنانچہ کلام مجید میں آیا ہے۔

الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات۔

ہمنے اپنے بندوں کو چن لیا ہے جن میں کچھ وہ لوگ ہیں جو نفوس پر زیادتی کرتے ہیں کچھ محتاط ہیں اور کچھ نیکوں میں سبقت لے جاتے ہیں یعنی راہ سلوک کے راہرو جن کا مقصد بارگاہ الٰہی تک رسائی حاصل کرنا ہے تین جماعتوں میں منقسم ہیں۔

معذور اند و مشکور اند و فانیاں
اما معذور آں کسانند آنہا کہ بعد الایمان

(۱) معذور (۲) مشکور اور (۳) فانی
معذور کون ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو کہ

باﷲ و اقرار ہم بالتوحید بحضرت
عزت حاضر نیایند واگر آیند دیر
آیند و آہستہ آیند واز خطاب
سارعو غافل باشند

باوجود اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے
اور توحید پر اقرار کرنے کے درگاہ
رب العزت میں حاضر نہیں ہوتے
اور اگر ہوتے بھی ہیں تو دیر سے اور
آہستہ آہستہ اور سارعوا (جلد کرو)
کے تاکیدی خطاب سے غافل ہیں۔

مشکوراں کہ مقتصدان اند کیانند
آنہا کہ بایمان ہم عناں آیندہ با
قرار ہم کا

مشکور وہ لوگ ہیں جو ایمان سے ہم
عناں اور اقرار توحید سے ہم
رکاب آتے ہیں۔

فاشیاں کیانند آنہا کہ خطاب الست
بربکم یاد دارند و جواب ایں کہ
قالو بلیٰ است فراموش نہ کردہ اند
و دریں جہاں پیش از دعوت ایشاں
بحکم خطاب ازلی و جواب لم یزلی
اجابت کردہ اند و بہ ہدایت کار
بطلب نہایت اسرار بر آمدہ ازیں
ہا بسیار بودہ اند کہ پوشیدہ رفتہ
اند کسے نام ایشاں ندانستہ است
و نشان نیافتہ و نامے چندرا کہ

ثانی وہ لوگ ہیں جو الست بربکم
کے خطاب کو یاد رکھتے ہیں۔ اور
قالو بلیٰ کے اقرار کو نہیں بھولے ہیں
اور جنہوں نے دعوت سے پہلے ہی
خطاب ازلی اور دعوت لم یزلی کے
حکم کو قبول کرلیا ہے اور شروع
ہی میں اسرار الہٰی کی طلب میں نکل
آئے ہیں ان میں سے بہت سے
ایسے پوشیدہ رہے ہیں جن کا نہ
کسی کو نام معلوم ہوا نہ پتہ لگا۔ ان

بشناختہ اند بتعریف خواجہ ما محمد الرسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شناختند وگرنہ
نام ونشان ایشان کس ندانستے و
نشناختے۔ یکے از ایشان امیر المومنین
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بود کہ پیش
از دعوت بطلب رسالت برآمد
و دردِ خود را دوا طلب کرد۔ و یکے
از ایشان امیر المومنین و امام المتقین
مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ بود کہ پیش
از بلوغ مستعد قبول دعوت گشت
و یکے از ایشان اویس قرنی رضی اللہ
عنہ بود کہ اگر پیغامبر صلی اللہ علیہ
وسلم تعریف نکردے نام او از ہیچ
دیوانے برنیامدے و نشان او در
ہیچ دفترے ثبت نکردے۔

ہیں سے چند جو پہچانے گئے ہیں
ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کے ارشاد کے بموجب پہچانے
گئے ہیں ورنہ ان کا نام نہ کسی کو
معلوم ہوتا اور نہ کوئی ان کو پہچانتا
ان میں سے ایک امیر المومنین ابوبکر
صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے کہ
دعوت سے پیشتر طلب رسالت میں
نکلے اور اپنے درد کی دوا طلب کی اور
ان میں سے ایک امیر المومنین و امام
المتقین مرتضیٰ علی رضی اللہ عنہ تھے
کہ بالغ ہونے سے پہلے ہی دعوت
کے قبول کرنے کے لئے مستعد
ہوگئے اور ایک ان میں سے اویس قرنی
رضی اللہ عنہ تھے کہ اگر پیغمبر خدا
صلی اللہ علیہ وسلم ان کو متعارف نہ
کرواتے تو ان کا نام کسی کتاب میں
بھی نہ ملتا اور نہ کسی دفتر میں مذکور
ہوتا۔

نہ ہے مرتبت کہ در حضرت عزت شانہ
کہ در دنیا چیزے ننہاد و از دنیا چیزے
برنداشت۔ آزاد آمد و شاد برفت
و یکے از ایشاں سلمان فارسی رضی اللہ
عنہ بود کہ پیش از دعوت در طلب
ہدایت بکوشید و صدق عہد
میثاق از خود بجوئید۔ ازیں جا گرفتہ
ایم کہ فانیاں کسانند کہ چوں معلوم شاں
شد کہ خداوند تعالیٰ موجود است
کہ فنا بر او روا نیست طالب فنا شد
کہ آں را وجودے نیست و قدم
در راہ عدم نہادند و سر را در اں
راہ باختند و تختۂ نا امیدی اگرچہ
آں خواندنی نیست بخواندند و در
راہِ فنا وحید و فرید چوں الف
بماندند و ہر دوئے وجود شاں بماند نہ
رائے فنا در عین فنا باقی شدند ہر کہ
فنا باقی شود ایں معنی را بقائے
ابدی خوانند ازیں روی است کہ

درگاہ رب العزت میں یہ لوگ اچھے
مرتبہ والے تھے کہ انھوں نے نہ تو
دنیا میں کوئی چیز اپنے پاس رکھی اور
نہ دنیا سے کچھ لے گئے آزاد
آئے اور شاد گئے اور ان میں سے
ایک سلمان فارسی رضی اللہ عنہ تھے
جنھوں نے دعوت سے پہلے طلب
ہدایت میں کوشش کی اور خود ہی
عہد ربوبیت کا اقرار کیا لہذا فانی
وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو معلوم ہو گیا
کہ اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے کہ
جس کو فنا نہیں تو انھوں نے عدم
کی راہ میں قدم رکھا اور سر پر کھیل
گئے کیونکہ اس کا وجود نہیں انھوں
نے نا امیدی کی تختی پڑھی جو پڑھی نہیں جا
اور مثل الف کے فرد و یگانہ ہو گئے ان
کا وجود باقی رہا نہ فنا کا خیال رہا عین
فنا میں انھوں نے بقا حاصل کی
فنا میں باقی ہونے کو بقائے ابدی

ندرویشاں گویند کہ ملک ما را زوال
نیست یعنی ملک ما درویشی است
و درویشی امر نفی است نہ کہ امر ثبات
اثبات را سلب روا است اما سلب
را سلب روا نیست و ایں سرے
ست غامض بفہم و دشوار رسد تو
اعتقاد نگاہ دار کہ صدور الاحرار
قبور الاسرار - ہر خزینہ کہ معمور بود
مخزون او مستور نماند و ہر خزینہ کہ
خراب بود مخزون او بر سراب بود
و نیز فرماید جنین یا بزاید یا ساقط
شود اگر ساقط شود از ملک محروم
ماند اگر بزاید زندہ زاید یا مردہ اگر
مردہ زاید او چوں کسے بود کہ بمرگ
طبعی مردہ باشد اگر بمرگ طبعی مردہ
باشد کامل مردہ باشد یا ناقص
اگر ناقص مردہ باشد مرجع او بدوزخ
باشد حسب قدر نقصانات و اگر کامل مردہ
باشد یا بمرگ اجتہاد ظاہر مردہ باشد

کہتے ہیں اور اسی سبب سے درویش
کہتے ہیں کہ ہمارے ملک کو زوال نہیں
ہے یعنی ہمارا ملک درویش امر نفی
ہے نہ کہ امر اثبات - اثبات کی نفی
ہو سکتی ہے مگر نفی کی نفی روا نہیں یہ
ایک گہرا بھید ہے کہ سمجھ میں مشکل سے
آتا ہے تو اپنے اعتقاد کی حفاظت کر
احرار کا سینہ اسرار قبول کرتا ہے جو کہ
خزانہ سے معمور ہوتا ہے اس کا مخزن
بر سراب ہوتا ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں
کہ پیٹ کا بچہ یا تو پیدا ہوتا ہے یا
ساقط ہو جاتا ہے۔ اگر ساقط ہو جاتا
ہے تو ملک سے محروم رہتا ہے اور
اگر پیدا ہوتا ہے تو یا زندہ پیدا ہوگا
یا مردہ اگر مردہ ہوتا ہے تو اس شخص
کا سا ہوتا ہے جو طبعی موت سے مرا
ہو ـــــ اگر ناقص مردہ
ہے تو اس کے نقص کے باعث اس
کی جگہ دوزخ میں ہوگی اور اگر کامل

یا بمرگ اجتہاد باطن اگر بمرگ اجتہاد
ظاہر مردہ باشد مرجع او اعلیٰ مقامات
جناں باشد و اگر بمرگ اجتہاد باطن
باشد جان او بمقصد خود کہ مبدء اش
ازاں جا بودہ باشد برسد نیز جماعہ
ایستند و نیز گویند کہ بعضے ارباب
تحقیق چنیں گویند کہ حق را سبحانہ
تعالیٰ طلب باید کرد و بعضے گویند
کہ طلب نشاید کرد ہاں تا تو ہیچ
کدام ازیں دو قول را باطل ندانی
و ہر دو را حق شناسی و حال در
نظر تو ضد نمایند بر خلاف یک دیگر
کہ در حکم بر خلاف یک دیگر آں زماں
آید کہ از یک جہت باشد آنکہ
گوید کہ طلب شاید کرد یعنی اگر طلب
نکنی تعطیل بود و آنکہ گوید طلب نباید
کرد یعنی اگر طلب کنی تشبیہ بود

مردہ ہوگا یا ظاہری جہاد کے سبب
مردہ ہوگا یا اجتہاد باطنی کے سبب
ہوگا تو اس حالت میں اگر اجتہاد
ظاہری کی موت سے مرا ہے تو اس کی
جگہ جنت اعلیٰ میں ہوگی اور اگر اجتہاد
باطنی کی موت سے مرا ہے تو اس کی
روح کہیں نہ ٹھیرے گی یہ اپنے
اسی مقصد کو جہاں سے اس کی ابتدا
ہوئی تھی پہنچ جائے گی اور کہتے ہیں
کہ بعض تحقیق کرنے والوں نے کہا ہے
کہ حق سبحانہ تعالیٰ کو طلب کرنا چاہیئے
اور بعض کہتے ہیں کہ طلب ہی نہ کرنا
چاہیئے۔ تجھ کو چاہیئے کہ ان دونوں
اقوال میں سے کسی کو بھی باطل نہ جانے
دونوں کو حق جانے نظر میں تضاد معلوم
نہ ہوں یہ دو باتیں ایک ہی وقت میں
ایک دوسرے کے خلاف ہو جو یہ
کہتا ہے کہ طلب کرنا چاہیئے اس کا مطلب
یہ ہے کہ طلب نہ کرے تو تعطل ہوگا

این هر دو معنی لایق حق نباید پس چه
باید کرد آنکه طلب چون مشبهان نکنی و
ترک طلب چون معطلان نه کنی یعنی
طلب نه کنی و طلب فرو نگذاری که
او در جهتے نیست تا دراں حرکت
دور کنی مکانے نیست تا آں
مکان لازم گیری۔ آیندہ نیست تا
بدعا و زاری بخواہی و دور نیست
تا بنزدیک او شوی۔ گم شدہ نیست
تا تفقدش کنی زمانی نیست تا منتظر
زمان باشی و مکانے نیست تا ملازم
مکان گردی۔ این ہمہ نفی طلب
است و حق است پس اثبات کدام
است آنکہ نفی خود و نفی اوصاف خود

اور جو یہ کہتا ہے کہ طلب نہ کرنا چاہیئے
اس کا مطلب تشبیہ ہوگی۔
یہ دونوں معنی حق کے لائق نہیں ہیں
پھر یہ کرنا چاہیئے کہ مشبہان کی طرح
طلب نہ کرنا چاہیئے اور معطل کی طرح
ترک طلب نہ کرنا چاہیئے یعنی طلب
بھی نہ کرو اور طلب کو ترک بھی نہ کرو
وہ کسی جہت میں نہیں ہے جو تو
اس طرف حرکت کرے اور نہ وہ کسی
مکان میں ہے جو اس مکان تک پہنچے
وہ آنے والوں میں نہیں ہے جو تو
اس کو دعا و زاری کرکے بلائے وہ
دور نہیں جو تو اس کے نزدیک
ہو جائے۔ گمشدہ نہیں جو تو تلاش
کرے نہ زمان نہیں ہے جو اس
کا انتظار کرے۔ وہ مکان نہیں
ہے جس کو تو حاصل کرے تو یہ سب
طلب کی نفی ہے اور حق ہے اثبات
یہ ہے کہ تو اپنی نفی کرے اور اپنے

کنی تا جملہ صفات بشریت گذاشتہ
کنی واز جملہ صفات ملکیت کنارہ کنی
واز کل اشیاء مجرد و منفرد شود تا
چنانکہ اللہ تعالیٰ تقدس لیس کمثلہ
شی است طلب تو لیس کمثلہ شی
شود۔ ایں اثبات طلب است ہر کہ
خواہد تا عکس درست نماید و روئے
آئینہ صاف نکند او محال طلب
باشد و ہر کہ طلب حق کند و روئے
دل از اوصاف بشریت صاف نکند
او محال می جوید و ہر کہ راہ وصال
رود و لوح سینہ از نقوش پاک
نکند او بیہودہ می گوید و ہرزہ
می پوید طلب آں نیست کہ اثبات
او کنی طلب آں ست خود را محو کنی
طلب آں نیست کہ بدو تازی ۔

اوصاف کی نفی کرے یہاں تک کہ
تمام صفات بشریت چھوڑ اور تمام
صفات ملکیت سے کنارہ کر۔ تمام
اشیاء سے مجرد اور منفرد ہو جا اللہ تعالیٰ
تقدس لیس کمثلہ شی ہے تیری
طلب بھی لیس کمثلہ شی ہو یہ اثبات
طلب ہے۔ جو یہ چاہے کہ عکس درست
ہو اور آئینہ صاف نہ کرے تو وہ
طلب محال ہے جس شخص کو کہ طلب
حق ہو اور وہ اپنے دل کو اوصاف
بشریت سے پاک وصاف نہ کرے
تو امر محال طلب کرتا ہے۔ جو وصال
کی راہ پر گامزن ہو اور اپنے سینے
کی تختی کو نقوش سے پاک نہ کرے
تو لا حاصل ہے طلب کے یہ معنی
نہیں ہیں کہ اس کی اثبات کرے طلب
تو یہ ہے کہ تو اپنے وجود کو محو کرے
طلب یہ نہیں کہ اس کی طرف
کوشش کرے۔

طلب آن ست که وجود خود را در بازی
طلب آں نیست که او را بجوئی طلب
آن ست که ترک خود بگوئی تو آئینه
دل را صاف کن چوں آئینه صاف
شد عکس ضروری الوجود است۔

رباعی

ره رو باید که در ره راست رود
وآں گاه در آں راه چو زه راست رود
کج رو که بود بگویمت راست شنو
کج آں باشد که در پے خواست رود

سوال:- پیران طریقت که بینای
حقیقت بودند چنیں فرمودند که پندار
سازید است پندار حجاب است
اگر کسے را پندار راست باشد چرا
حجاب آید۔

جواب:- پندار بر دو گونه است:-
یکے در راه بعمل توبه و عمل و زهد

طلب یه ہے که اپنے وجود کو مٹا دے
طلب یه نہیں ہے که اس کو تلاش کرے
طلب یه ہے که خود کو ترک کرے تو
دل کے آئینے کو صاف کر جب آئینه
صاف ہو گیا اس میں عکس پیدا ہونا
لازمی ہے۔

ترجمہ

راسته چلنے والے کو چاہیئے که سیدھے راستے جائے
اور جب اس راسته میں تیر کی طرح ہو جائے
تجھے کہتا ہوں که کج رو کون ہے سن اور سچ جان
جو خواہش کے پیچھے دوڑتا ہے وہ کج رو
ہوتا ہے۔

سوال:- پیران طریقت جو حقیقت
کے دیکھنے والے ہیں فرماتے ہیں که پندار
نه کرو کیونکه پندار حجاب ہے اگر کسی
کا خیال درست ہو تو پھر حجاب کیوں
پیدا ہو۔

جواب:- پندار دو طرح کا ہوتا ہے
ایک تو راه میں پیدا ہوتا ہے جیسے که

تقویٰ داشتان آں دوم در پیشگاہ
چو معرفت و فقر و صفا اگر پندار در
راہ است حجاب است زیرا کہ پندار
آن ست کہ رونده نظر بر خود یا بر
قدم گاہ خود افتاد۔ از نظرگاہ محجوب
گشت و از سلوک باز ماند اگر پندار
در پیشگاہ است آں خود پندار
دروغ است ایں علمی دقیق و
سری در غمام است ندانند مگر آنکہ
در صفا تمام است زیرا کہ با پندار
چوں نقطہ سیاہ است کہ بر جامہ
آید اگر آں جامہ سیاہ باشد نقطہ
دشوار نماید و اگر سفید باشد آں
در نظر آید۔

رباعی

تا در تو ز پندار تو ہستی باقیست
میدان بیقیں کہ بت پرستی باقیست

توبہ۔ عمل۔ تقویٰ وغیرہ۔ دوسرا حضوری کا
میں ہوتا ہے جیسے کہ معرفت، فقر اور
صفا اگر پندار راہ میں ہے۔
تو حجاب ہے اس لئے کہ پندار یہ ہے
کہ چلنے والے کی نظر خود پر یا اپنے
نقش قدم پر پڑے وہ نظرگاہ سے
محجوب ہو جائے گا اور سلوک سے
باز رہ جائے گا۔ اگر حضوری میں
پندار ہے تو پندار بجائے خود دروغ
ہے یہ ایک باریک علم ہے اور
گہرا بھید ہے جس کو کوئی نہیں جانتا
سوائے اس شخص کے جو صفا میں
کامل ہے۔ پندار مثل نقطہ سیاہ
کے ہے کہ کپڑے پر لگ جائے۔
اگر کپڑا کالا ہے تو یہ نقطہ مشکل سے
دکھائی دے گا اور اگر کپڑا سفید ہے
تو پھر نمایاں ہوگا۔

جبتک تجھ میں تیری خودی کی ہستی باقی ہے یقینا
جان لے کہ بت پرستی باقی ہے

گفتے بت پندار شکستم رستم
ایں بت کہ تو پندار شکستی باقیست

نیز فرمایند اولی مرتبہ از مراتب راہ
علم است علم باید کہ بے علم عمل درست
نیاید دوم مرتبہ از مراتب طریقت عمل
است کہ بے عمل نیست را وجود نباشد
سوم مرتبہ از مراتب درگاہ نیت
است کہ نیت صحیح باید کہ بے نیت
صحیح عمل جز باطل نیاید چہارم مرتبہ
صدق است۔ صدق باید کہ بے
صدق عشق روئے نماید پنجم مرتبہ
عشق است عشق باید کہ بے عشق
توجہ درست نماید ششم مرتبہ توجہ
است توجہ باید کہ بے توجہ سلوک
را نشاید ہفتم مرتبہ سلوک است

تو کہے گا کہ تو نے خودی کے بت کو
توڑ ڈالا یہ تیرا کہنا کہ تو نے بت توڑا
بجائے خود ایک بت ہے

فرماتے ہیں مراتب راہ طریقت کا پہلا
مرتبہ علم ہے علم حاصل کرنا ضروری
ہے کیونکہ علم کے بغیر عمل درست
نہیں ہوتا مراتب طریقت کا دوسرا
طریقہ عمل ہے کیونکہ بغیر عمل کے نیت
کا وجود نہیں ہوتا۔ مراتب درگاہ کا
تیسرا درجہ نیت ہے نیت صحیح ہونی
چاہیئے کیونکہ صحیح نیت کے بغیر
باطل کے علاوہ کوئی عمل نہیں ہوتا
چوتھا مرتبہ صدق ہے صدق کا ہونا
ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر عشق
کا وجود نہیں ہوتا۔ پانچواں مرتبہ
عشق ہے کیونکہ عشق کے بغیر توجہ درست
نہیں ہوتی۔ چھٹا درجہ توجہ ہے
کیونکہ توجہ کے بغیر سلوک حاصل
نہیں ہوتا ساتواں مرتبہ سلوک ہے

سلوک بباید کہ بے سلوک منزل پیشگاہ
نکشاید ہشتم مرتبہ پیشگاہ کشادہ
باید تا مقصود رخ نماید۔

سوال:- اول مرتبہ سلوک چیست
جواب:- آنکہ از کونین بسر آئی۔

سوال:- مقصود چیست
جواب:- آنکہ تو نمانے۔ کل شیء
ھالک الا وجهہ

رباعی

کاریست ورائے علم رو آنرا باش
در بند گہر مباش رو کان را باش
دل ہست مقام گاہ بگزار و بیا
جان منزل آخر است رو جانرا باش

سلوک اس لئے ضروری ہے کہ اس
کے بغیر حضوری حاصل نہیں ہو سکتی
آٹھواں درجہ حضوری ہے۔ حضوری
اس لئے ضروری ہے کہ مقصود کا
دیدار نظر آئے

سوال:- اول مرتبہ سلوک کا کیا ہے
جواب:- یہ ہے کہ کونین سے باہر
آئے۔

سوال:- مقصود کیا ہے۔
جواب:- مقصود یہ ہے کہ تو خود
نہ ہے کل شیء ھالک الا وجهہ
اس حرب کی سب چیزیں فنا ہونے
والی ہیں۔

ترجمہ

علم کے علاوہ ایک اور کام ہے جا اسے اختیار کر
موتی کے فکر میں مت رہ جا کان اختیار کر
دل مقام گاہ ہے اسے چھوڑ اور
روح آخری منزل ہے جا اور اسے
اختیار کر

اے عزیز راہے در پیش تو نہادہ
است ہم باریک وہم دراز وترا
عمرے دادہ اند ہم تاریک وہم کوتاہ
ودریں عمر کوتاہ ترا کردہ اند بر رفتن
ایں راہ وشبِ دنیا اگرچہ تاریک
است کہ الدنیا کلمہا ظلمۃ ودریں
تاریکی بہر تو ماہتابے از مطالع عنایت
طالع کردہ اند کہ خلق الخلق فی
ظلمۃ ثم رش علیہم من نور اللہ
نور السموات والارض و اشرقت
الارض بنور ربہا۔ برخیز وبشتاب
وایں ماہتاب را غنیمت دار وایں
عمر کوتاہ کہ ترا دادہ است گذشتہ
خود را یکے از مردگان بشمار ورنہ
مردہ مردنی میداں وایں بیت
بر دل بخواں۔

بیت

جانیست ہر آئینہ نخواہد رفتن
اندر غم عشق او در واد لی تر

اے عزیز تیرے سامنے ایک باریک
اور دراز راستہ ہے اور تیری عمر تاریک
اور کوتاہ ہے اور کوتاہ عمر میں تجھ کو
اس جادۂ دراز میں چلنے کا حکم دیا گیا
ہے اور دنیا کی رات اندھیری ہے الدنیا
کلمہا ظلمۃ ساری دنیا تاریک
ہے اور اس تاریکی میں مطالع عنایت
سے ایک ماہتاب طلوع کیا ہے خلق
کو تاریکی میں پیدا کیا ہے اور اللہ کے
نور سے اس میں روشنی ڈالی ہے اللہ
زمین اور آسمان کا نور ہے اور زمین
بھی اس نور سے منور ہوئی اٹھ اور
جلدی کر اور اس ماہتاب کو غنیمت
جان اور جو عمر کوتاہ تجھ کو دی ہے سمجھ
لے کہ گذر گئی اپنے کو مردہ سمجھ ورنہ
مرنے کے لائق سمجھ اور دل میں ہمیشہ یہ
بیت پڑھا کر۔
موت برحق ہے اگر اسکے عشق میں موت
آئے تو افضل ہے۔

اما خواجۂ تو بر بستر غفلت در خواب
غفلت خوش خفتہ است و نمی داند
کہ دعوئ محبت کہ کردہ است ہر کہ
دعوی محبت کند۔ چوں شب در آید
بمحبت خود بخسپد نام او در دفتر
کذاباں بنویسند۔ حدیث قدسی
طالبِ دنیا طالبِ غیب است و
طالبِ عقبیٰ طالبِ رویت است
و طالبِ مولیٰ طالبِ وصل است
و طالبِ غیبت صاحب بہجت است
و طالبِ رویت صاحب ہمت است

انبیا آفتاب آسمان وحدت اند کہ
ایشاں از نور الانوار اللہ نور السمٰوٰت
والارض نور میگیرند۔ بواسطہ رفتار
گفتار اولیا ماہتاب آسمان وحدت
اند و نور از آفتاب رسالت می گیرند
بواسطہ گفتار و رفتار و دیدار انبیا علیہم السلام
بواسطہ ماہتاب ولایت می گیرند نسبت گفتار و
رفتار و آثار و انوار دیدار مومناں ستارگان
آسمان وحدت اند کہ ایشاں نور از آفتاب رسالت
بواسطہ۔

تیرا خواجہ غفلت کے بستر پر خواب غفلت
میں سویا ہوا ہے اس کو معلوم نہیں کہ
محبت کا دعویٰ کس لئے کیا ہے۔ جو
شخص محبت کا دعویٰ کرے اور رات
پڑے اپنے محبوب کے ساتھ سو جائے
اس کا نام کاذبوں میں لکھا جاتا ہے
حدیث قدسی۔ طالب دنیا طالب غیب
ہے اور طالب عقبیٰ طالب رویت ہے
اور طالب مولیٰ طالب وصل ہے اور طالبِ
غیبت صاحبِ خوش ہے اور طالبِ
رویت صاحب ہمت ہے اور ایسی
چیز ہے جس کا مرتبہ کونین سے بھی بالا
تر ہے۔ انبیا آسمانِ وحدت کے
آفتاب ہیں کہ نور الانوار اللہ نور
السمٰوٰت والارض سے نور حاصل
کرتے ہیں رفتار و گفتار کے واسطہ
کے ساتھ اولیا آسمان وحدت کے
چاند ہیں اور انبیا علیہ السلام کے
دیدار اور رفتار کے آفتاب رسالت

اولیا ازیں معلوم شود کہ تعدد در وسائط
و اسباب است نہ در انوار کہ نور
یکے است و او جل جلالہ واحد و
فرد است کہ اللہ نور السموات اشرقت
الارض بنور ربھا و ان الی ربک
المنتہیٰ و الیہ یرجع الامر کلہ

سوال:۔ چوں آدمی بمیرد جانِ او از
کالبد جدا شود باصل خویش راجع شود
یا نہ۔

سے نور حاصل کرتے ہیں۔ مومن آسمانِ
وحدت کے ستارے ہیں کہ وہ آفتابِ
رسالت سے ماہتاب ولایت کے
واسطے سے روشنی حاصل کرتے ہیں
گفتار و رفتار و آثار اور انوارِ دیدار
کے باعث اولیا کو یہ معلوم ہوتا ہے
کہ وہ محض وسایل اور اسباب ہیں
نور نہیں۔ نور تو حقیقت میں ایک ہی
ہے اور اللہ جل جلالہ واحد اور فرد
ہے جیسا قرآن شریف میں آیا ہے
اللہ نور السموات و الارض (اللہ
زمین و آسمان کا نور ہے) اور جنہوں
نے زمین کو اپنے نور سے مشرق بنا دیا
جو اپنے رب کی طرف منتہی ہونے
والا ہے اور اپنے تمام امور اسی کی
طرف رجوع کرتے ہیں

سوال:۔ جب آدمی مرجاتا ہے جان
اس کے جسم سے جدا ہو جاتی ہے تو پھر
اپنے اصل کی طرف رجوع ہوتی ہے یا نہیں

جواب :- راجع آں بود کہ نعمت زندگی
کہ آنرا حیات طبعی خوانند مرجع خود
را بشناسد و حجاب ہا را بداند و عوائق
و علائق معلوم کند و عشق آں عالم در
وے پدید آید و شوق ہمراہ آنرا مدد
کند تا حجاب ہا را ہمہ براندازد و عوائق
و علائق قطع کند و روئے از موجودات
بگرداند و روئے بموجد آرد و حق
ہر مقامے چنانکہ شرط آں است بگزارد
و اجزاء ہر مقام کہ بدو متصل است
ہمہ را اں مقام بگذارد و بمرگ حقیقی
پیش از مرگ طبعی بمیرد چوں چناں
بمیرد و چنیں بمیرد باصل خویش باز
گردد و وصل را دمساز۔

سوال :- دنیا چیست
جواب :- کل ما دون اللہ فہو الدنیا

جواب :- یہ ہوتا ہے کہ زندگی میں
جس کو حیات طبعی کہتے ہیں جان اپنے
مرجع کو پہچان لیتی ہے اور حجابوں کو
جان لیتی ہے اور علایق کو معلوم کرلیتی
ہے اور اس عالم کا عشق اس میں
ظاہر ہوتا ہے اور شوق اس کی مدد
کرتا ہے اور موجودات سے منھ پھیر
لیتی ہے اور موجد کی طرف متوجہ ہوتی
ہے اور ہر مقام کا حق جب کہ شرط
ہے ادا کرتی ہے اور ہر مقام کے
اجزا میں جو اس سے متصل ہیں مقام
کرتی ہے اور طبعی موت سے پہلے حقیقی
موت مرجاتی ہے۔ یعنی جب اس
طرح کی زندگی بسر کرتی ہے اور اس
طرح کی موت مرجاتی ہے تو پھر اپنے
اصل کی طرف رجوع کرتی ہے اور
وصل کی دمساز ہوجاتی ہے۔

سوال :- دنیا کیا ہے۔
جواب :- اللہ کے سوا سب دنیا ہے

یعنی ہر چہ آں دون حق است دنیا
است نفس تو دون است وہر چہ
بنفس تو نزدیک ست دنیا است
امروز دنیا بنفس تو نزدیک است
فردا آخرت دنیا فردا اوست ازیں
معنے گفتہ اند۔

بیت

امروز و پریروز و دی و فردا
ہر چہار یکے بود تو فردا فردا

امنا و صدقنا کا خطاب خواہد کرد
واند یاجئتمونا فرادی کما خلقنا
کم اول مرہ۔

چوں آخر کار تا ایں بود از اول چرا
اختیار نکردی بختاری باید تا ایں
اختیار تواں کرد کہ دنیا خانۂ نفس
است و اسباب آلت حرب و او
در خانہ خویش با قوت باشد و از
ارباب و اصحاب خود مدد دارد و

یعنی جو کچھ غیر اللہ ہے دنیا ہے تیرا نفس
بھی دنیا میں داخل ہے اور جو چیز کہ
نفس سے متعلق ہے وہ بھی دنیا ہے
کل قیامت کو آخرت بھی اس کی دنیا
ہوگی اور اسی معنے کر کے کہا ہے۔

ترجمہ

آج کل پرسوں اور ترسوں چاروں
ایک ہیں۔

امنا اور صدقنا کا خطاب کیا جائے
گا کہ جب تم کو اول مرتبہ معبودیت
عطا کیا گیا تھا تو تم نے اس کو کیوں
اختیار نہیں کیا۔

جب آخر کار یہ ہونے والا ہے تو پہلے
ہی سے اس کو کیوں نہ اختیار کیا جائے
وہ شخص خوش قسمت ہے جو ایسا
کرے کیونکہ دنیا نفس کا گھر ہے اور
اسباب دنیا آلات حرب نفس اپنے
گھر میں قوت والا ہوتا ہے اور اپنے

روح دریں عالم از اصحاب واحباب
خود دور افتادہ است واز معدن
وطن اصلِ خود مہجور گشتہ تا مدد یزدانی
نیاید ہیچ کارے از و نیاید

سوال:۔ مدد یزدانی کہ خواہد آمد۔
جواب:۔ تا یکے نہادہ اند و برائے
کہ آمادہ اند و از بہر کہ خواستہ۔
سوال:۔ اللہ جل جلالہ جواد مطلق
است و فیض او دایم الوجود۔

جواب:۔ ایں تفاوتے کہ تو می بینی
در فیض و فایض نیست بلکہ در قبول و
قابل است۔

سوال:۔ فرمود جود و فیض بے
تفاوت است و تفاوتے کہ ہست
در قابل است ایں تفاوت از کجا دانم

یار و اصحاب سے تائید یافتہ ہوتا ہے جب کہ
روح اپنے اصلی وطن سے دور
افتادہ ہوتی ہے جب تک خدا کی مدد
اس کو نہیں ملتی اس سے کوئی کام
بن نہیں پڑتا۔
سوال:۔ خدا کی مدد کس کو ہوگی۔
جواب:۔ جس کے لئے مختص ہو اور
جس کے لئے وہ چاہے۔
سوال:۔ اللہ جل جلالہ جواد مطلق ہے
(سب کے لئے بڑا بخشش کرنے والا)
اور اس کا فیض دائم الوجود ہے (ہمیشہ ہونے
والا ہے)
جواب:۔ یہ تفاوت جو تجھ کو معلوم
ہوتا ہے فیض اور فیض بخشش میں
نہیں ہے بلکہ قبول اور قبول کرنے
والے میں ہے۔
سوال:۔ آپ نے فرمایا کہ جود و فیض
بے تفاوت ہیں اگر تفاوت ہے تو
قبول کرنے والے میں ہے یہ تفاوت

جواب: ہم ازاں جاکہ تفاوت سنگ و خاک
یکے را مادہ صاف افتادہ
است و دیگرے را مکدر آنرا کہ صاف
افتادہ است بے واسطہ قبول می
کند و آں روح انبیا است یعنی
واسطہ خواہد تا قبول کند خواہ واسطہ
اولیا خواہ واسطہ ممزوج حکماء
علماء راسخ خواہ واسطہ مجاہدہ و
ریاضت و آں را کہ مادہ مکدر افتادہ
ہیچ واسطہ قبول نکنند اگر بعضے
بہ تقلید قبول کنند اما بہ تحقیق نرسد

سوال: ایشاں را کہ مادہ مکدر افتادہ
باختیار و ارادت خاطر بود یا نہ۔
جواب: بے اختیار و بے ارادہ
خاطر یک برگ از درخت فرو نیاید
و گیاہ از زمین بر نیاید۔

کہاں سے معلوم ہو سکتا ہے۔
جواب: جہاں سے سنگ اور خاک
کا تفاوت حقیقت میں ایک کا مادہ لطیف واقع
ہوا ہے اور دوسرے کا کثیف جو
لطیف ہے اس میں بے واسطہ
قبولیت کی صلاحیت ہوتی ہے اور
وہ انبیاء علیہ السلام کی روح ہے
خواہ واسطہ اولیا ہو خواہ
حکما کا واسطہ ہو خواہ علماء راسخ
کا خواہ صاحب مجاہدہ و ریاضت کا
ہو جس کا مادہ کثیف ہے وہ کسی واسطہ
کو قبول نہیں کرتا۔ اور اگر تقلید کے طور
پر قبول بھی کرے تو حقیقت تک نہیں
پہونچتا۔
سوال: جن کا مادہ مکدر ہے اختیار و
ارادہ سے ہوتا ہے یا نہیں۔
جواب: بغیر ارادہ دل ایک پتہ درخت
سے بھی نہیں جھڑتا اور نہ ایک تنکا
گھاس کا زمین سے نکلتا ہے۔

سوال :- پس چہ حکمت بود در آفرینش
بعضے مادہ صاف و در آفرینش
بعضے از مادہ مکدر ممزوج۔

جواب :- اللہ جل جلالہٗ فاعل مختار
است و فعل او بے علت ست۔
کسے ترسد کہ بگوید چرا و چوں لا
یسئل عما یفعل و ہم یسئلون
یکے را در ازل شایان قرب و کرامت
دانست و آں چنانکہ دانست در
وجود آورد و لا میل یکے را در ازل
شایان بعد و غرامت دانست و
آں چنانکہ دانست پدید آورد ولا
جور تو دست ازیں جا بردار و بلے
ہمت بر تارک فلک دار۔

رباعی

دنیا نہ خوش است رو بہ عقبیٰ خوش باش
آخر کہ ترا گفت بدنیا خوش باش
در ہمت عالیت بہ آید زودی
بگزار تو ہر دو را بمولیٰ خوش باش

سوال :- پس کیا حکمت تھی کہ بعض کا
مادہ صاف پیدا کیا اور بعض کا مکدر
اور ممزوج

جواب :- اللہ جل جلالہٗ فاعل مختار
ہے اور اس کا فعل بے علت کے
ہے کسی کو اس میں چون و چرا کی مجال
نہیں۔ لا یسئل عما یفعل و ہم
یسئلون۔ ایک کو ازل میں قرب و
کرامات کے شایان سمجھا اور جس کو
شایان سمجھا اس کو ویسا ہی پیدا کیا
دوسرے کو بعد و غرامت کے لائق
جانا اور ویسا ہی پیدا کیا۔ تو اپنی ہمت
بلند رکھ۔

ترجمہ

اگر دنیا میں خوش نہیں ہے تو عقبیٰ میں خوش رہ
آخر تجھ سے کس نے کہا کہ دنیا میں خوش رہ
تیری ہمت عالی منزل مقصود کو جلد پہنچ جائے گی
تو دنیا اور عقبیٰ دونوں کو چھوڑ اور اپنے رب سے خوش ہو جا

ظالم را شادی بحصول مراد دنیا است
و مقتصد را
شادی بحصول مراد عقبیٰ است و
شادی بحصول مراد مولا است شادی
همه آزادی است۔

سوال:۔ مشائخ طریقت چنیں گفته
اند۔ بندگی حقیقی است آزادی روا
نباشد۔

جواب:۔ تا بنده باشد چنیں باشد
و چوں از صفات بشریت بیروں شد
لیس علی الخراج خراج۔

سوال:۔ مثال او در عالم شهادت
مجنوں است که خراج بر وے نیست
جواب:۔ مجنوں بر صفات است و
بے صفات فرق میان هر دو
ازاں نیست یکے را مجنوں گویند
را مغلوب و ایں را صاحب
را نند دیگراں هر دو را مجنوں

ظالم کو مراد دنیا حاصل ہونے سے
خوشی ہوتی ہے اور مقتصد کو۔
مراد عقبیٰ حاصل ہونے سے خوشی
ہوتی ہے اور سابق کو مولیٰ تک رسائی
سے خوشی حاصل ہوتی ہے۔

سوال:۔ مشائخ طریقت نے کہا ہے
کہ بندگی حقیقی ہے اور آزادی روا
نہیں۔

جواب:۔ جب تک بندہ ہے ایسا ہی
ہوتا ہے اور جب صفات بشریت سے
باہر ہو گیا تو لیس علی الخراج خراج
(خراج پر خراج کب لگایا جاسکتا ہے)

سوال:۔ کیا اس کی مثال دنیا میں مجنوں
کی سی ہے کہ جس پر خراج نہیں ہے۔

جواب:۔ مجنوں صفات پر ہے اور
وہ بے صفات ہے ان ہر دو میں اس
سے زیادہ فرق نہیں ہے کہ ایک کو
مجنوں کہتے ہیں اور دوسرے کو مغلوب
اس کو صاحب نظر ہی جانتے ہیں اور

خوانند۔

سوال: دین و دنیا ست و دنیا
فرمودی و نمودی کہ چیست بفرمائے
کہ دین چیست۔

جواب: دین ظالماں گریختن و آویختن
ست۔ گریختن از معاصی و آویختن بہ
طاعات و دین مقتصدان بریدن
و آرمیدن ست بریدن از دنیا
و آرمیدن بعقبیٰ و دین سابقان
تبرا و تولیٰ است تبرا از ما دون اللہ
و تولی باللہ تعالیٰ و قل اللہ ثم ذرھم
فی خوضہم یلعبون۔

سوال: بحکم این تقریر دین بر
تفاوت آمد۔

جواب: دین یکے است و بے تفاوت
است و ایں تفاوت کہ در نظر تو می
آید تفاوت مرد ہست نہ تفاوت
دین کہ دین بہر حال یک است و

عوام دونوں کو مجنوں کہتے ہیں۔

سوال: دو چیزیں ہیں ایک دین اور
دوسری دنیا۔ یہ تو آپ نے فرما دیا
ہے کہ دنیا کیا ہے یہ بھی فرما دیجیے
کہ دین کیا ہے۔

جواب: ظالموں کا دین گریز اور آویزش
ہے گریز معاصی سے اور آویزش طاعت
ہے اور مقتصد لوگوں کا دین قطع کرنا
اور آرام سے رہنا یعنی دنیا سے قطع
کرنا اور عقبیٰ میں آرام پانا ہے۔ اور
سابقوں کا دین غیر اللہ سے دور رہنا
اور اللہ سے دوستی رکھنا ہے۔

سوال: اس تقریر سے دین میں تفاوت
پایا جاتا ہے۔

جواب: دین ایک ہے اور بغیر تفاوت
یہ تفاوت جو تجھے معلوم ہوتا ہے یہ
لحاظ آدمی کے ہے نہ کہ دین میں
کیونکہ دین تو بہر حال ایک ہے اور

بظاہر ہر سہ را از وے بجہتے می نماید
اما آنکہ بنظر بینندہ اند فاینما تولوا
فثم وجہ اللّٰہ۔

سوال :۔ شریعت و طریقت را
چگونہ یکے دانیم

جواب :۔ چنانکہ تو جان و تن خود
را یکے می دانی۔ طریقت جانِ شریعت
است۔

سوال :۔ چوں اوست و جز او نیست
امر و نہی بر کیست۔

جواب :۔ الا للہ الخلق و الامر
امر بہ امر خود است و نہی بر نہی خود
بلکہ گفتم ہمہ بدوست بلکے ہمہ
اوست چنانچہ امام قدوۃ الانام
العلماء حجۃ الاسلام امام محمد غزالی
قدس سرہ در دیباچہ کیمیائے سعادت
کتاب خود فرمودہ اند کہ ہمہ از وست

ظاہر میں ہر ایک کا رخ مخالف معلوم
ہوتا ہے مگر جو باطن کی نظر سے دیکھتا
ہے وہ جانتا ہے کہ جدھر دیکھو اس
طرف خدا کا منھ ہے۔

سوال :۔ شریعت و طریقت کو ہم
ایک کیسے جانیں۔

جواب :۔ جس طرح تو جان و جسم کو
ایک جانتا ہے۔ شریعت کی جان
طریقت ہے۔

سوال :۔ جب وہی وہ ہے اور اس
کے سوا اور کچھ نہیں تو پھر یہ امر و نہی
کس پر ہے۔

جواب :۔ خبردار اسی کی خلق ہے
اور اسی کا حکم۔ حکم اپنے حکم پر اور
نہی اپنی نہی پر بلکہ میں کہتا ہوں کہ
ہمہ اوست۔ چنانچہ امام قدوۃ الانام
العلماء حجۃ الاسلام امام محمد غزالی
قدس سرہ نے اپنی کتاب کیمیائے
سعادت کے دیباچہ میں فرمایا ہے

بلکہ بدوست بلکہ خود ہمہ اوست

سوال :- دانستیم کہ دیں چیست و بشناختیم کہ دنیا کدام است خبر کن مارا کہ بہشت و دوزخ چیست۔

جواب :- بہشت و دوزخ اعمال است فمن یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ۔ از اعمال امروز فردا صورتہا بنماید اگر خیر کردہ فردا صورتہا ملایم و موافق آں کردار در پیش تو دارند و اگر شر کردہ صورتہا موافق آں کردار پیش تو دارند۔

سوال :- سالک کہ بود

جواب :- آنکہ بر ذات خود مالک بود

سوال :- واصل کہ بود

جواب :- آنکہ صفاتِ خود مالک بود

کہ ہمہ از دوست بلکہ بدوست بلکہ خود ہمہ اوست۔

سوال :- ہم یہ تو سمجھ گئے کہ دین کیا ہے اور دنیا کیا ہے اب ہمیں جنت و دوزخ کی حقیقت سے بھی آشنا کر دیجیے۔

جواب :- بہشت اور دوزخ اعمال ہیں اگر تو نے اعمالِ قبیحہ کیے ہیں تو روزِ حشر وہ اعمال اس صورت میں پیش کیے جائیں گے اور اگر اعمالِ حسنہ کیے ہیں تو اس صورت میں پیش کیے جائیں گے اور ان کی جزا و سزا تیرے کردار کے مطابق ہوگی۔

سوال :- سالک کون ہوتا ہے۔

جواب :- سالک وہ ہوتا ہے جو اپنی ذات کا مالک ہو۔

سوال :- واصل کون ہوتا ہے۔

جواب :- واصل وہ ہوتا ہے جو اپنے صفات کا مالک ہو۔

سوال: نفس کیست و جان کدام است

جواب: نفس آن است کہ نفس نفیس
در طلب این خسیس کہ دنیا ہمیں
خوانند غم ضائع کند اگر دنیا بدل
کند مراد و مقصود او خواست آن
باشد خواہ در آخرت و خواہ در دنیا
و جان آنست کہ نفائس النفائس
در طلب جاناں کہ او بخشندہ بقائے
جاودانی است خرج کند نہ بے خرج
و نہ بے دخل۔ اگر دخل خواہی کرد
چنیں کن کہ نفس جاں طلبمد تا
نعمت یابد و جاں جاناں جوید تا
منعم یابد۔

سوال: و ما از طلب نفس جان تواں
یافت۔

جواب: چنانچہ از راہ جان جوید تواں
یافت یعنی دل متابع جان گردد
و نفس از میاں برخیزد و آں نتواں گفت
شود ہر کہ شود داند ہیچ نشود حق اسرار

سوال: نفس کیا ہے اور جان کیا ہے۔

جواب: نفس یہ ہے جو نفس نفیس
کو اس کمین کی طلب میں جسے دنیا کہتے
ہیں ضائع کرے۔ اگر دنیا بدل جائے
تو بھی اس کا مقصد وہی دنیا ہوگا
خواہ آخرت ہو یا دنیا ہو اور جان یہ
ہے کہ نفائس النفائس محبوب حقیقی
کی طلب میں جو بقائے جاودانی بخشنے
والا ہے صرف کریں کیا اچھا صرف
ہے اور کیا اچھی آمدنی ہے اگر آمدنی
چاہے تو ایسا کر نفس کی طلب تو
اس لئے ہوئی کہ نعمت ملے اور
جان کی طلب منعم کے لئے ہوئی

سوال: نفس کی طلب سے جان
کو پاسکتے ہیں۔

جواب: اگر براہ جان تلاش کیجائے
تو پاسکے گا یعنی دل جان کے تابع ہوجائے
اور نفس درمیان سے اٹھ جائے اور
پھر کچھ ہوتا ہے وہ بیان نہیں ہوسکتا

لایمکن کشفه بلسان المقال
مقال را دریں میدان مجال جولاں
نتواں بود کہ ہر چہ گوئی آں بیان است
وہر چہ جوئی نہ آنست۔
سوال:۔ پس گفتگو نہ برائے
جستجو از برائے چراست۔
جواب:۔ گفتگوئی از برائے جستجوئی
است وجستجوئی از برائے رفت وروئی
ست رفت وروئی از برائے شست
شوئی است۔
سوال:۔ شست شوئی از برائے چراست
جواب:۔ دل شاہ میدان وحدت
است وشست شوئی از برائے آن
ست کہ چوں شاہ وحدت درمیان
دل در آید رُفتہ شُشتہ یابد۔ ان
اللہ یحب التوابین یحب المتطہرین

اور یہ ایسے بھید ہیں جن کا اظہار
بچوں کی زبان سے ممکن نہیں کیونکہ
جو کچھ کہ تو کہتا ہے نہ بیان ہے اور
جو کچھ تو ڈھونڈتا ہے وہ نہیں ہے۔
سوال:۔ اگر گفتگو جستجو کے لئے نہیں
ہے تو پھر کس چیز کے لئے ہے۔
جواب:۔ گفتگو جستجو کے لئے اور
جستجو تنقیہ جاروب کشی کے لئے
اور تنقیہ تصفیہ قلب (نہانے دھونے
کے لئے ہے۔
سوال:۔ نہانا دھونا کس لئے ہے
جواب:۔ دل شاہ وحدت کی قیام
گاہ ہے جھاڑ بہار و دھونا اور
صاف کرنا اس لئے ہوتا ہے کہ جب
شاہ وحدت دل کے میدان میں آئے
تو اس کو صاف ستھرا پائے۔ ان اللہ
یحب التوابین یحب المتطہرین
(تحقیق اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور
صفائی رکھنے والوں کو پسند فرماتا ہے)

سوال :- چوں مقصود طہارت دل ست
در طہارت کل چہ حکم یا ایہا الذین
آمنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا
وجوھکم ۔ الایۃ۔

جواب :- ترا طہارت ظاہر فرمود
زیراکہ تو مرد روشن بے ضمیری بصفائی
باطن نمی دانی کہ حق سبحانہ وتعالیٰ در
صورت نظری نیست بطہارت امر
کرد وطہارت باطن کہ خاص بآں
مخصوص ست بنظر خاص ولیکن
بنظر الی قلوبکم ونیاتکم ۔ انی با
الطہارت والنظافت وطہارت
باطن نیز مامور بہ است فاتقوا اللہ
حق تقاتہ۔

سوال :- طہارت ظاہر اولیٰ ترست
یا طہارت باطن۔

جواب :- ہر دو مطلوب الوجود است

سوال :- جب طہارت دل مقصود
ہے تو طہارت کل کا حکم کیا ہے
یا ایہا الذین آمنوا اذا قمتم الی
الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم الایۃ
اے ایمان والو جب تم نماز کے لئے کھڑے
ہو اپنے چہروں کو دھو ڈالو۔

جواب :- تجھ کو ظاہری طہارت کا
حکم دیا کہ تو تیرا ضمیر روشن نہیں ہے
صفائی باطن کو تو نہیں جانتا حق
تعالیٰ نظر آنے والی آنکھ سے نہیں
دیکھا جا سکتا۔ وہ نیتوں اور قلبوں
کو دیکھتا ہے۔

سوال :- طہارت ظاہری بہتر ہے
یا طہارت باطنی۔

جواب :- دونوں مطلوب ہیں کیونکہ

زیرا کہ ہر دو تار پود است شنواں
گفت تار اولی تر یا پود ہر کہ طہارت
ظاہر نرمود۔ بے طہارت باطن او
بہ نزدیک محققاں طریقت حشوی
است و ہر کہ بطہارت باطن امر کرد
و بے طہارت ظاہر او باطل است
و ہر دو طہارت معمول می باید و ہر دو
عالم معموری شاید۔

سوال :۔ راہ چیست و منزل کدام
است۔

جواب :۔ سوالی کردی کہ اسرار است
و جملہ روندگان راہ را بکار است
جواب این بجز بمدد دامن یجیب
المضطر اذا دعا نتواں گفت بہ
زبان حال باید کہ گوید و گوش حال
باید کہ شنود شاگر این نیست کم
ازاں نباید کہ گویند از دل بگوید
و شنوند از دل شنوند و من و تو آں
نداریم پس بہ ازاں نبود کہ گفتہ و

کیونکہ دونوں تانے بانے کی طرح ہیں
یہ نہیں ہو سکتا کہ تانا ہو اور بانا نہ
ہو جس نے محققان طریقت کے نزدیک
طہارت ظاہری طہارت باطنی کے
بغیر فضول ہے نیز جس نے بے طہارت
ظاہر طہارت باطنی کی وہ بھی باطل
ہے دونوں پاکیزگیاں لازم و ملزوم
ہیں۔

سوال :۔ راہ کیا ہے اور منزل کون
سی ہے۔

جواب :۔ یہ سوال ایک راز ہے جو
تمام سالکوں کو پیش آتا ہے اس کا
جواب اس کے سوا کچھ نہیں اللہ
نہیں کہا جا سکتا یہ ایک ایسا
ہے جس کو جاننے سے تمام عقلائے
عالم عاجز ہیں قوت سے اس
کو نہیں پایا جا سکتا اس کو زبان
حال کہا جا سکتا اور حال کے کانوں
سے سنا جا سکتا ہے یا پھر کہنے وا

شنیده انگاریم

سوال:- اگر گوید چاره نیست از
آنچه غمه ازاں بگوئیم و شنویم تا
دلہا مضطرب نمانند جانہا تختہ
نامیدی نخواہند۔

جواب:- گوئیم بعون اللہ و احسنہ کہ از
کدام راہ و منزل سوال میکنی از
راہ و منزل ارباب شریعت یا
از راہ و منزل اصحاب طریقت

سوال:- از ہر دو

جواب:- راہ و منزل ارباب شریعت
از نفس و دل بر آمدن است و رد
بنعیم مقیم در آمدن کہ ان اللہ
اشتری من المومنین انفسہم

دل سے کہے اور سننے والا دل سے
سنے کیونکہ ہم دونوں صاحب دل
نہیں اس لئے بہتر ہے کہ کہی سنی
مان لیں۔

سوال:- کچھ تو کہنا چاہیئے بغیر کچھ
کہے سنے چارہ نہیں تاکہ دل یک
گو نہ مطمئن ہو اور حراساں نہ ہو۔

جواب:- اچھا بتائید ایزدی کہتا ہوں
پوچھیے کونسی راہ منزل کی بابت پوچھتے
ہو یعنی اہلِ شریعت کی راہ و منزل
کی بابت یا اہل طریقت کی راہ و
منزل کی بابت۔

سوال دونوں کے متعلق

جواب:- شریعت والوں کی راہ و
منزل یہ ہے کہ نفس اور دل سے
فارغ ہو جائیں اور نعیم و مقیم کی
طرف متوجہ ہوں جیسا کہ ارشاد ان
اللہ اشتری من المومنین انفسہم

واموالھمہ الآیۃ دیگر راہ در منزل اصحاب طریقت از جان و دل برآمدن است و تبتل الیہ تبتیلا و بندہ اعلیٰ وحدت برآمدن کہ وان الی ربک المنتہٰی۔ اے درویش ترا می گویم زیرا کہ تو مسافری و دیگراں مقیم اند۔ مسافر شریعت را نیت اقامت درست نیاید زیرا کہ مسافر شریعت را روی بمال و ملک بیش نتوا ند بود و مسافر طریقت را روی بمالک الملک است۔

سوال:۔ مالک الملک کجا است تا روئے دل بوے آرم۔

جواب:۔ کجا است کہ نیست اینما تولوا فثم وجہ اللّٰہ مرد باید کہ از نصیب دنیا و آخرت برآید و حظوظ نفسانی را بگذارد و ہر جا کہ باشد

واموالھمہ مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال خرید طریقت والوں کی راہ و منزل جان و دل سے فارغ ہو جانا ہے۔ ارشاد ہے۔ وتبتل الیہ تبتیلا اے درویش تجھ سے کہتا ہوں کہ تو مسافر ہے اور دوسرے مقیم ہیں شریعت کے مسافر کو اقامت کی نیت درست نہیں کیونکہ شریعت کے مسافر کو زیادہ متوجہ نہیں ہونا چاہیے مال و ملک کی طرف طریقت کا مسافر مالک الملک کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

سوال:۔ مالک الملک کہاں ہیں تاکہ اس کی طرف دل مرکوز کیا جائے

جواب:۔ وہ کونسی جگہ ہے جہاں وہ نہیں ہے جس طرف امید لگاؤ اسی طرف اللہ ہے مرد کو چاہیے کہ دنیا و آخرت کے حصول سے نکل

باو باشد و هر جا که رود بدو رود وے
آرد و هرچه گوید بدو گوید و هرچه جوید
بدو جوید بلکه او را جوید ہاں تا نه پنداری
که او جل جلاله از تو دور است بلکه
تو از و دوری چوں توئی تو در کو شود
فتح الباب آں در که کسے نکشاده
است بر تو بکشایند و ترا بے تو
مقصود بنمایند۔

جائے اور حقیقتاً نفس چھوڑ دے پھر
وہ جہاں بھی ہوگا خدا اس کیساتھ
ہوگا اور جہاں کہیں جائے گا اس کی
طرف متوجہ ہوگا اور کچھ بھی کہے گا
اس سے کہے گا اور جو کچھ تلاش
کرے گا اس سے تلاش کرے گا۔
بلکہ خود اس کو تلاش کرے گا ہاں
یہ خیال نہ کرے کہ وہ جل جلالہ اس
سے دور ہے بلکہ تو اس سے دور
ہے

جب تو نے توئی
محو کردی اس وقت اس در کے فتوح
کا دروازہ جو کسی نے خود نہیں کھولا
تجھ پر کھول دیا جائے گا اور تجھ کو
خود بخود تیرا مقصود بتلا دیا جائے گا۔

سوال:۔ کسے دیدار دیدہ است
تا دیگرا بنماید۔

جواب:۔ دیدہ است آنکہ با دیدہ
است نے دیدہ است آنکہ بے

سوال:۔ کیا کسی نے اسکو دیکھا ہے جو
کسی کو دکھائے۔

جواب:۔ ہاں دیکھا ہے اس شخص نے
جو آنکھوں والا ہے۔ نہیں دیکھا ہے

دیدہ است ۔

رباعی

تا دیدہ بود دیدہ کجا آید دوست
خواہی کہ شوی دیدہ ہمہ دل بر پوست
از دیدہ و دیدنی چوں تو بگزشتی
دانی کہ کسے نیست و بینی کہ ہمہ اوست

سوال :- ایں معنے بسے مشکل ست بفہم نمی ترسد

جواب :- تا وہم برجا است ایں معنے فہم نشود زیرا کہ وحدت مطلق است وحدت از صورت منزہ است واز نقش مقدس و وہم نقاش است و صورت انگیز و وحدت و کثرت ضد اند والضدان لا یجتمعان ازیں معنے بود کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرمود کہ من عبد ما یدخل فی الوہم کافر ومن یعبد مالم یدخل فی

اس شخص نے جو بے آنکھوں والا ہے

ترجمہ

جبتک تیری ظاہری آنکھ ہے دوست کہاں دکھلائی دیتا ہے اور اگر دیکھنا چاہے تو اپنے جسم سے باہر آ۔ آنکھ اور دیکھنے کو چھوڑ کر جب تو آگے بڑھ جائیگا تو تجھکو معلوم ہو جائیگا کہ کوئی نہیں ہے اور تجھکو دکھائی دیگا کہ سب کچھ وہی ہے۔

سوال :- یہ تو مشکل بات ہے سمجھ میں نہیں آئی۔

جواب :- جب تک وہم قایم ہے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ وہاں تو وحدت مطلق ہے اور وحدت صورت سے منزہ ہے اور نقش سے پاک اور وہم نقاش ہے اور صورت انگیز ہے وحدت اور کثرت ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ضدیں ایک جگہ جمع نہیں ہوتیں اسی باعث حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ وہم میں مت پڑ یہ کافر ہے

الوجہ این مرتبہ الیست کہ کسے را
بر آمدن بعین مجال نیست الا من
شاء اللہ راہ چنیں باریک وتو
خفتہ آنگاہ بگوئی کہ من مذہب ابو حنیفہ
دارم پس روئے افعال ست نہ
پیش روئے اقوال باش تا فردا پردہ
از روئے کار برگیرند معلوم شود
کہ خواجہ مذہب کہ داشتہ اند۔
یوم تبلی السرایر فما لہ من قوۃ
ولا ناصر۔

سوال: خدا وجل جلالہ پردہ پوش
است و فردا پردہ این مشت خاک
نخواہد درید۔

جواب: پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم
فرمودہ است «من القا جلباب
الحیاء فلا غیبت لہ» درین حدیث
مستوفی ہست اگر دریافتے فہو
المراد وگرنہ بدانکہ فردا کار بر خلاف

جب عبادت کرو وہم میں مت پڑو
یہ ایسا مرتبہ ہے کہ اس سے عہدہ
برا ہونا ناممکن ہے جب تک خدا نہ
چاہے

راہ بہت تاریک ہے اور تو خفتہ
ہے پھر بھی یہ کہتا ہے کہ ابوحنیفہ
کا مذہب رکھتا ہے افعال کے پیچھے
چل اور اقوال کے آگے نہ بھاگ
کل قیامت کو جب پردہ اٹھ جائے
گا اس وقت حقیقت معلوم ہوگی
کہ جناب کا کیا مذہب تھا۔

سوال:۔ وہ خدائے جل جلالہ پردہ
پوش ہے قیامت کے دن اس مشت
خاک کا پردہ فاش نہیں کرے گا

جواب:۔ پیغامبر علیہ السلام نے
فرمایا ہے «من القا جلباب الحیاء
فلا غیبت لہ» اس حدیث شریف
میں مستوفی ہے اگر سمجھ میں آجائے
تو ٹھیک ہے ورنہ سمجھ لے کہ قیامت

روزگار خواہد بود ظاہر باطن خواہد
گشت و باطن ظاہر کہ بالا بفرود
بدل خواہد شد و فرود ببالا عوض خواہد
پذیرفت پیغمبر علیہ السلام فرمود
یحشر الظالم یوم القیمۃ علی صورۃ
الذر باطن بنصیحت توبہ بیاراسے
تا الفضوع قیامت مبتلا نشوی کہ
فضوح الدنیا اھون من فضوح
الاخرۃ۔

سوال:۔ پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم
فرمود کہ الموت کفارۃ۔ چوں گناہ
بموت مکفر شود فضیحت چہ معنے دارد

جواب:۔ گناہے ہست کہ بمرگ مکفر
شود و گناہے است کہ بطول مدت در
گور مکفر شود و گناہے است کہ
بعذاب قبر مکفر شود و گناہے است
کہ تا در دوزخ نہ بیند د آتش دوزخ

کے دن اس دنیا کے قاعدہ کے خلاف ہوگا ظاہر
باطن ہو جائے گا اور باطن ظاہر اوپر
کا اندر سے اور اندر کا اوپر سے
بدل جائے گا۔ پیغامبر علیہ السلام
نے فرمایا کہ ظالم کا حشر قیامت کی
صورت پر ہوگا باطن کو توبہ کی
نصیحت سے آراستہ رکھنا چاہیئے
تاکہ قیامت کے دن رسوائی کا سامنا
نہ ہو (دنیا کی فضیحت آخرت کی فضیحت
سے اچھی ہے)

سوال:۔ پیغامبر علیہ السلام نے
فرمایا ہے کہ موت کفارہ ہے جب
موت گناہوں کا کفارہ ہے تو پھر
فضیحت کیا معنی۔

جواب:۔ ایک گناہ ایسا ہوتا ہے
جس کا کفارہ موت کے بعد قبر میں
ہو جاتا ہے اور ایک گناہ ایسا ہوتا
ہے جس کا کفارہ عذاب قبر سے ہوتا
ہے اور ایک گناہ ایسا ہوتا ہے

آں گناہ را نسوزد، ہیچ سود ندارد
مرد باید کہ ازیں جا چنداں نور برد کہ آں
نور نار دوزخ را فرو خورد و در خبر آمدہ است یا مومن
فان نورک اطفأ لہیبی

کہ جب تک دوزخ میں نہ جائے اور
آتش دوزخ ان گناہوں کو نہ جلائے
ممکن نہیں ہوتا آدمی کو چاہیئے
کہ یہاں سے اتنا نور اپنے ساتھ
لے جائے کہ وہ نور آتش دوزخ
کو سرد کر دے حدیث شریف میں
ہے کہ یا مومن فان نورک اطفأ
(اے مومن تیرا نور آتش دوزخ
کو بجھا دے گا)

سوال:- دنیا دوزخ نقد ما شدہ
است و آتش گرسنگی و بے نوائی
در ما افتادہ

فرد

من سوختہ ام باتش بریانی!
مر سوختہ را دوبارہ بریاں نکنند

سوال:- دنیا اور دوزخ ہمارے
لئے ہے اور بے سروسامانی اور
بھوک کی آگ بھی ہم کو لگی ہوئی
ہے۔

بھون ڈالنے والی آگ سے میں جلایا
گیا ہوں جلے ہوئے کو پھر دوبارہ جلایا
نہیں جاتا۔

جواب:- سوختہ آتش جانی باید
نہ سوختہ آتش بریانی ایں سوختہ آتش
آتش دوزخ تیز تر گرداں آں سوختہ آتش عشق

جواب:- آتش جاں کا جلایا ہوا
ہونا چاہیئے نہ کہ آتش بریاں کی آگ
سے جلے ہوئے ہیں آگ جلتی

است کہ آتش دوزخ بدیدار او
بمیرد

سوال :- آتش دوزخ با درویشاں
چہ کار دارد اعدا از برائے متکبراں
و فرعون صفتاں در وجود آوردہ اند
النار مقوی المتکبرین -

جواب :- آتش دوزخ با درویشاں
ہیچ آمیزش و آویزش ندارد چہ طاقت
آتش فقر بہشت ہم ندارد آتش
دوزخ کے دارد اما فقر کو فقرا
کجا فقر سیاہی است کہ الفقر سواد
الوجہ فی الدارین سیاہ روئے باید
تا فقر در سرائے سینہ او فرود آید
کافر نعمتے یعنی پوشیدہ صفتے تا
جمال فقرا و سار روئے نماید -
کاد الفقر یکون کفراً -

لگی ہے یہ صرف عشق کی آگ ہی ہے
جس کے جلے ہوئے کو دیکھ کر آتش
دوزخ بھی بجھ جاتی ہے -

سوال :- آتش دوزخ کا درویش
سے کیا واسطہ اس کو تو مغرور اور
فرعون صفت لوگوں کے لیے پیدا
کیا گیا ہے -

جواب :- آتش دوزخ کو درویشوں
کے ساتھ کسی طرح کا سروکار نہیں
کیونکہ فقر کی آگ برداشت کرنے
کی طاقت تو بہشت میں بھی نہیں
پھر آتش دوزخ کیسے برداشت
کر سکتی ہے لیکن نہ تو فقر ہے نہ
فقیری - فقر تو ایک سیاہی ہے -
فرمایا کہ فقر دونوں جہان میں منہ
کی سیاہی ہے تو سیاہ رو بن جس
کے سینہ میں فقر آئے اند کافر
نعمت یعنی پوشیدہ صفت والا
تاکہ فقر کا جمال ظاہر ہو -

سوال:۔ ہر چگونہ کہ ہست بصفت
کہ ہست نہ ریش درویش است۔

جواب:۔ زنہار ہر نفیر را فقیر.
ندانی و ہر فقیر را حقیر نشماری کہ صفت
ذمیمہ پوشیدہ عدم امکان است
آورده است کہ مولانا نصیر الدین بر
مولانا شمس الدین سنجری شکر عدم
توی وقدر بدیں صفت گفتے کہ
الحمد للہ علی عدم الامکان و
بپارسی فرمود کہ مبادا آدمی را
ناخن انگشت دراز شود اگر ناخن
خود دراز بیند خواہد کہ شکم برادر
مسلمان پارہ کند با فقر بگو کرا طاقت
بود۔ الصبر مع الشین اھون الصبر
مع الفقر قوت پیغمبر باید تا با وجود
امکان فقر نماید و در فقر فخر افزاید۔

سوال:۔ بہر حال نہ ریش درویش ہے۔

جواب:۔ ہرگز ہر فقیر کو فقیر نہیں سمجھنا چاہیے
اور ہر فقیر کو حقیر نہ جاننا چاہیے کیونکہ
مذموم صفات عدم امکان میں پوشیدہ
ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ مولانا نصیر الدین
نے مولانا شمس الدین سنجری کے سامنے
تعریف یوں کی ہے الحمد للہ علی
عدم الامکان اور فرمایا
ہیں خدا نہ کرے کہ آدمی کی انگلیوں
کے ناخن بڑھیں کیونکہ جب وہ
اپنے ناخنوں کو بڑھا ہوا پاتا ہے تو
چاہتا ہے کہ مسلمان بھائی کا پیٹ
پھاڑ ڈالے۔ فقر والے سے کہہ کہ
کسی کی طاقت ہے کہ الصبر مع
الشین اھون الصبر مع الفقر کا
مصداق بنے۔ یہ تو پیغمبر ہی ہوتا ہے
جو باوجود امکان کے اظہار فقر کرے
اور فقر میں فخر زیادہ کرے۔

سوال:۔ فخر بہر حال کہ ہست مذموم است۔

جواب:۔ فقر امر عدمی است بوجود فخر کردن مذموم است و بعدم فخر کردن محمود نازیں است کہ خواجہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بوجود دنیا و آخرت فخر نکرد چوں کار بفقر رسید گفت الفقر فخری الحمد للہ علیٰ ذلک۔

سوال:۔ کیا فخر ہر صورت میں برا ہے۔

جواب:۔ فقر ایک امر عدم ہے وجود پر فخر کرنا برا ہے۔ البتہ عدم پر فخر کرنا محمود ہے یہ ہی سبب تھا کہ ہمارے نبی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا اور آخرت کے وجود پر فخر نہیں کیا لیکن جب فقر کا معاملہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ فقر میرا فخر ہے الحمد للہ علی ذلک۔

رسالۃ السماع

سماع کا مسئلہ متنازعہ فیہ ہے بزرگان چشتیہ اور سہروردیہ سماع کو
مجاہدہ نفس کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اس سے عشق الٰہی کی آگ
تیز ہوتی ہے خدا کی یاد بڑھتی ہے اور دل نرم و گداز ہوتا ہے حضرت نظام الدین
اولیا فوائد الفواد میں فرماتے ہیں کہ تلاوت و سماع دریک عبارت اظہار می
نمایند کہ در حالت تلاوت و سماع سعادت حاصل می شود آں ہر سہ ۳ قسم
است۔ انوار۔ احوال۔ آثار۔ و آں از سہ عالم نازل می شود۔ از ملک ملکوت و
جبروت در سہ ۳ جا فرود می آید۔ جا ارواح و قلوب و جوارح اہل چشت کے
یہاں سماع کی بڑی سخت شرائط ہیں جن کی (۵) خاص طور پر پابندی کرتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں

۱۔ سمیع (سنانے والا) لڑکا یا عورت نہ ہو۔
۲۔ مستمع (سننے والا) یاد حق سے خالی نہ ہو اور اشعار کے معنی کچھ بھی
کیوں نہ ہوں اس کا ذہن ان کو حق کی طرف محمول کرے۔
۳۔ مسموع (جو سنایا جائے) فحش نہ ہو۔
۴۔ آلہ سماع۔ مزامیر مثل چنگ و رباب نہ ہوں۔
۵۔ محفل سماع میں اغیار نہ ہوں حتیٰ کہ مبتدی مریدین بھی شریک نہ ہوں۔

قادری حضرات اگرچہ سماع کے شائق تو نہیں لیکن شریک ہونے پر
محفل سے اٹھ آنے کو سوء ادب خیال کرتے ہیں۔
حضرات نقشبندیہ منکر سماع ظاہری ہیں کیونکہ وہ اپنی ریاضت کے

ذریعہ سماع باطنی سنتے ہیں چنانچہ خواجہ بہاؤالدین نقشبندیؒ سماع کے متعلق فرماتے ہیں "نہ انکاری کنم نہ ایں کاری کنم"۔

آج کل جہلا نے سماع کو مجمع جمع کرنے کا ایک ذریعہ بنالیا ہے مگر اسکی ذمہ داری کسی طرح بھی چشتیوں پر عائد نہیں ہوتی ان کے ہاں تو جیسا اوپر بیان کیا جاچکا ہے سماع کی بڑی سخت شرائط ہیں اور ان کا مقصد سوائے مجاہدہ نفس اور کچھ نہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا سماع شرعاً بھی جائز ہے یا نہیں۔ اس باب میں پہلے تو ہم اقوال بزرگانِ دین اور پھر اس حدیث شریف پر غور کریں گے جو سماع کے جواز یا غیر جواز پر دلیل بن سکتی ہے۔

اقوال بزرگان دین

۱۔ امام مالک نے گانا سنا اور خود بھی گایا۔

۲۔ امام شافعی کا قول ہے کہ علمائے عرب میں ایسا کون ہے جو راگ کو مکروہ سمجھے۔

۳۔ امام ابو حنیفہ کا ارشاد ہے کہ غنا نہ گناہ کبیرہ ہے نہ صغیرہ بلکہ جائز ہے۔ ان کا پڑوسی جو مغنی تھا کسی معاملہ میں گرفتار ہوگیا تو اس کو چھڑا کر لائے۔

۴۔ امام احمد حنبل نے اپنی صاحبزادی صالحہ کے ہاں گانا سنا اور فرمایا کہ اگر لوگ خبث کی آمیزش سے گانا نہیں تو حرام ہے۔

۵۔ حضرت امام غزالی نے فرمایا ہے کہ سماع کے حرام ہونے پر کوئی دلیل نہیں اور نہ قیاس۔

احادیث

۱۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ نے حضرت ابن مسعود سے قرآن شریف پڑھوا کر سنا اس وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ سماع میں بھی مشائخ دوسروں سے سنتے ہیں۔

۲۔ ترمذی اور ابوداؤد میں ہے کہ حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ حضور صلعم جب غزوہ سے واپس تشریف لائے تو ایک سیاہ فام کنیز نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ میں نے نذر مانی تھی کہ جب خداوند تعالیٰ آپ کو صحیح سلامت واپس لائے گا تو میں آپ کے سامنے دف پر گانا سناؤں گی آپ نے فرمایا کہ اگر تو نے نذر مانی ہے تو اپنی نذر پوری کر لو گا ورنہ نہیں۔ وہ دف بجانے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت ابوبکر تشریف لائے وہ بدستور گاتی رہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے اور پھر حضرت عثمان۔ وہ گاتی رہی آخر میں جب حضرت عمر تشریف لائے تو اس نے دف کو اپنی سرین کے نیچے رکھ لیا اور اس پر بیٹھ گئی اس وقت رسول اکرم صلعم نے فرمایا کہ "اے عمر تم سے تو شیطان بھی ڈرتا ہے۔" نیز آپ نے فرمایا میں بیٹھا رہا یہ گاتی رہی ابوبکر آئے تب بھی گاتی رہی۔ علی اور عثمان آئے تب بھی یہ گاتی بجاتی رہی مگر جب تم آئے تو اس نے دف رکھ دیا۔

اس حدیث سے حضرت رسول اکرم صلعم اور ان کے خلفائے راشدین کا دف پر گانا سننا ثابت ہے بلکہ اس حدیث سے تو عورتوں سے بھی گانا سننے

کا جواز پیدا ہوتا ہے بشرطیکہ اس میں خبث کو دخل نہ ہو۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اہل چشت نے عورتوں سے تو درکنار لڑکوں سے بھی سماع نہیں سنا۔

منکرین سماع نے اس حدیث سے یہ نتیجہ اخذ کیا اور موشگافی پیدا کی کہ راگ فعل شیطانی ہے کیونکہ حضور صلعم نے کنیز کو شیطان کہا حالانکہ رسول اللہ صلعم کے ارشاد کا کھلا مطلب یہ تھا کہ "اے عمر عورت تو عورت تم سے تو شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔" اگر ان منکرین حضرات کے مفہوم کو بالفرض صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے کفر والحاد کا پہلو پیدا ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے (لعنۃ اللہ علیہم دخاکم بدہن) اس فعل شیطانی میں رسول صلعم اور ان کے خلفائے راشدین کو بھی شامل کر لیا جنہوں نے گانا سنا تھا لہٰذا ان کا یہ مفہوم عقل سلیم کے خلاف ہی نہیں بلکہ سراسر کفر ہے۔

سماع کے متعلق حضرت صوفی سلطان التارکین کے اقوالِ دین ملاحظہ ہوں۔

سماع را کہ منکر است آنکہ دل ندارد وسماع کہ را حلال است او را کہ در وقت سماع جان سپاردن است آنکہ از سماع منکر است عیش مکن کہ بے خبر است۔ سماع شیوۂ عشاق است سماع گکنند

منکر سماع وہ ہے جو صاحب دل نہیں و سماع اس کو حلال ہے۔ جو سماع کے وقت اپنی جان جانِ آفریں کو پیش کرنے کو آمادہ ہو۔ تو منکرین سماع پر غصہ نہ کر کیونکہ وہ تو بے خبر ہیں سماع عشاق کا طریقہ ہے۔ سماع

آنکہ بحق مشتاق است۔ مردہ راکہ دید
کہ سماع کند آنکہ لاتسمع الموتی زندہ
راکہ یافت کہ سماع نہ کند۔ واذا سمعو
ماانزل الی الرسول تریٰ اعینھم
تفیض من الدمع۔ سماع محمود است
و مستمع مسعود خوشے گفتہ است کہ
رحمت خدا برو باد۔ پھر فرماتے ہیں کہ
کار سماع بس عجیب است و ساز او
عظیم بوالعجب ست آب کہ از چشم
ایشاں آید خون ست واز خون ایشاں
بنگر کہ چون ست۔

نہ کرتا ہے جو مشتاق رب یزد ہے
مردہ کب سماع کرتا ہے زندہ کب
سماع نہیں کرتے سمع محمود ہے اور
مستمع مسعود۔

سماع کا معاملہ عجیب ہے اور اس
کا ساز اور بھی عجیب جو آنسو اہل سماع
کی آنکھ سے گرتے ہیں وہ خون ہے

ولیس الدموع یجری علی الخدو الھا
ولیکن روح تو یذوب و یقطر

رباعی

موسیٰ ز سماع آنچناں مست افتاد
والہ شد و خیرہ شد ز اندست افتاد
و ز کوہ بلند آنچناں بہول و فزع
از شوق سماع سرنگوں مست افتاد

ترجمہ

موسیٰ سماع سے ایسے مست ہوئے
کہ والہانہ خیرہ ہو کر مدہوش ہو گئے
خوف و وحشت کی وجہ سے وہ
شوق سماع میں پہاڑ سے سر کے
بل گر پڑے۔

رسالۃ السماع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ
محمد و الہ واصحابہ اجمعین

اما بعد می گوید حمید صوفی السوالی رضی
اللہ عنہ کہ ایں رسالہ است در بیان
سماع کہ شائقاں را بکار آید و عاشقاں
را ذوق افزاید و منکراں را جان کاہد
قال بعضہم الخوف والرجاء قدمان
للقلب لیسیر بہما الی سورہ
والسماع والوجد جناحان للروح
یطیر بہما الی ربک المنتہیٰ۔

سیر صفت دل است بے قدم
عندیت نتواں فلا یطیر بہما

اس کے بعد حمید صوفی السوالی رضی اللہ عنہ
کہتے ہیں کہ یہ رسالہ سماع کے بیان
میں ہے تاکہ شائقوں کے کام آئے
اور عاشقوں کا ذوق زیادہ کرے اور
منکروں کی جان گھٹائے۔ بعضوں نے
کہا ہے کہ امید و بیم دل کے قدم ہیں
جس سے سیر کی جاتی ہے سدۃ المنتہیٰ
تک سماع اور وجد روح کے پر ہیں
جن سے وہ اڑتی ہے جس کی انتہا رب
تک ہے

سیر دل کی صفت ہے بے قدم کیسے
چل سکتا ہے اور بے پر اڑنا کیسے ممکن ہے

غزل

چوں دوست بردم خرابات
براہل سماع کند مباحات
ہنگام خرابی تو در عشق
می رشک برند بر سماوات
تو راہِ خرابات بگیر برو
تا چند طلب کنی کرامات
روزاں و شباں وصال میخواہ
اے مست شراب در خرابات
بگذار حدیث زہد بگذر
در عشق کجا خرند طامات
سوز است نیاز و درد رہ
می ساز نماز ایں مقامات
خواہی کہ رسی براہ غم رو
کیں راہ سلامت است ز آفات
سرمایۂ عاشقاں نیاز است
تو ناز ہمیں کنی بہ طامات
ہرگز نرسی بوقت مردن
تا وصف نمائی و خودی ذات

ترجمہ

جب دوست نے خرابات کے
آدمیوں پر سماع مباح کر دیا ہے
جسوقت تو عشق میں خراب ہوتا ہے
آسمان والے تجھ پر رشک کرتے ہیں۔
تو خرابات کا راستہ اختیار کر
کرامتیں کب تک طلب کرتا رہیگا
دن رات وصال چاہ اے خرابات کی
شراب سے مست ہونے والے
زہد کے قصے چھوڑ دے اور راہ عشق
میں گپ شپ نہیں خریدتے۔
سوز نیاز و درد مقامات ہیں ان مقامات
کی نماز پڑھ اگر تو منزل پر پہنچنا چاہے
تو براہِ غم سفر کر۔
کیوں کہ یہ راستہ آفتوں سے پاک ہے
عاشقوں کا سرمایہ نیاز ہے اور تو
لاف و گذاف کا انبار لگاتا ہے
مرنے کیوقت تو منزل مقصود پر ہرگز نہیں پہنچیگا
جبتک تو ذات و صفات کا مظاہرہ کرتا رہیگا

باد حمید باش ہمدم
اینست بزرگی و کرامات

بزرگے از بزرگان دین کہ در سلوک
بسر حد یقین رسیدہ بود واز درخت
طوبیٰ عشق میوہ مشاہدہ چشیدہ بود
پرسیدند کہ چہ حالت است کہ در
سماع اضطرابی حاصل می شود
گفت کہ در روز میثاق حق تعالیٰ
بے واسطہ ایشاں را خطاب کرد
و کلام بے کیف بشنوانید کہ الست
بربکم عقول و اسرار بیکبار جواب
کردند وگفتند قالو بلیٰ مر آں
کلام در آید کافی باشد چنانچہ
بر عقول کافی شد چوں ایں جا
اسرار را سماع آمد ایشاں را
از عہد میثاق یاد آید منزعج
شوند و مضطرب گردند

اے حمید تو درد کو اپنالے اور اسکا ہمدم بن جا
یہی بزرگی و کرامات ہے۔

بزرگوں میں سے ایک بزرگ سے جو کہ
سلوک میں یقین کی حد تک پہونچ
گیا تھا طوبیٰ عشق کے درخت کے
مشاہدہ کی چاشنی چکھ چکا تھا پوچھا
کہ سماع میں کیا حالت ہوئی ہے کہ
اضطراب حاصل ہوتا ہے۔ فرمایا کہ
میثاق کے دن اللہ تعالیٰ نے بغیر
واسطہ خطاب کیا ہیں تمہارا رب
ہوں عقل اور رموز نے دفعتاً جواب
دیا کہ ہاں آپ ہمارے رب ہیں
ران کے کلام کو رانہ میں ہی رکھنا کافی
ہوتا ہے چنانچہ عقل کے لئے یہ
مکتفی ہے جب سماع میں اسرار
پیش آتے ہیں تو ان کو عہد میثاق
یاد آجاتا ہے جوش میں آجاتے
ہیں اور مضطرب ہوجاتے ہیں ان

آنگاہ بنگر اصل در ایشان ظاہر
گردد. از اں در اہتزاز آیند و
خواہند کہ درراہ از ہر خود بکشایند
چنانچہ بر عقول ایں سرانِ راہ
استنباط. علم از عالم مکنون بظہور
آید و مشکلے از مشکلات علم بر
ایشاں بکشاید و حبّ حق مر ایشاں
را روی نماید آنرا بدل و جاں
تصدیق کنند و بے گمان بدانند
کہ حق است و از حق است.
فذا کفایة لمن ارادہ رایتہ
نہار تا در سماع با نکار در نیائی
...ول انکار در فضائل انکار
نیائی کہ انکار سماع از حقایق
ایں کار اندازد و منکر سماع
بی انکار بتصدیق نیز واند کہ
سماع بس عجب است و سائر
عظیم بوالعجب است آب کہ.

اس وقت ان کی اصلیت ان میں ظاہر
ہو جاتی ہے اور لطف اندوز ہوتے
ہیں اور چاہتے ہیں کہ باب فتوح اپنے
لئے کھول ڈالیں چنانچہ عقلوں پر
عالم مکنون سے علم کے ذریعہ استنباط
کرنے سے یہ راز ظاہر ہو جاتا ہے
اور علم کی مشکلات میں سے ایک
مشکل حل ہو جاتی ہے اور حب الہی
ان کو نظر آنے لگتی ہے دل و جان سے
اس کی تصدیق کرتے ہیں اور بلا شبہ
جانتے ہیں کہ حق ہے اور حق کی طرف
سے ہے جو رویت حق چاہتا ہے
اس کو لازم ہے کہ منکر سماع نہ ہو
کیونکہ انکار سماع اس کو حقایق سے
دور نکال دیتا ہے اور سماع کا انکار
کرنے والا انکار کی بدبختی کی وجہ
سے تصدیق کی طرف مشغول نہیں ہوتا
سماع ایک عجیب چیز ہے اور سماع
کے ساتھ موافقت اس سے بھی

از چشم ایشاں آید خون است و
خون انساں بنگر کہ چون ست۔
ولیس الموء یجری علی الخدء انها
ولیکن روح تذوب و یقطر

بڑی عجیب چیز ہے۔ اہل وحدت
وسماع کی آنکھوں سے جو پانی نکلتا
ہے وہ خون ہوتا ہے اور ان کا
خون کیا ہے یہ نہ دیکھ۔

رباعیات

رو یت باید کہ سوئے ہستی نبود
را یت باید کہ جز بہ پستی نبود
کا نر اکہ شراب وحدت دادند
مستش یابی ولیک مستی نبود

ترجمہ

تیری نظر ہستی کی طرف ہونی چاہیے
اور تیرا رخ جز پستی کسی دوسری طرف نہ ہو
جن کو وحدت کی شراب دی ہے تو
ان کو مست پاتا ہے مگر وہ مستی نہیں ہے

گوشہ جہاں در ندارد
مرغ قفسش پر ندارد
ہر گل کہ بغیر خار بود
گل ہست ولے بر ندارد
دانی کہ برون جہد دامش
مرغی است کہ او سر ندارد

کہتے ہیں کہ دنیا کا دروازہ نہیں ہے
اور اس کے مرغ قفس کے پر نہیں ہوتے
ہر پھول جس کے درخت میں خار نہ ہو
پھول تو ہے لیکن پھل نہیں دیتا
تو جانتا ہے کہ وہ مرغ جال سے نکلنے
کی کوشش کرتا ہے جو سر فروش ہوتا ہے۔

غزل

در راہ مرد کہ بے کرانست
بے راہ مرد کہ بے نشان ست

ترجمہ

اس راستہ مت چل جو لا تناہی ہے
اور بے نشان والے راستہ مت جا

غلطی است میان آں طلب کن
گر راستیست در میان است
سریست نہفتہ کس نداند
دانی تو کہ آں کرا عیانست
اوراکہ زبانِ حال جان است
در شہدِ عشق بے بیان است
گشت است یقیں کہ ایں چنیں است
تامردوندہ بے گمان است
راہے تو درون تست ہشیار
وردراہ حجاب چیست جانست
تو گوہر قیمتی نباشی
تاکانِ جہاں ترا مکانست
درباز حمید خویشتن را
زاں پس کہ ببیں تو نیست آفت

بدانکہ سماع دو است، سماع در قرب و سماع در بعد۔ سماعِ قرب موجب طرب است و سماع بعد موجب حزن است۔

اس میں وسطی خط کو طلب کر کیونکہ
اگر راستی ہے تو درمیان میں ہے یہ
ایک خفیہ راز ہے جسے کوئی نہیں جانتا
کیا تو جانتا ہے کہ یہ راز کس پر آشکارا ہے
جس شخص کی زبانِ حال روح ہے
وہ شہد عشق میں بے زبان ہے
جبتک سالک بے گمان ہوتا ہے اسکو
وہ یقین کرتا ہے کہ ایسا ہی ہے۔
تیرا راستہ تیرے ہی اندر موجود ہے۔
تیرے راستے میں اگر کوئی حجاب ہے تو وہ تیری روح ہے
جبتک کہ کانِ دنیا تیرا مکان ہے
تو قیمتی موتی نہیں ہو سکتا
اے حمید جب تو دیکھے کہ تو نہیں ہے یعنی
تیرا وجود ختم ہو گیا تو سمجھ لے کہ تو نے
مکان پالیا اس وقت تو بازرہ۔
سمجھ لے کہ سماع دو قسم کا ہے ایک
سماع قرب دوسرا سماع بعد۔ سماعِ
قرب باعث مسرت و انبساط ہوتا ہے
اور سماعِ بعد باعثِ رنج و کلفت

سماع را کہ منکر آنکہ دل ندارد و
سماع کرا حلال است اورا کہ وقت
وقت سماع جان سپارد بر او
کہ از سماع منکر است غش مکن
کہ بے خبر است تا گشتہ از خود در
کوئے سماع کرا گزر است۔ سماع
جنود رہنما است امیرِ او ہمہ دل و
جان ست در سماع ہمہ روح روح
و فتوح جان است درماں او ہمہ
درد و درد او ہمہ درماں است
سماع شیوۂ عشاق است و
سماع کہ کند آنکہ بحق مشتاق
است۔ مرزہ کہ دید کہ سماع
کند۔ آنکہ لا تسمع الموتیٰ زندہ را
کہ یافت کہ سماع نکند۔ و اذا سمعو
ما انزل الی الرسول ترٰی اعینھم
تفیض من الدمع۔ سماع محمود
است و مستمع مسعود خوش گفتہ
است کہ گویند کہ رحمت خدا برو ے

سماع کا منکر وہ شخص ہے جو صاحبِ
دل نہیں ہے اور سماع اس کو مباح
ہے جو سماع کے وقت جان دینے
کو تیار ہے۔ منکرِ سماع پر غصہ نہ کر
کیونکہ وہ اس کی حقیقت سے آشنا
نہیں ہے۔ خود سے گزرے بغیر کوچۂ
سماع میں گزر نہیں ہو سکتا۔ سماع
ایک راہ نما لشکر ہے اور میرِ لشکر جان و
دل ہیں۔ سماع میں روح کو راحت
اور جان کو فرحت حاصل ہوتی ہے
اس کا درد تمام تر اس کا علاج ہے۔
اور اس کا علاج کلی درد ہے۔ سماع
شیوۂ عشاق ہے۔ جو سماع کرتا ہے
وہ شیدائے حق ہوتا ہے مردہ
کب دیکھتا ہے اور کب سنتا ہے۔
لا تسمع الموتیٰ۔ کونسا ذی روح
ہے جو سنتا نہیں۔ و اذا سمعو ما
انزل الی الرسول ترٰی اعینھم
تفیض من الدمع کس نے

کیا خوب کہا ہے۔

رباعی

اسرار خرابات بہ ہر کس نہ دہند
قوت دل طوطیاں بکرگسی نہ دہند
شمع و شب و شاہد و دسانہ
اے لیقیں داں کہ بہ ہر کس نہ دہند

ترجمہ

خرابات کے بھید ہر کسی پر ظاہر نہیں کرتے
طوطیوں کے دل کی خوراک گدھوں کو نہیں کھلائی جاتی
شمع و شب اور شاہد و دسانہ ہر کس وناکس
کا حصہ نہیں ہیں۔

خرابات با تو روئے نداوت باز آنکہ
تو روئے بخرابات ندادی تو در پستی
ہستی نام و نشانِ تو، ہیچ جا نہ نماند
نام و نشانے کہ در فرازی رود آں
جز نیازے نبود زیرا کہ روزے چند
معدود کہ زود بسر خواہد آمد سرور
بداں غرور نبود تا سر مباحات بر
جائے بود و سر خرابات گذاری بود۔

خرابات تجھ پر ظاہر نہیں ہوتی کیونکہ
تو خرابات کی طرف متوجہ نہیں ہے تو
پستی میں ہے۔ تیرا نام و نشان کسی
جگہ ظاہر نہیں ہوتا جو نام و نشان
کہ بلندی پر ظاہر ہوتا ہے وہ بغیر
نیاز کے ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ یہ
چند دن یعنی یہ قلیل مدت عمر رواں
دواں گذر جائے گی اس میں غرور کا
خیال مناسب نہیں۔ جب تک غرور
مباحات کے اسرار قائم رہتے ہیں
خرابات کے اسرار کا گذر نہیں ہوتا

سر خرابات عزیز تر و شریف تر از
سر مباحات است۔

مصرعہ

کسے سرے نمیداند زباں درکش زباں درکش

ایں قوت دل طوطیاں ست و
آں لقمہ حوصلہ کرگساں است
نشان میں ہذا و ذرہ شب چہ باشد
عالم انسانیت خلق الخلق فی الظلمۃ
شمع چہ باشد در عالم انسانیت
جہاں ملکیت ثم رش علیھم من
نورہ شاہد کہ باشد سر الوہیت۔ انا
جلیس من ذکرنی۔ حریف دمساز
کہ بود کہ بحق پسند کردہ باشد واز
سر صدق آوازہ در دادہ باشد

خرابات کے اسرار مباحات کے اسرار
سے عزیز و شریف ہوتے ہیں۔

ترجمہ

کوئی بھید نہیں جانتا اپنی زبان بند کر

خرابات طوطیوں کے دل کی غذا ہے
اور مباحات گدوں کے پوٹے کا لقمہ
شب کیا ہے عالم انسانیت میں خلق
کو تاریکی میں پیدا کیا ہے عالم انسانیت
میں شمع کیا ہے۔ جہاں ملکیت ہے
(تحقیق ہم نے ملکوت پر اپنے نور
سے روشنی کی) الوہیت کے اسرار
سے واقف کون ہوتا ہے ارشاد
باری ہے جس نے میرا ذکر کیا میں
اس کا جلیس ہوتا ہوں۔ یعنی ذاکر
بوجہ جلیس ہونے کے الوہیت کے
اسرار سے واقف ہوتا ہے۔ حریف و
ہمدم کون ہے۔ حریف و ہمدم وہ ہے

حسبی اللہ والتکالی علیہ۔

سماع قوت درویشاں است سماع
جمع کنندہ دل پریشان است
سماع مشہد شاہداں قضا وقدر
است وآنکہ اہل سماع است
سماع نزد او خراست۔ سماع
مرغ بحریست کہ آمیزد با دے
آنکہ بری است۔ زندہ باید کہ
برموزِ عشق تواند رسید۔

جو حسبی اللہ والتکالی علیہ (کافی
ہے اللہ اور میں نے اس پر بھروسہ
کیا ہے) کی سچائی کے ساتھ آواز لگاتا
ہے سماع درویشوں کی غذا ہے۔
سماع پریشان لوگوں کی دل جمی
کرتی ہے سماع قضا وقدر کے شاہدوں
کے شہود کی جگہ ہے صاحبِ
سماع کے نزدیک سماع بطور
ایک بچل ہے اور ایک مرغ آبی
ہے جو مرغ خاکی کے ساتھ ملتا ہے
صاحب دل (زندہ) کو چاہیئے کہ رموز
عشق سے واقف ہو۔

رباعی

چوں عشق مجرد است از قیل وقال
پس جز سماع در نیابی احوال
حالیکہ بمقصود وجود آں حالیست
پس تعبیہ سماع کردند آں حال

ترجمہ

چونکہ عشق چناں وچنیں سے مجرد ہے
اسلئے سوائے سماع کے اسکا حال معلوم نہیں ہوتا
جو حال کہ تو عشق کے وجود کا مقصود
ہے ۔ تعبیہ سماع
کر دیا۔

رباعی

آخر ترا کہ گفت کہ در قال طلب
از قال مگزر و برو حال طلب
خواہی کہ بعشق در ہوایش بپری
بال تو سماع است برو بال طلب

ترجمہ

آخر تجھ سے کس نے کہا کہ تو محض قیل وقال میں
بتلا رہ۔ قال چھوڑ اور صاحبِ حال بن۔
اگر تو چاہتا ہے کہ اسکی طلب میں عشق کے
ذریعہ اڑے تو یوں سمجھ کہ سماع تیرے بال وپر
ہیں تجھکو لازم ہے کہ بال وپر طلب کرے۔

مارا از سمع نام دلدار بسے
شادی ونشاط حاصل درہر نفسے
آں ذوق کہ از سماع ما یافتہ ایم
دانم کہ نیافت در جہاں ہیچ کسے

سماع میں ہم کو دلدار کا نام کافی ہے
ہر نفس کو خوشی وانبساط حاصل ہوتی ہے
جو ذوق کہ مجھکو سماع سے حاصل ہوا ہے
میں جانتا ہوں کہ جہان میں کسی کو
نہیں ملا۔

موسیٰ زسماع آنچناں مست افتاد
والہ شد وخیرہ شد وازدست افتاد
از کوہ بلند آنچناں بہول و فزع
از شوق سماع سرنگوں مست افتاد

موسیٰ سماع سے ایسے مست ہوگئے
کہ والہ وشیدا اور ششدر ہوکر گر پڑے
ذوقِ سماع کے باعث مست ہوکر بلند
پہاڑ سے دحشت زدہ ہوکر اوندھے
گر پڑے۔

رباعی

از ذوق سماع عاشقاں سر بنهاد
در چرخ زدن پائے بر اختر بنهاد
آں دم کہ سماع گرم اندر گیرد
مرغاں چہ ہمہ فرشتگاں پر بنهاد

ترجمہ

ذوقِ سماع سے عشاق آسمان پر جانے کیلئے
پاؤں ستاروں پر رکھتے ہیں۔
جسوقت سماع کی گرمی اندر پیدا ہوتی ہے
مرغ ہی کیا بلکہ تمام فرشتے بھی اپنے پروں کو
پھڑپھڑاتے ہیں۔

ہر چند کہ از سماع حاصل آید
ذوقے است کہ جان از وہمی آساید
ہر جان دلے کہ یافت از ذوق سماع
ہرگز بہ نسیم خلد ہم نگراید

جو چیز کہ سماع سے حاصل ہوتی ہے
وہ ایک ذوق ہے جس سے جان کو آرام ملتا ہے
جس دل و جان نے سماع سے ذوق پایا
وہ جنت کی ٹھنڈی ہوا پسند نہیں کرتے

مرغِ دلِ من شنید چوں نامِ سماع
یک لحظہ نمی شکیبد از دامِ سماع
از کجا یاد کند در ہمہ عمر
چوں مست خراب گشتہ از جامِ سماع

میرے دل کے مرغ نے جب سے سماع کا نام سنا ہے
عالمِ سماع سے دم بھر کیلئے بھی جدا نہیں ہونا چاہتا
جب جامِ سماع سے مست خرابات ہو جاتا ہے
تو عمر بھر پھر کب ہوش میں آتا ہے۔

اے برادر تو مرغِ بامِ عرشی ترا در قفسِ وجود کردند دور عالمِ شہادت فرستادند تا شاہد گردی لتکونوا شہداء علی الناس

اے بھائی تو عرش کی چھت کا مرغ ہے تجھکو وجود کے پنجرے میں بند کیا گیا ہے اور عالمِ

دشهود شوی و یکون الرسول
علیکم شهیدا۔

تا سوگند بتو درست آید و شاهد و
مشهود و محبوب تو ہم شاہد و ہم
مشہود شہد اللّٰہ انہ لا الٰہ
الا ھو تخلقوا باخلاق اللّٰہ این
جا درست شد حاصل الامر آمدی
وخود را کہ شاہدی فراموش کردی
و محبوب خود را کہ مشہود تست ہم
فراموش کردی اما او جل جلالہ ترا
فراموش نکردی نزدیکاں خود را
کہ برگزیدگاں حضرت احدیت
بودہ اند کہ آلی اصطفیتک نعت
احوال ایشان ست و ثم اجتباہ
ربہ نعوذ بہ صفت کمال ایشان
ست اصطفیتک نفی کمال حال
ایشان است ، بدعوت کو فرستاد

شہادت میں نہیں آتا ہے کہ تو گواہ
ہو جائے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ
آدمیوں پر گواہ ہو جاؤ اور مشہود
ہو جاؤ ۔ ارشاد باری بھیجا تم پر
رسول کو گواہ بنا کر تاکہ تمہاری قسم
درست ہو جائے تیرا محبوب
بھی شاہد و مشہود ہے ۔ جیسا کہ
فرمایا ہے گواہی دے تحقیق نہیں
کوئی معبود سوائے اللہ کے اور
اللہ کے اخلاق سے آراستہ ہونا
اس سے ثابت ہوا حاصل امر یہ
ہے کہ تو عالم ظہور میں آیا مگر خود
کو جو شاہد ہے فراموش کر دیا نیز
اپنے محبوب کو بھی جو مشہود ہے۔
فراموش کر دیا لیکن اس جل جلالہ
نے تجھے نہیں بھلایا۔ اس کے مقربین
درگاہ احدیت کے مقبول بندے
ہیں اور آلی اصطفیتک جن کی
تعریف ہے اور ثم اجتباہ ربہ فہو دیلہ

که ارسلنا الیکم رسولاً احسنت
ترضی جلالت حال۔

بیت

توبقیمت ورائے دو جہانی
چہ کنم قدرِ خود نمی دانی

مقصود آنکہ چوں نوبت نبوت
گزشت و عہدِ دعوت سپری شد
و تو ازاں دور دور افتادی
و نوبت ہادیاں درگزشت از
برائے تو دعوت ہادیاں نصیب
کردند تا ہدی کنند و تو خفتہ را از
خواب غفلت بیدار کنند و از مستی
شہوت ہشیار کنند پیران پختہ کار
دیدہ دیدند کہ تو از کار رفتہ و

جن کے کمال کی صفت ہے اور
آیت "اصطفیتک" جن کے نفس
کے کمال پر دلالت کرتی ہے تجھے
دعوت دینے کے لئے بھیجا جیسا
کہ ارشاد ہوتا ہے۔ "ارسلنا الیکم
رسولاً"۔

ترجمہ

قیمت میں تو جہاں سے زیادہ ہے
کیا کروں کہ تو اپنی قدر نہیں جانتا ہو

مقصود یہ ہے کہ نبوت کا وقت گزر
گیا اور دعوت کا زمانہ ختم ہو چکا
اور تو اس زمانہ سے دور پڑ گیا
ہادیوں کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا
اسلئے تیرے واسطے ہادیوں کی تعلیم
لازم کی تاکہ تجھے خواب غفلت
سے جگائیں اور شہوت کی مستی
سے ہوشیار کریں۔ پرانے پختہ کاروں
نے دیکھا کہ تو کام کا نہ رہا اور

دردِ تو درماں پذیر نیست از برائے
تو فسونے پیدا کردہ اند زیرا کہ
ہر دردے کہ درماں پذیر نبود با
فسوں دفع شود ایں جا باشمی
افسوں درخواست مرا گفتنے کہ چونی

رباعی

با دل گفتم کہ اے دلِ شیدائی
زنہار مرو تو در رہِ پیدائی
ہرچند تو پنہاں روی از دیدۂ خلق
در حلقۂ مردانِ خدا پیدائی

اے دل مطلب یار کہ یارے داری
غم نیز مخور کہ غمگسارے داری
بوئے گل وصل کسے را نرسد
المنۃ اللہ کہ تو یارے داری

علاج پذیر نہیں ہے تو تیرے واسطے
ایک جادو پیدا کیا کیونکہ جو درد
علاج پذیر نہیں ہوتا وہ جادو
سے جاتا رہتا ہے۔ اس جگہ وہ
جادوگر ہے۔

ترجمہ

دل سے میں نے کہا کہ اے دلِ شیدا
نام و نمود کے راستہ میں مت چل
تو دیدہ خلق سے ہرچند پوشیدہ رہیگا
مگر پھر بھی مردانِ خدا کے حلقہ میں ظاہر ہوکر
ہی رہے گا۔

اے دل یار مت طلب کر کیونکہ تیرا محبوب
موجود ہے غم بھی مت کھا کیونکہ غمگسار بھی موجود ہے
وصل کے پھول سے کسی کو خوشبو نہیں
پہونچی۔ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ تو
محبوب رکھتا ہے۔

دیوانِ حمید

حضرت سلطان التارکین ایک خوش گو شاعر بھی تھے۔ شاعری آپ نے ورثہ میں پائی تھی آپ کے جد اعلیٰ حضرت امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب بھی بڑے پایہ کے شاعر تھے۔

اولیا کرام کی شاعری کا مقصد اپنے آپ کو مبدا حقیقی کی طرف رجوع رکھنا ہے جس کی تجلیات ان پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ حضرت سلطان التارکین نے اپنی شاعری کو جذبات قلبی، واردات عشق و محبت اور مشاہدات حقیقت کے اظہار کا ذریعہ بنایا آپ کے کلام کے مطالعہ سے پتہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ روحانیت کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں آگے عربی، فارسی اور ہندی تینوں زبانوں پر عبور حاصل تھا ذیل میں نمونہ کلام پیش کیا جاتا ہے۔

وادیت قلبی بذکر الواحد الصمد

لما رایت شرار النار فی کبدی

حس الطیب یدی یوم نقلت له

ان المحبت فی قلبی فخل یدی

در نحو مماں و در لغت ہیچ ہیچ

بعد علم حا الغوان کزیں نماید ہیچ

فردا ار تو معرفت بخواہند طلبید

خواہی کہ تو منکر ال غم خوابی از ہیچ

میرا قلب ذکرِ حق سے گرم ہے

اور میرے جگر میں آتش عشق کے شرارے فروزاں ہیں۔

ایکدن طبیب نے میرا ہاتھ دیکھا میں نے اس سے کہا کر

قطعی طور پر میں عشق کا مریض ہوں کو

اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

علم نحو و علم لغت میں سرگردانی نہ کران

علوم سے کچھ حاصل نہ ہوگا جا علم معرفت حاصل کر۔

قیامت کے دن تجھ سے معرفت طلب کی جائیگی

اگر تو ان لوگوں میں شمار نہ ہونا چاہیے تو ان سے درگزر

رباعی

اے دل غم آں مخور کہ فردا چہ شود
زیرا کہ ہمہ خوشی دراں بے بشود
حکمے کہ کفایت خداوند جہاں
دانم چہ شود وگر ندانم چہ شود

ترجمہ

اے دل اس بات کی فکر نہ کر کہ کل کیا ہوگا۔
کیونکہ تمام خوشی اسی ادھیڑبن میں ختم ہوجاتی ہے۔
جو حکم خداوند تعالیٰ نے دیا ہے اگر میں
جانوں تو کیا ہوگا اور نہ جانوں تو کیا ہوگا

حکیم ناصری دہلوی نے بوقت حج کچھ اشعار کہے تھے ان میں سے ایک شعر یہ تھا۔

درخانہ خود خدائی را گم کردم
تا در رہ خانہ خدا افتادم

جب شیخ جیون نے یہ شعر حضرت صوفی علیہ الرحمت کو سنایا تو آپ نے فرمایا۔

چوں از دل و جاں خود جدا افتادم
بنگر تو خدا را کہ کجا افتادم

دنیا چو با آخرت حسابست مخواہ
عقبیٰ چو بجا تبت عقبیٰ ست نخواہ
از پیر مرید را نشانے عجب ست
ہر چیز کہ آنست حجابست مخواہ

تا یک نفس از نفس تو پیداست ہنوز
بر درگہ دل ز دیو غوغاست ہنوز
تا سود و زیاں ہست در اندیشۂ تو
عشقت نہ بدست کہ سوداست ہنوز

زنہار زلالائے بہشتی نزنی
بر پائے دولت ہمیشہ دستی نزنی
با ہستی خویش بساز اے درویش
خود را ز بلند جا بہ پستی نزنی

باز آ دل دیوانہ چہا می طلبی
نقشے بصواب در خطا می طلبی
مقصود تو خوش دلی ست من میدانم
در دہر چو این نیست از کجا می طلبی

ترجمہ

جبتک تیرے نفس سے ایک سانس بھی آرہا ہے
تیرے دل پر شیطان کا شور وغل ہے
جبتک تجھے سود و زیاں کا کھٹکا لگا ہوا ہے
تجھے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا یعنی جب
اس منزل سے گزر جائیگا تو عشق میں کامیابی
حاصل ہوگی۔

رسالہ چہار منزل

صوفی سلطان التارکین رح کا یہ رسالہ بھی فارسی میں ہے۔ اس کا موضوع تصوف ہے اس میں ان چار منزلوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ہر سالک کو پیش آتی ہیں اول منزل ناسوت۔ دوئیم منزل ملکوت۔ سوئیم منزل جبروت۔ چہارم منزل لاہوت شریعت۔ طریقت اور حقیقت۔ نفس۔ دل۔ روح ایک دوسرے سے جدا جدا چیزیں نہیں ہیں نیز عاشق۔ معشوق اور عشق ہم معنی ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی انبیاء محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد می گوید حمید صوفی سعیدی السوالی عفی عنہ کہ ایں رسالہ است در بیان چہار منزل سالکانِ راہ را ہیان الی اللہ۔

بدانکہ مشائخ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین در راہ خداوند عزوجل ذکرہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہاں کا رب ہے اور درود نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر اور اصحاب پر۔

اما بعد حمید صوفی سعیدی سوالی عفی عنہ کہتا ہے کہ یہ رسالہ ان چہار منازل پر مشتمل ہے جو سالکان راہ اور اللہ کے راستہ پر چلنے والوں کو پیش آتی ہیں۔!

مشائخ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے خدائے عزوجل کی راہ میں چلنے وا

برائے سالکان را علی سبیل الاجمال
چہار منزل نشان کردہ اند و گفتہ اند
تا روندگان ازیں چہار منزل نگزرند
بمقصود نرسند منزل اول عالم ناسوت
است. منزل دوم عالم ملکوت است
منزل سویم عالم جبروت است منزل
چہارم عالم لاہوت است تا از عالم
ناسوت نگذرد بعالم ملکوت نرسد
تا از عالم ملکوت نگذرد بعالم جبروت
نرسد و از عالم جبروت نگذرد بعالم لاہوت
نرسد و عالم لاہوت عالمی است بے
نشان سالک آنجا رسد از خود برہد
چوں از خود برہد در خود برسد و
ایں چہار منزل نشان دادہ اند و
گفتہ کہ ناسوت عالم حیوانات را گویند

کے لئے اجمالاً چار منزلیں بتائی ہیں
اور کہا ہے کہ چلنے والا جب تک ان
چار منزلوں سے نہ گزرے اپنے
مقصود کو نہیں پا سکتا منزلِ اوّل
عالم ناسوت ہے منزلِ دوم عالم
ملکوت ہے۔ منزل سوم عالم جبروت
ہے اور منزل چہارم عالم لاہوت
ہے۔ جب تک عالم ناسوت سے
نہیں گزرے گا عالم ملکوت میں
نہیں پہونچ سکتا اور جب تک
عالم ملکوت سے نہیں گزرے گا
عالم لاہوت میں نہیں پہونچ سکتا۔
عالم لاہوت ایک بے نشان عالم
ہے جب سالک اس مقام پر پہونچتا
ہے خود سے اس کا چھٹکارا ہو جاتا ہے
جب خود سے رہائی ہو جاتی ہے تو
خود کو پالیتا ہے۔ ان چاروں منازل
کی نشان دہی کی ہے اور کہا ہے کہ
ناسوت عالم حیوانات کو کہتے ہیں

و فعل این منزل حواس خمسہ است
چنانچہ خوردن و دیدن و شنیدن
و سودن و آنچہ بدین مانند چون
سالک بریاضت و مجاہدہ ازین
عالم بگذرد و این صفات را بگذارد
و بعالم ملکوت رسد و ملکوت عالم
فرشتگان است۔ فعل این منزل
تسبیح و تہلیل و رکوع و سجود و قیام
قعود است و چون ازین منزل
بگذرد و بترک النظر الیہا بعالم جبروت
برسد و جبروت عالم روح است
تا صفاتِ حمیدہ چون شوق و
ذوق و طلب و وجد و سکر و صحو
و جوع ازین صفات مجرد شود در
عالم لاہوت رسد و لاہوت لا
مکان است ان الی ربک المنتہیٰ
آنجا نگفت و گوئی است و نہ
جست و جوئے چنانکہ گفتہ اند

اور اس مقام کا فعل حواس خمسہ ہے
چنانچہ کھانا۔ دیکھنا سننا چھونا
اور اسی طرح کے دیگر افعال سالک
ریاضت اور مجاہدہ کر کے اس عالم
سے گزر جاتا ہے اور یہ صفات چھوڑ
دیتا ہے اور عالم ملکوت میں پہونچتا
ہے۔ عالم ملکوت فرشتوں کا عالم ہے
اور اس منزل کا فعل تسبیح و تہلیل و
رکوع و سجود و قیام و قعود ہے جب
اس منزل سے گذرتا ہے تو ان سے
ترکِ نظر کر کے عالم جبروت میں پہنچتا
ہے اور جبروت عالم روح ہے جب روح
از صفاتِ حمیدہ مثلاً شوق و ذوق و طلب و
وجد و سکر و صحو
سے مجرد ہو جاتی ہے عالم لاہوت
میں پہونچ جاتی ہے لاہوت لامکان
ہے جس کا منتہی رب العزت ہے اس
مقام میں نہ گفتگو ہے نہ جستجو چنانچہ
کہا ہے۔

رباعی

در دیده دیده دیده بنهادند
تا از رہ دیده غذا میدادند
تا آنکه بسر حد کمال افتادند
از دیده دیدنی کنوں آزادند

عبارت ازیں مقام منقطع است
و اشارت ناتمام تا ایں ہمہ
پیراں از راه شفقت بر من
اشارت کرده اند۔

فرد

صبر و دل و دین و ہوش جملہ از من گم شدند
روح مجرد بماند کہ دامن دلبر گرفت

بعبارت دیگر گفتہ اند تا بدل خاص و
عام برسد۔ گفت ناسوت صفاتِ
نفس است و ذمیمہ است و چوں
ازیں صفات محو شود از عالم ناسوت

ترجمہ

آنکھ میں پتلی کو رکھا
تاکہ اس کی راه اسکو غذا دی جائے
روح جب کمال کی سرحد پر پہونچ گئی
تو دیکھنے والی آنکھ سے آزاد ہو گیا

اس مقام سے عبارت منقطع ہے
اور اشارت ناتمام یہ سب کچھ
پیروں نے شفقت کی راہ سے مجھے
اشارہ کیا ہے۔

ترجمہ

صبر، دل، دین اور ہوش سب مجھ سے
جاتے رہے جب روح مجرد رہ گئی تو میں
نے دلبر کا دامن پکڑ لیا۔
بالفاظ دگر بیان کیا ہے تاکہ
ہر خاص و عام کی سمجھ میں آ جائے
ناسوت صفات نفس ہیں اور بری
صفات ہیں اور جب یہ صفات محو
ہو جاتی ہیں عالم ناسوت سے نکل

بر آید و بعالم ملکوت برسد و ملکوت
صفات عاقلہ است و ایں جملہ حمید
است و ایں عالم ملکوت است چوں
سالک بتوفیق الہٰی آں را نیز مگذارد
و در عالم جبروت برسد و جبروت
خاص روح است و قریب است
بذات مقدس الہٰی جل ذکرہ و
اشتغال بصفات حجاب ذات آید
بدانکہ مجموع آدمی سہ چیز ست
نفس و دل و روح۔ نفس جائے
شیطان است و دل خواہندۂ جناں
است روح محل نظر رحمان است
و ہر یک را ازیں صفت است
و در خور او صفت نفس میل بدیں
جہاں است و صفت دل آرزوئے
بہشت جاوداں است و صفت
روح طلب حق و اسرار نہاں است
ہر کہ متابعت نفس کند در نار جحیم افتد
و ہر کہ متابعت دل کند در ناز نعیم افتد

کر عالم ملکوت میں پہونچ جاتا ہے
عالم ملکوت قوت عاقلہ کی صفات
کا نام ہے اور یہ سب صفات حمیدہ
ہیں سالک جب ان صفات کو اللہ
تعالیٰ کی توفیق سے طے کرلیتا ہے تو
عالم جبروت میں پہونچ جاتا ہے جبروت
خاص روح کی صفات ہیں اور ذات
مقدس الہٰی سے قریب ہیں اور صفات
کے ساتھ شغل ذات کا حجاب ہوجاتا
ہے۔ جاننا چاہیئے کہ آدمی تین چیزوں
یعنی نفس، دل اور روح کا مجموعہ
ہے۔ نفس شیطان کی جگہ ہے دل
جنت کا خواستگار ہے اور روح رحمان
کی نظر کا محل ہے ان میں سے ہر ایک
کی صفات اس طرح کی ہیں۔ دنیا کی
خواہش کرنا نفس کی صفت ہے۔
طلب حق و اسرار نہاں کی طلب کرنا
روح کی صفت ہے۔ جو نفس کی تابعداری
کرتا ہے وہ دوزخ کی آگ میں گرتا ہے۔

ہر کہ متابعت روح کند در جوار خداوند کریم افتد۔

اور جو دل کی پیروی کرتا ہے وہ جنت میں جاتا ہے اور جو روح کی فرمانبرداری کرتا ہے وہ جوار خداوندی میں پہونچ جاتا ہے۔

رباعی

گر در رہِ تن روی ہیا نار است
ور در رہِ دل روی بہشت دار است
ور در رہِ جان روی تو اے جان آرا
قصہ چہ کنم کہ حاصلت دلدار است

ترجمہ

اگر تو تن (نفس) کی راہ چلیگا تو دوزخ تیرا ہے
اور اگر دل کی راہ چلیگا تو جنت میں تیرا مقام ہے
اور اگر روح کی راہ چلیگا تو اے جان آرا
القصہ تجھکو دلدار حاصل ہو جائے گا

ہر سالک محقق را از خواندن این اسرار خاطر بیار آمد و در سلوک مدد کند۔ چوں رونده را موافق آید اگر بدعا گوید شاید۔

ہر محقق سالک کا ان اسرار کے پڑھنے سے دل آراستہ ہو جائے گا اور سلوک میں مدد ملے گی اور اگر یہ سالک کو موافق آجائے تو میرے حق میں دعا کرے۔

گفتم شریعت است و طریقت است و حقیقت است۔ گفتم مجموع آدمی ہم سہ چیز است نفس و دل و روح وگفتم دنیا جائے نفس است و عقبیٰ

میں نے شریعت طریقت اور حقیقت بیان کی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ آدمی تین چیزوں کا مجموعہ ہے نفس، دل اور روح کا اور یہ بھی

محل دل است و مولی مقصود جان
است و او زانیں ہر سہ ساکن
و مطمئن دنیا و اسباب او ماند و ہر
سہ را امر کردہ اند کہ ازیں موضع بر
آیند و ازیں مقام تجاوز کنند
نفس را امر کردہ اند و سارعوا الیٰ
مغفرۃ من ربکم و دل را فرمودہ
اند واللہ یدعو الی دار السلام
و روح را شنوانیدہ اند کہ یا ایھا
النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ
ربک و ہر سہ را راہ نہادہ اند
نفس را شریعت و دل را طریقت
و روح را حقیقت۔ نفس از راہ
شریعت از عالم ملک بجہان ملکوت
شود و صفات دل گیرد و دل طریق
طریقت از عالم ملکوت با سکان
جبروت پیوند و صفت روح گیرد
و روح بخدمت یزدانی بر درگہ
سبحانی برآید کہ آں حقیقت تا بصفات

کہا ہے کہ دنیا نفس کی جگہ
ہے اور عقبیٰ دل کا مقام ہے اور
مولیٰ مقصود روح ہے اور وہ ان
تینوں سے ساکن اور مطمئن ہے دنیا
اس کے اسباب ہیں اور ہر تینوں کو
حکم کیا گیا ہے کہ اس جگہ سے نکل کر
تجاوز کریں نفس کو حکم کیا گیا کہ اپنے
رب سے مغفرت طلب کرنے میں
جلدی کرے اور دل کو ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ
دارالسلام کی طرف بلاتا ہے اور
روح کو سنایا گیا کہ اے نفس مطمئنہ
اپنے رب کی طرف رجوع ہو اور ہر
تینوں کے لئے راستے مقرر کئے
گئے ہیں نفس کے واسطے شریعت
اور دل کے واسطے طریقت اور روح
کے لئے حقیقت نفس دنیا سے عالم
ملکوت میں جاتا ہے اور دل کی صفات
پاتا ہے اور دل عالم ملکوت کی راہ
عالم جبروت کے سکان سے مل جاتا

قربت متخلق گردند کہ تخلقو باخلاق
اللہ کارے بجائے رفت کہ نفس
دل شود و دل روح گردد تا ہر سہ
حکم گیرد۔ عاشق و معشوق و عشق
ہر سہ بمعنے یکے است و آں را
توحید مطلق خوانند۔

مشایخ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین
گفتہ اند کہ التوحید جمع الھم باجماع
الامم سر ایں معنی است و ازیں
است کہ گفتہ اند کہ ہر جا کہ ہستی روئے
دل بدو آر و ہر حال کہ ہستی راے جان
بحضرت او دار کہ تا مردیک
ہمت و یک نظر نگردند ابواب جمعیت
بروے کشادہ

ہے اور روح کی صفت اختیار کرتا
ہے اور روح خدمت یزدانی میں
پہونچ
جاتی ہے تاکہ وہ قربت کی صفات
سے متصف ہو جائے۔ تخلقو باخلاق اللہ
یہاں تک ہوتا ہے کہ نفس دل ہو جاتا
ہے اور دل روح ہو جاتا ہے اسطرح تینوں
حکموں کی تعمیل ہو جاتی ہے، عاشق
معشوق اور عشق تینوں کے ایک ہی
معنی ہیں اور اس کو توحید مطلق کہتے ہیں
مشایخ رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین
فرماتے ہیں کہ التوحید جمیع الھم باجماع
الامم کا راز اس میں مضمر ہے اور اسی
سبب سے کہا ہے کہ جہاں کہیں بھی ہو
دل اس کی طرف لگا اور جس حال میں
بھی روح ہو اس کو درگاہ خداوندی کی طرف مرکوز
کر آدمی جب تک صاحب ہمت اور
صاحب نظر نہیں ہوتا طمانیت کے
دروازے اس پر نہیں کھولے جاتے

داسباب عزلت اورا آمادہ نشود
چوں ایں دانستی بدانکہ دل بدست
تو نیست وطریقت کہ راہ اوست
کسے معلوم نیست و روح را کسے
نشناسد۔ الاماشاء اللہ وحقیقت
کہ گذرگاہِ اوست در عبارت نیاید
ودر اشارہ نگنجد

ایں جا شریعت ہر کہ خواہد کہ
در طریقت بروبکشایند وحق حقیقت
بدو نمایند۔ گو حقِ شریعت بگزار و
امر و نہی او نگہدار چوں ایں دانستی
بگویم کہ چہ می باید کرد

بداں کہ اے مسعود بطلب ایں معنی
سر مدگشتہ رونده راہ اللہ را سہ حالت است
اول سلوک دوم وقوف سوم رجوع
ودر ہر سہ حال ہیچ نفیح و مضرتے

اور گوشہ نشینی کے اسباب مہیا نہیں
ہوتے جب یہ معلوم ہو گیا تو یہ سمجھ کہ
دل تیرے قبضہ میں نہیں ہے اور
طریقت دل کی راہ ہے کسی کو معلوم
نہیں اور کوئی روح کو نہیں پہچانتا
لیکن وہ شخص پہچانتا ہے جس کو اللہ
توفیق دے اور حقیقت اس کی گذرگاہ
ہے حیطۂ بیان میں نہیں آسکتی
رہی شریعت۔ جو شخص یہ چاہتا ہے
کہ طریقت کا دروازہ اس پر کھول دیا
جائے اور حقِ حقیقت اس کو بتا دیا
جائے اس سے کہہ دیجیے کہ پہلے حقِ
شریعت ادا کرے اور اس کی امر و نواہی پر
نگہ رکھے جب یہ بات سمجھ میں آجائے
تو اب میں بتاتا ہوں کہ تجھ کو کیا کرنا
چاہیے ___ اے مسعود جب
کہ تو اس معنی محمود کی طلب میں سر
گرداں ہو گیا ہے سمجھ لے اللہ کی راہ میں
چلنے والے کی تین حالتیں ہیں اول

نیست بے مشیت وارادت حق
سبحانہ تعالیٰ۔ اما بندہ را باید کہ از
برائے محافظت فرمان وعبد ربک
حتی یاتیک الیقین۔ درکاری
باید بود واز برائے اقامت امر
سیروا سبق المفردون سبک بار
می باید شد تا عنایت در آید و
ہر کہ را حق سبحانہ وتعالیٰ بجود
وبکار خود مشغول کرد تواں دانست
کہ عنایت بر کار او سابق حقیقت
در بار او لاحق است چوں ایں
محقق گشت درکاری باید بود و
انتظاری باید افزود بعد
تحقیق الایمان وصحیح التوبہ مرید

سلوک دوم وقوف تیسرے قبضہ
اور ان میں کسی حالت میں بے حق
سبحانہٗ تعالیٰ نہ نفع ہے نہ کوئی نقصان
لیکن بندہ کو چاہیئے
کہ وعبد ربک حتی یاتیک الیقین
اپنے رب کی عبادت کر حتی کہ تجھ کو یقین
آجائے۔ فرمان کی تعمیل میں ہمیشہ
مشغول رہے اور سیروا سبق المفردون
کے حکم کی تعمیل بجالائے میں تعجیل کرے
یہاں تک کہ عنایتِ حق
مبذول ہو اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ اور
اپنے کام میں جس کو مشغول کر دیتا
ہے تو جاننا چاہیئے کہ اس کے لئے
اس کی عنایت کے دروازے کھل
رہے ہیں۔
جب یہ بات تحقیق ہوگئی تو کام میں
مشغول رہنا چاہیئے اور اس کے
فضل کا انتظار کرنا چاہیئے۔ ایمان
کی تحقیق اور صحیح توبہ کے بعد مرید

را باید که دایم با وضو باشد و پنج
نماز بجماعت بگزارد و نگاه دارد
تا نماز فوت نه شود بلکه چوں
نماز بگزارد و منتظر نماز دیگر باشد
که المنتظر للصلوٰۃ فھو فی الصلوٰۃ
و چوں نماز بگزارد دری که باندازه
وقت بر خود بسته است مشغول
گردد و آں تلاوت کلام اللہ است
و نماز نفل که گفته اند که اگر می
خواہی که حق سبحانه وتعالیٰ با تو
سخن گوید قرآن خواں و اگر خواہی
که تو باخدا سخن گوئی نماز
بگزارد و اخلاص دراں نگاه دارد
و نماز برائے دیگراں مکن و قرآن
برائے دیگراں مخواں و طہارت باطن
با طہارت ظاہر یار کن که ایں ہا

کو چاہیئے کہ ہمیشہ باوضو رہے اور
پانچوں وقت کی نماز جماعت کے
ساتھ ادا کرے اور خیال رکھے کہ نماز
قضا نہ ہو بلکہ جب ایک وقت کی
نماز ادا کر چکے تو دوسرے وقت کی
نماز کا منتظر رہے کیونکہ نماز کا انتظار
کرنے والا ایسا ہے جیسا کہ نماز ہی
پڑھ رہا ہو اور جب نماز پڑھ چکے
تو جن چیزوں کی اپنے اوپر پابندی
کرے ان میں مشغول ہو جائے۔
کلام اللہ کی تلاوت کرے۔ نماز نفل
پڑھے کیونکہ اگر تو چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ
تجھ سے کلام کرے تو اس کا کلام
یعنی کلام مجید پڑھ اور اگر تو یہ چاہتا
ہے کہ اللہ تعالےٰ سے بات کرے
تو نماز پڑھ اور اس میں اخلاص کا
خیال رکھ اور نماز دوسرے کے سامنے
نہ پڑھ اور طہارت باطن کو طہارت
ظاہر کے موافق کرلے یہ جو کچھ کہ

گفتہ ام ہیچ سود نکند تا
اوصاف ذمیمہ نگزارد چوں غل و
و غضب و حسد و بغض و
کینہ و حرص و غیبت و طمع و کبر
و منزلت و جاہ و قبول خلق و ثنا
ایشاں کہ ایں اوصاف نجاست
است و توبہ ازیں اوصاف بمنزلہ
طہارت مر نماز را باطن۔ ہم چناں
کہ بے طہارت ظاہر روا نبود
سلوک کہ نماز باطن است بے
طہارتِ باطن روا نبود والسلام
و در سرور الصدور نوشتہ۔ قال
الشیخ العالم الربانی الامام العامل
الصمدانی قدوۃ المتصوفۃ اسوۃ الصوفیۃ
حمید الحق والملۃ والدین وارث
الانبیاء والمرسلین محمد بن احمد
بن محمود الصوفی السعدی قدس
اللہ روحہ و نور رمسہ۔

میں نے کہا ہے اس سے اس وقت
تک کچھ فائدہ نہ ہوگا جب تک کہ
بری عادتیں نہ چھوڑے گا مثلاً
خیانت و غصہ و حسد و بغض و کینہ
و حرص و غیبت و طمع و کبر و منزلت و
جاہ و قبول خلق اور ان کی تعریف
نہ کرے جو صفات نجس ہیں اور
ان سے توبہ پاکیزگی ہے
نماز کا ایک باطن ہے جیسے کہ بے
طہارتِ ظاہر ظاہری نماز ادا نہیں
ہوتی اسی طرح سلوک جو نماز باطن ہے
بغیر طہارت باطن جائز نہیں ہے
سرور الصدور میں لکھا ہے کہ
شیخ عالم ربانی امام عامل صمدانی
تصوف کے پیشوا صوفیوں کے
سرگروہ حمید الحق والملۃ والدین
مرسلین اور انبیا کے وارث محمد بن احمد
بن محمود صوفی سعیدی (اللہ تعالیٰ ان کی روح
اور اُن کے مزار کو منور کرے)
نے فرمایا ہے!

رباعی

جائیکہ حدیث عشق راند حالم
آنجا نرسد مرغ شود گر قالم
در قال آں فرا تہ کاریست
در من منگر کہ من برانت دالم

الدال علی الخیر کفاعلہ یکے
راہ رود و یکے راہ نماید چوں در
بینی ہر دو را کابر اید فرق دیں
مثال چہ باشد آنکہ راہ رفت است
مقصود بود و راہ نما طفیلی کہ
الدال علی الخیر کفاعلہ پیغمبران
صلواۃ اللہ علیہم اجمعین راہ نما
بودہ اند چہ گویم مقصود بودند
یا طفیلی۔

جواب ا۔ اگر یکے را بدعوت یکے
فرستد داعی طفیلی بود یعنی ما

ترجمہ

جہاں تک میرا حال عشق کی حدیث بیان کرتا ہے،
اگر میرا قال مرغ ہو جائے تو بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا
قال سے درگزر کہ یہ نیچے درجہ کا کام ہے
مجھ کو مت دیکھ میں تو اس پر ہمیشہ قائم ہوں

نیکی کا راستہ بتانے والا نیکی کرنے
والے کے مثل ہے ایک راستہ چلتا
ہے اور ایک راستہ بتاتا ہے اگر
تو غور کرے گا تو معلوم ہوگا کہ دونوں
اپنے اپنے کام کرتے ہیں اس مثال
میں فرق کیا ہے یہی کہ راستہ چلنا
مقصود تھا اور راستہ بتانا طفیل
جیسا کہ الدال علی الخیر کفاعلہ
سے ظاہر ہے۔ جملہ پیغمبر صلواۃ اللہ
علیہم اجمعین راہ نما ہوئے ہیں میں
کیا بتاؤں کہ مقصود تھے یا طفیلی
جواب ا۔ اگر کسی کو کسی کی دعوت کے
لئے بھیجیں تو دعوت دینے والا طفیلی

دعوت آمادہ کردہ ایم و مقصود
اوست تو بردباش بیا کہ طفیل
روئی چنانچہ جبریل را صلوات اللہ
علیہ بدعوت محمد مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم فرستادند محمد مقصود بود
و جبریل قاصد و اگر یکے بقومے
فرستند کہ ایشاں را بیارے یکے مقصود
آں کے بود و آں قوم طفیلی او
چوں مہمان عزیز بود طفیلی بیشتر
خواہد چنانچہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم کہ مقصود آفرینش بود
لولاک لما خلقت الافلاک
محمد صلی اللہ علیہ وسلم مہمان خانہ
ساختہ ایم دعوتے پرداختہ۔
مقصود از آں توئی۔

ہوگا یعنی ہم نے جس کی دعوت
کی تیاری کی ہے وہ مقصود ہے

اس کی مثال یہ
ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کی دعوت کے واسطے جبریل علیہ
السلام کو بھیجا گیا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم
مقصود ہوئے اور جبریل قاصد یا طفیلی
اور اگر کسی قوم کے پاس بھیجا جائے
کہ ان کو بلا کر لے آؤ تو چونکہ مقصد
ایک ہی ہے اس لئے وہ مقصود
ہوا اور وہ قوم اس کی طفیلی ہوئی
جب مہمان معزز ہوتا ہے تو طفیلی
بھی زیادہ ہوتے ہیں جیسا کہ محمد
صلی اللہ علیہ وسلم مقصود تھے۔
لولاک لما خلقت الافلاک
اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے
مہمان خانہ بنایا ہے اور دعوت دی
ہے جس کا مقصد آپ خود ہیں

ودر دعوتے کہ چوں توئی مہمان
بود طفیلی بیشتر باید بود گرسنگان
عجم و تشنگان وادی عرب را با
خود بیار کہ فتوت پیشہ تست
وخود اندیشہ تو جواں مردی نبود
تنہا بر خوان کریماں نشستن ۔
انا ارسلنک شاھدا و مبشرا و
نذیرا و داعیا باذن اللہ سراجا منیرا

اور جس دعوت میں آپ جیسا مہمان
ہو اس میں بہت سے طفیلی ہونے
چاہئیں اور عجم کے کوہستانی بھوکوں
اور وادیٔ عرب کے پیاسوں کو اپنے
ہمراہ لائیے کیونکہ آپ فتوت پیشہ
ہیں اور بخشش آپ کا شیوہ ہے
کریم کے دستر خوان پر تنہا بیٹھنا
جواں مردی کے خلاف ہے ۔

اقوالِ زریں حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری

ترک طلب فرمایا کہ اہل شبہ کے مانند حق تعالیٰ کا طالب نہ ہو اور
معطلوں کی مانند ترکِ طلب نہ کر خداوند تعالے
کسی ایک جہت میں نہیں کہ تو اسے ڈھونڈے اور کسی مکان میں نہیں
جہاں اسکی جستجو کرے۔ وہ آنے والا نہیں کہ کوئی اس کو بلائے ۔ وہ دور نہیں
کہ کوئی اس سے نزدیک ہو۔ وہ گم شدہ نہیں کہ کوئی اس کو تلاش کرے۔
وہ زمانی نہیں کہ کوئی زمانہ کا منتظر ہو یہ سب طلب کی نفی ہے پس اثبات
یہ ہے کہ اپنی اور اپنے اوصاف کی نفی کرے یعنی بشریت سے گزر
جائے اور ہر چیز سے علیحدگی اختیار کرے طلب یہ نہیں کہ اس کا اثبات کرے طلب
یہ ہے کہ اپنی ہستی کو مٹا دے۔ طلب یہ نہیں کہ اس کی طرف دوڑے طلب

یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس میں فنا کر دے۔ طلب یہ نہیں کہ تو اس کو ڈھونڈے
طلب یہ ہے کہ خود گم ہو جائے۔ آئینہ کو صاف کر جب صاف ہو ضروری الوجود ہے

سلوک | فرمایا کہ سلوک کا پہلا مرتبہ یہ ہے کہ دو جہاں سے فارغ ہو اور
مقصود یہ ہے کہ خود نہ رہے ایک راہ درپیش ہے تاریک اور دراز اور
تجھ کو ایک عمر دی ہے بے ثبات اور کوتاہ۔ اس تاریکی میں تیرے واسطے
مطلع عنایت سے ایک چاند طلوع کیا گیا ہے اٹھ اور دوڑ اور اس ماہ منیر کو غنیمت جان
اور اس عمر کو گذرا ہوا ـــــ اور اپنے آپ کو مردہ سمجھ

جانیست ہر آئینہ بخواہد رفتن
اندر غم عشق تو رود اولیٰ تر

تو بستر راحت پر سویا ہوا ہے اور نہیں جانتا کہ محبت کا دعویٰ کرنا کس
کا کام ہے جو محبت کا دعویٰ کرے اور جب رات پڑ کے سوتا ہے اس
کا نام جھوٹوں کے دفتر میں لکھیں گے۔

شریعت و طریقت | فرمایا کہ جس طرح اپنی جان اور تن کو جانتے ہو اسی
طرح شریعت و طریقت کو سمجھو طریقت جان شریعت تن ہے۔ آپ سے دریافت
کیا کہ ارباب شریعت اور اصحاب طریقت کی راہ کونسی ہے ارشاد فرمایا کہ اہل شرع
کی راہ نفس حال سے باہر آنا اور بفکر ذات حق کی طرف متوجہ ہونا اور سالکان
طریقت کا رستہ جان و دل سے گزرنا اور راہ وحدت میں قدم رکھنا ہے۔

دیدار خدا | آپ سے دریافت کیا کہ مالک الملک کہاں ہے کہ اس کی

طرف توجہ کی جائے۔ فرمایا کہ کونسی جگہ ہے جہاں وہ نہیں اینما تولو فثم وجہ اللّٰہ (جہاں تم ہو گے اللہ تعالیٰ کا رخ ہو گا) آپ سے استفسار کیا کہ کیا کسی نے اس کو دیکھا ہے جو دوسروں کو دکھا سکے۔ فرمایا ہاں اس نے دیکھا ہے جس کی آنکھیں ہیں بلکہ اس نے دیکھا ہے کہ جس کی آنکھیں نہیں

فقر — جب پوچھا کیا آتشِ دوزخ کا درویشوں سے کچھ تعلق ہے فرمایا کہ نارِ دوزخ اہلِ فقر کے ساتھ کچھ آویزش اور آمیزش نہیں رکھتی۔ بہشت کی آگ فقر کی تاب نہیں لا سکتی مگر فقر کدھر ہے اور فقرا کہاں ہیں۔ فرمایا فقر ایک سیاہی ہے کہ الفقر سواد الوجہ فی الدارین۔ چہرہ کی سیاہی چاہیئے تاکہ فقر کی روشنی سینہ میں چمکے۔

ارشاد فرمایا کہ فقر امر عدمی ہے اور عدم کے ساتھ فخر کرنا مذموم ہے اور اس کے وجود کے ساتھ فخر کرنا محمود ہے اسی سبب سے حضرت خواجہ عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا و آخرت پر فخر نہیں کیا مگر جب فقر کا معاملہ آیا تو فرمایا کہ الفقر فخری۔ یعنی فقر میرا فخر ہے۔

حضرت صوفی سلطان التارکین کا مقام تبلیغ

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغِ چشتیاں ہرگز نمیرد

حضرت خواجہ بزرگ خواجہ غریب نواز نے تبلیغ و اشاعت کے لئے ہندوستان میں سب سے پہلے اجمیر شریف کو اپنا مرکز بنایا اس کے بعد ناگور اور دہلی میں اپنے خلفائے عظام حضرت صوفی سلطان التارکین اور حضرت بختیار کاکی علیہ الرحمان کو مقرر فرمایا جنھوں نے اجمیر کا نام خوب روشن کیا۔

اجمیر شریف میں حضرت خواجہ بزرگ کے مقام کی مدت اندازاً چالیس سال ہے اس عرصہ میں آپ نے علاوہ مجاہدات و مشاغل ذاتی اپنی تعلیم کی اشاعت و تبلیغ کر کے برصغیر ہندوستان میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دکھایا

حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین حسن چشتی رح کی ذات آفتاب درخشاں کی مانند ہے جس کی تجلیوں کے سامنے تمام روشن ستارے ماند ہیں حضورِ سلطان الہند کی تبلیغی مہم کوئی رازِ سربستہ نہیں۔ آپ یہاں تنہا بلا خوف تشریف لائے اور وہ بھی اس عالم میں کہ آپ کے ساتھ نہ تو کوئی فوج تھی نہ کسی سلطان وقت کی اعانت و امداد آپ کو حاصل تھی آپ چند معتقدوں کے ساتھ وارد ہند ہوئے آپ کی زبان بھی اجنبی تھی۔ نہ کسی کی بات سمجھ میں آتی تھی نہ کسی کو اپنا مافی الضمیر سمجھا سکتے تھے۔ تبلیغ میں کتنی دشواریاں پیش آئی ہیں اس کا اندازہ آسان نہیں

اور پھر حالات ہند کے پیشِ نظر تو یقین ہی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ یہاں اس دین کی تبلیغ جس کی تمام مطبوعات عربی میں ہیں جس کا سارا پیغام عربی میں ہے کبھی رائج ہو سکے گا اور اسے یہاں سربلندی بھی حاصل ہو سکے گی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ جس قوم میں بھی کسی نبی کو ہدایت کے لئے بھیجتا تھا۔ اس کے لئے یہی سہولتیں بہر حال ہوا کرتی تھیں وہ اسی قوم میں پیدا ہو کر ان کی اصلاح کیا کرتا یا کسی قوم کی زبان۔ تاریخ۔ عادات و اطوار کا پورا علم لیکر کسی قوم میں احقاقِ حق کے لئے پہونچتا تھا اس اہتمام و التزام کے تحت انبیائے اسرائیل نے تبلیغِ حق کے لئے جو کاوشیں کیں وہ کس حد تک کامیاب ہوئیں حالانکہ انھیں اپنی قوم میں رہ کر تبلیغ میں بڑی مراعات حاصل تھیں۔ انھوں نے اپنی صداقت اور بے داغ کردار سے ایک اعتبار و اعتماد حاصل کرنے کے بعد اعلان حق کیا اور اس کے باوجود کیا نتائج برآمد ہوئے یہ حقیقت محتاج بیان نہیں مگر حضرت خواجہ غریب نواز کی تبلیغ نے کیا کارِ نمایاں انجام دیا اس پر عقل حیران ہے۔ آپ کی تبلیغ نے ہندوستان میں وہ کام کیا جو مسلم فاتحین نہ کر سکے۔ فرماں روایانِ ہند کی تلوار ہندوستانیوں کے دلوں میں اسلام کے لئے مقام پیدا نہ کر سکی مگر حضرت غریب نواز نے اپنی روحانی قوتوں سے ہندوستان کا نقشہ بدل دیا۔

آپ نے تبلیغ کے لئے ہندوستان میں بڑے تدبر اور ضابطہ سے کام لیا۔ ایک مرکز بنا کر خود قیام فرمایا اور مرکز کے لئے اس مقام کو تجویز فرمایا جہاں کفر و جہالت کی تاریکی نسبتاً پورے ہندوستان سے زیادہ تھی یا یوں کہہ

لیا جائے کہ ہندوستان کے مرکز کفر کو تبلیغ دینِ حق بنا یا۔ اپنے نائبین تیار کیئے اور ان کو بلادِ ہند میں پھیلا دیا خود پوری عمر تبلیغ کرتے رہے اور اپنے نائبین کی نگرانی فرماتے رہے اور ان کی ایسی تربیت کامل کی کہ آپ کی رحلت کے بعد بھی اس نظامِ تبلیغ میں کوئی رخنہ نہ پڑا تبلیغ بدستور جاری رہی اور ہندوستان میں اسلام کا بول بالا ہو گیا۔ ہندوستان میں، جہاں ان گنت بولیاں بولی جاتی ہیں تبلیغ کی یہ کامیابی حضور غریب نواز کے مقام کو رفیع تر کر دیتی ہے۔ ایک طرف تو بنی اسرائیل کے مکرم انبیا اور ان کی تبلیغ کے نتائج سامنے ہیں۔ ایک طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کا یہ کارنامہ۔ فکرِ انسانی اگر اس مقام پر خواجہ بزرگ کے آستانہ پر سجدہ گذار ہو جائے تو کم ہے۔

آپ نے اپنی حیات ظاہری میں ۲ لاکھ ۹۳ ہزار افراد کو حلقہ بگوش اسلام کیا اور یہ مسلمان ایسے نہ تھے جو کلمۂ طیب کے سوا کچھ نہ جانتے تھے وہ مسلمان ایسے نہ تھے جو کسی جبر و اکراہ سے داخل اسلام ہوئے تھے وہ اسلام قبول کرنے کے بعد کبھی اسلام سے نہ پھرے بلکہ ان میں بڑے بڑے کاملین پیدا ہوئے ان میں سے ایسے مبلغین پیدا ہوئے جنہوں نے اسلام کو سیلون برما اور چین کی حدود تک روشناس کرا دیا۔ اگر تبلیغ دین کے اعتبار سے اور اعلائے کلمۂ حق کے اعتبار سے مدارج اولیا کا تعین کیا جائے تو تمام اولیاء سے روئے زمین پر حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ معین الدین حسن چشتی رح کا مقام سب سے اعلیٰ اور اکمل ہے۔

آپ چونکہ ایک بلند مرتبت نباضِ فطرت تھے اس لئے آپ نے اپنی

وسیع النظری سے اہل ہند کے امراض کی تشخیص فرمائی اور ان کا خاطر خواہ ازالہ فرمایا۔

ع بادوستاں تلطف بادشمناں مدارا۔ آپ کا ہر دلعزیز مسلک تھا جو شخص آپ کے فیض صحبت سے مشرف ہوتا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا وہ آپ کے رنگ میں رنگ جاتا۔ آپ نے اسوۂ اخلاق محمدی کا خود نمونہ بن کر مثال پیش کی، اور اپنے عمل و کردار سے اہل ہند کو مائل بعمل کر دیا اور ان کو ایسی طمانیت قلب عطا فرمائی جس کے وہ متلاشی تھے۔

آپ کی اس خاموش تبلیغ کا نتیجہ یہ نکلا کہ کسی معاند و معترض کو مخالفت کا کبھی موقع نہیں ملا اور موقع بھی کیسے ملتا جب کہ آپ کی قلبی و باطنی تبلیغ ہر طرح کے ازم سے آزاد و مبرا تھی۔

انبیاء و مرسلین کا کام یہی ہوتا ہے کہ ارواح کی مختلف اغراض کو ایک غرض مشترک بنا دیں اور تمام ارواح مل کر ان کی تعلیم کے مطابق اس غرض مشترک کے حصول کے لئے کوشاں ہوں اور نبی یا مصلح کے گرد ایسی جماعت بن جائے کہ اس کے افراد ہزار قالب و یک جان کے مصداق ہو جائیں اور ایسا معلوم ہو کہ ہر روح نے دوسری تمام روحوں کو اپنے اندر سما لیا ہے۔

تمام مصلحین کی یہی جدو جہد رہی ہے کہ ایک ایسی جماعت کا نظام تشکیل پائے جو سیاست انسانیہ میں توحیدی حقیقت کے شعور کی حامل ہو اور دلوں میں ایسی وسعت پیدا کرے کہ ان میں توحید اغراض ہو اور تعصب لسانی وطنی و قومی و مذہبی و جنسی کی بنیادیں منہدم ہو جائیں تاکہ دلوں میں

ممکنہ حد تک وسعت پیدا ہو جائے اور متحد ہو کر انسانی فلاح و بہبود کے لئے کوشاں ہوں۔ جب ایسی صورت ظہور پذیر ہو جائے تو انسانی جماعت کے تمدن کو ایسا ارتقاء و کمال حاصل ہو گا جس کی نظیر تاریخ میں شاید و باید ہی مل سکے گی کیونکہ تاریخ کے ہر دور میں تعصبات نسلی و قومی۔ نزاعات وطنی و حدود جغرافیائی۔ اختلافات مذہبی و جنسی اس وحدت و ہم آہنگی کی راہ میں سد راہ رہی ہیں۔

جملہ سلاسل طریقت اس حقیقت واقعی کے معترف ہیں اس سے تعلیم چشتیہ کی رفعت و عظمت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ چشتیوں نے سماع کی محفلوں کو اپنا ذریعہ تبلیغ بنایا ہے۔ صاحب معین العارفین نے بھی کچھ اسی قسم کا خیال ظاہر کیا ہے مگر ان کا یہ خیال لغو و بے بنیاد ہی نہیں بلکہ مضحکہ خیز بھی ہے لغو تو اس معنی کر کہ ان کے پاس کوئی تاریخی شہادت اس امر کی نہیں جس کی رو سے وہ یہ ثابت کر سکیں کہ سماع کے ذریعہ کسی چشتی بزرگ نے کسی شخص کو داخل اسلام کیا ہو۔ مضحکہ خیز اس معنی میں کہ کوئی ذی عقل و ذی شعور یہ باور کرنے کو تیار نہیں کہ اہل ہند نے گانے کے شوقین ہونے کی بنا پر اپنے آبائی مذہب کو خیر باد کہہ کر دین اسلام قبول کر لیا۔ چشتیوں پر یہ محض الزام و بہتان ہے۔

اجمیر شریف کے بعد آپ نے دہلی اور ناگور میں اس مقصد کے لئے اپنے خلفائے عظام مقرر کیئے۔ دہلی میں حضرت بختیار کاکیؒ اور ناگور شریف

میں صوفی حمید الدین الملقب ب سلطان التارکین رحؒ۔
دہلی میں تبلیغی کارہائے نمایاں حضرت بختیار کاکی رحؒ اور خلفاء کے ہاتھوں سرانجام پائے وہ محتاج بیان نہیں کیونکہ ان کا ذکر کسی نہ کسی تذکرہ میں مل جاتا ہے البتہ ناگور شریف اور راجستھان کے دیگر اہم مقامات کا حال تا ایں دم پردۂ اخفا میں ہے کیونکہ کسی تذکرہ نویس یا سیر نگار نے اس موضوع پر کچھ نہیں لکھا۔ ہم کتاب ہٰذا میں حضرت سلطان التارکین رحؒ اور ان کے خلفا و پسماندگان کے حالات میں اس موضوع پر کافی روشنی ڈال چکے ہیں یہاں ان حضرات کی مساعی جمیلہ کا مختصر سا جائزہ لیتے ہیں۔
حضرت سلطان التارکین رحؒ علاوہ عربی اور فارسی زبانوں کے ہندی زبان پر بھی کافی عبور رکھتے تھے۔ سرور الصدور میں مذکور ہے کہ "آپ بزبانِ ہندی شعر خوب می گفتند"۔
چنانچہ آپ نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کو اپنا ذریعۂ تبلیغ بنایا۔ آپ کی تصانیف کا تبلیغی جائزہ ہم اس کتاب ہٰذا میں تبحر علمی کے عنوان کے تحت لے چکے ہیں۔
ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی ناگور شریف کے متعلق اپنے معتدر جریدہ Nagore A forgotten Kingdom میں اس طرح رقمطراز ہیں۔
"In fact the part played by the Saints has remained common

knowledge, while political strifes have been forgotton. Specially this was the period when Muslim monuments began to be erected at Nagore was not contemporaneous. About the latter Hamidud-Din it is mentioned in Akhbarul Akhyar that he was the first Muslim child to be born in Delhi after its capture by the Mussalmans. From this the numb[er] of the Muslims at that time in India can be estimated. Mr. Garrick, basing his statement on some local authorities, has asserted that both these saints of Nagore were the first two Mussalmans to settle down at Nagore, which is obviously contrary to history, as we have noted above from the time of Muhammad Bakhti[yar]

onwards. Long before these two saints a good many prominent Mussalmans lived there, as is attested by their graves. No doubt, these two saints of Nagore and other great names in arts and letters have contributed a great deal to the greater fame of the city and to the cultural history of the Mussalmans of India in general."

شیخ فریدالدین چاک پراں رح۔ شیخ کبیر رح۔ مولانا ضیا نخشبی رح خواجہ مخدوم حسین ناگوری رح۔ شیخ احمد مجد شیبانی رح آفتاب صوفی حمیدالدین سلطان التارکین رح کی درخشندہ شعاعیں ہیں جن کی اعلیٰ تعلیم کے انوار سے راجستھان کے ریگزار کا ذرہ ذرہ منور و مجلی ہوگیا۔ ان مصلحین امت نے نہایت اخلاص و دردمندی سے اپنے عہد کے مسلمانوں کے اخلاق۔ مذہبی رجحانات اور معاشرت و سیاست کی اصلاح کا کام انجام دیا اور علما کی اور حق گوئی سے سلاطین و امرائے وقت کے افعال و کردار کو تنقید کا نشانہ بنائے رکھا۔

پسماندگان و خلفاء۔ حضرت شیخ بزرگ شیخ حمیدالدین صوفی سلطان التارکین رح کے دو صاحبزادے تھے۔ بڑے شیخ عزیزالدین اور چھوٹے شیخ

نجیب الدین۔ چھوٹے صاحبزادے کا انتقال بچپن ہی میں ہوگیا تھا۔

شیخ عزیز الدین آپ کا اسم مبارک محمد سعید صوفی ہے آپ سلطان التارکین رح کے فرزند رشید تھے۔ آپ کا شمار صوفیائے کاملین میں ہوتا ہے۔ اپنے والد بزرگوار کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ عنفوان شباب میں بحالت وجد و سماع واصل بالحق ہوئے۔ واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ نفلی عبادت کی ایک رات کسی صوفی کے مکان پر محفلِ سماع گرم تھی جب قوال نے یہ شعر گایا

"جاں بدہ و جاں بدہ و جاں بدہ"
فائدہ گفتن بسیار چیست

(یعنی زیادہ قیل وقال سے کچھ فائدہ نہیں۔ جان دیدے، جان دیدے اور جان دیدے)

آپ نے زور سے ایک نعرہ لگایا اور فرمایا "دادم۔ دادم" اور جان بحق تسلیم کی (رحمتہ اللہ علیہ) یہ شعر آپ کے والد بزرگوار حضرت سلطان التارکین رح کی غزل کا ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

مست شدی جستن خمار چیست
پست شدی گفتن اسرار چیست

آپ کی تاریخ وفات ۲۲ رجب یوم دوشنبہ سنہ ۶۷۶ھ ہے۔

حضرت فرید الدین چاک پراں فرماتے ہیں کہ قد توفی الجد استاذی عزیز الملۃ والدین ماجاء المریدین مقتداان لیکن محمد سعیدی بن احمد صوفی وقت الضحی یوم الاثنین الثانی والعشرین من اللّٰہ سنہ رجب ۶۷۶ھ

آپ کا مزار حضرت سلطان التارکین رح کے مزار شریف کے برابر ناگور شریف میں ہے۔

آپ ایک عالم صوفی تھے آپ نے تفسیر امام ناصر الدین لکھنا شروع کیا ہی تھا کہ واقعہ مذکور کی بنا پر آپ کا انتقال ہو گیا ان کے بعد ان کے صاحبزادے فرید الدین نے اس کام کو سر انجام دینا چاہا اس پر حضرت شیخ بزرگ سلطان التارکین رح نے فرمایا۔ فرید جو تفسیر تمہارے والد لکھ رہے تھے وہ ادھوری تھی مگر ذاکروں کے لئے جو تفسیر مفید ہے وہ راہ رو را وجہ کی جو حمید الدین ہندال کے پاس ہے۔!

شیخ عبد العزیز کا ارشاد ہے کہ درویش کے لئے بجز ایک زحمت زحمت ہی رحمت ہے اور تونگر کے لئے بجز ایک راحت زحمت ہی زحمت ہے دریافت کرنے پر آپ نے اس کی وضاحت یوں فرمائی کہ۔

"درویش کی زحمت تو یہ ہے کہ وہ بھوکا رہتا ہے اور تونگر کی رحمت یہ ہے کہ شکم سیر رہتا ہے"۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ دادی صاحبہ کی نصیحتوں میں سے مجھے ایک نصیحت بہت پسند ہے وہ فرمایا کرتی تھیں کہ " عزیز بھلو بوئیں" برو نہ بوئیں اور سب کو پیارے ہوئیں۔

شیخ عبد العزیز کے تین فرزند تھے۔ شیخ وحید۔ شیخ فرید اور شیخ نجیب ان تینوں کے بارے میں خواجۂ بزرگ نے فرمایا تھا کہ

وحید وحید من است ۔۔۔ د آنجناں وحید میری طرح وحید یگانہ فرد ہے)

شد کہ وے فرمودہ بود مجرد و بے تعلق و فرمود۔

فرید صاحب سجادہ من است نجیب صاحب دیوان است ہم چناں واقع شد کہ او خبر دادہ۔

فرید میرا صاحب سجادہ ہے اور نجیب صاحب دیوان ہے چنانچہ آپ کے ارشادات صحیح ثابت ہوئے وحید دنیا سے بے تعلق اور آزاد رہے فرید صاحب سجادہ بنے اور نجیب صاحب دیوان ہوئے۔

شیخ وحید الدین آپ شیخ عزیز الدین کے فرزند اور حضرت سلطان التارکین رح کے پوتے ہیں۔ آپ کا اسمِ مبارک شیخ احمد سعید صوفی اور عرف شیخ وحید الدین تھا۔ آپ کو ذوقِ سماع بہت تھا۔ صاحب علم ظاہر و باطن اور عارف کامل تھے۔ اپنے دادا حضرت شیخ حمید الدین صوفی رح کے مرید تھے۔ آپ پر شیخ بزرگ صوفی رحمتہ اللہ علیہ کی خاص توجہ تھی شیخ بزرگ آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ وحید مجھ جیسا وحید (یکتا) ہے۔ شیخ بزرگ کی یہ تعریف آپ کے حق میں کافی ہے۔ یہ شعر آپ کا ہے۔

گر دی تو ندیم خود ز بدبختی خویش
محمد شاہ جنگی و حسام الدین درویش

معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے کئی صاحبزادے تھے مگر آپ کی نسل آپ کے

صاحبزادے شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ تھے شیخ محمد کے دو صاحبزادے تھے بڑے شیخ نظام الدین اور چھوٹے شیخ شمس الدین۔ شیخ نظام الدین کی اولاد زیادہ تر قصبہ جھنجھنوں میں ہے اور شیخ شمس الدین کی اولاد ناگور میں ہے مخدوم حسین ناگوری۔ خواجہ حاجی نجم الدین پروانہ فتحپوری جیسے کامل بزرگ حضرت شیخ نظام الدین کی اولاد میں سے تھے۔ مولف کتاب ہذا (عاصی احسان الحق فاروقی) بھی حضرت شیخ نظام الدین'' کی اولاد سے ہے۔ شیخ وحید نے بھی اپنے والد کے انتقال کے بعد اپنے دادا شیخ بزرگ صوفی حمید الدین رح کی حین حیات میں انتقال کیا اس لئے شیخ بزرگ کے انتقال کے بعد حضرت فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ صاحب سجادہ ہوئے۔ شیخ وحید نے بروز جمعہ گیارہویں شب ماہ جمادی الثانی ۶۶۳ھ میں بعد نماز عشا وفات پائی حضرت شیخ فرید الدین چاک پراں نے خود آپ کی تاریخ وفات یوں بیان کی ہے۔ قدم الی اللہ الاحد شیخ الصوفیہ اخی الاکبر الازہد وحید الملۃ و الدین حمید الاسلام والمسلمین احمد سعیدی بن محمد سعیدی فی لیلۃ الجمعہ بعد صلوٰۃ العشاء الحادی العشر من جمادی الآخر ۶۶۳ھ ستہ وسبعین وستمایہ آپ کا مزار ناگور میں آپ کے دادا بزرگوار کے مزار کے قریب ہے۔

شیخ نجیب الدین

آپ حضرت شیخ عزیز الدین کے بڑے صاحبزادے
اور شیخ بزرگ کے پوتے ہیں۔ آپ کا نام ابراہیم سعید صوفی اور عرف شیخ
نجیب الدین ہے۔ آپ بھی وجد و سماع کے شائق اور ایک مکمل صوفی تھے
اپنے دادا حضرت شیخ بزرگ کے مرید اور صاحب علم باطن مظاہر تھے
حضرت شیخ بزرگ کا آپ کے واسطے ارشاد ہے کہ نجیب نجیب ہے اور
صاحب دیوان ہے۔ چنانچہ حضرت سلطان التارکین رح کا یہ قول صادق آیا
حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدین محبوب الٰہی سے آپ کی دوستی تھی۔
شیخ نجیب الدین کے چار لڑکے تھے ان کے نام تحقیق طور پر معلوم نہیں ہو سکے
ہمارے شجرے میں لکھا ہے کہ آپ کی اولاد قصبہ بوندیلہ اور دوسرے
قصبوں میں ہے۔ دہلی میں بھی آپ کی اولاد تھی شیخ عزت اللہ اور شیخ
عبد الرحیم ان کی اولاد سے دہلی میں تھے آپ کی وفات ۲۷ صفر سنہ ۷۴۲ھ
ہوئی۔!

شیخ فرید الدین | آپ شیخ عزیز الدین کے صاحبزادے اور شیخ بزرگ
حضرت سلطان التارکین حمید الدین صوفی رح کے پوتے ہیں آپ کا اسم مبارک
شیخ محمد سعید صوفی اور لقب فرید الدین چاک پراں ہے۔ وجہ تسمیہ چاک پراں
یہ ہے کہ قریب ایک من وزنی چاک جونا گور کے لال پتھر کا بنا ہوا تھا

آپ گلے میں ڈال کر بحالت سکر ناگور سے دہلی تشریف لے گئے تھے۔
آپ شیخ المشائخ محبوب الٰہیؒ کے ہمعصر صاحب مقام اور جامع علم ظاہر و باطن تھے۔ آپ کو وجد و سماع کا بہت شوق تھا اپنے دادا بزرگوار کے مرید اور خلیفہ تھے اور علم ظاہر بھی ان سے ہی حاصل کیا تھا شیخ بزرگ کے انتقال کے بعد آپ مسند سجادگی پر بیٹھے آپ نے اپنے دادا کے ملفوظات کو ایک کتابی شکل میں ترتیب دیا جو سرور الصدور کے نام سے موسوم ہے۔ آپ نے اپنی سکونت ناگور کے بجائے دہلی میں اختیار کرلی تھی آپ کا مزار پر انوار حضرت خواجہ قطب الدین کو جاتے ہوئے جانب جنوب بجے منڈل کی طرف ہے۔ اسی جگہ آپ رہتے تھے اور وہیں وہ پتھر بھی پڑا ہوا ہے۔

تاریخ وفات آپ کی وفات اتوار کے دن ظہر کے وقت یکم جمادی الاول سنہ ۷۳۴ھ واقع ہوئی اور ایک روایت کے مطابق آپ کی وفات کا سن ۷۸۱ھ ہے کسی صاحب نے آپ کی تاریخ وفات کہی ہے

مصرع **بہ لقائے حبیب شد محرم** ۷۸۱

شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے سات صاحبزادے تھے ان میں سے ایک صاحب علم ظاہر و باطن تھے اور اپنے دادا بزرگوار کے مرید و خلیفہ تھے آپ کے صاحبزادوں کی تفصیل یہ ہے کہ سب سے بڑے شیخ اوحد الدین احمد دوسرے عزیز الدین تیسرے ناصح الدین۔ چوتھے معین الدین پانچویں منظر الدین چھٹے سعیدی بزرگ ساتویں سب ہی خورد

سلطان محمد تغلق کو مشائخ سے خصوصاً حضرت سلطان المشائخؒ

اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی سے بہت عداوت تھی لیکن حضرت فرید الدین چاک پراں سے بے حد اعتقاد تھا یہاں تک کہ سلطان نے اپنی لڑکی شیخ فرید الدین کے پوتے فتح اللہ کے ساتھ نامزد کی اور ایک عریضہ حضرت فرید الدین کی خدمت میں بھیجا۔ کہتے ہیں کہ شیخ فتح اللہ بن شیخ احمد الدین بن شیخ فرید الدین چاک پراں واحد العین (کانے) تھے۔ ایک دن آپ بچوں میں کھیل رہے تھے۔ بچوں نے آپ کو طعنہ دیا کہ تم کانے ہو کانے تم کو کون لڑکی دے گا آپ روتے ہوئے اپنے دادا بزرگوار شیخ فرید الدین کے پاس گئے اور یہ حال بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں سلطان محمد تغلق کی لڑکی تیرے لئے لاؤں گا۔ تھوڑے دنوں بعد سلطان محمد تغلق نے اپنی لڑکی کی خانہ آبادی کی بابت آپکو رقعہ لکھا جس کی نقل یہ ہے۔

عریضہ معابدت سلطان محمد تغلق بن تغلق شاہ بجانب شیخ فرید الدین چاک پراں

ترجمہ	شعر
دنیا کے بادشاہوں کی کیا مجال تھی کہ ہماری لونڈی تک کا نام لیتا مگر میں اپنی لڑکی کا پیغام پیش کرتا ہوں مہربانی فرما کر قبول فرمائیں۔ عریضہ کا جواب قطب عالم حضرت شیخ فرید الدین نے یہ لکھ کر بھیجا تھا۔	لقد البصرت من حن د لیکن علیک من الوری وقع اختیادی

بیت	ترجمہ
انصاف کن فریدا با او ترا چہ نسبت	فرید انصاف کر اس سے تجھکو کیا نسبت
تو مفلس او تونگر او شاہ تو فقیری	تو مفلس وہ تونگر وہ بادشاہ تو فقیر ہے

اس پر سلطان محمد تغلق نے پھر لکھا کہ میں غلام غلامان ہونے کا متمنی ہوں میری درخواست قبول فرماویں۔ شیخ فرید الدین نے پھر بادشاہ کو لکھا

بیت	ترجمہ
مائیم نوائے بے نوائی	ہم بے سروسامان ہیں اگر آپ بھی
بسم اللہ اگر حریف مائی	ایسے ہی ہیں تو پھر بسم اللہ۔

کہتے ہیں کہ سلطان محمد تغلق نے شادی کی تیاری شاہانہ طور پر کی اور شیخ کو کہلا بھیجا کہ براتی کثیر تعداد میں لائیں۔ شیخ فرید الدینؒ صرف دو تین براتی ساتھ لے کر دہلی روانہ ہو گئے۔ بادشاہ کی طبیعت پر یہ بات گراں گذری آپ سے اس نے کہا حضرت میں نے بہت بڑی برات کے کھانے کا انتظام کیا ہے۔ آپ نے فرمایا برأت آتی ہے۔ آپ نے دو رکعت نماز نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ایک جماعت مردانِ غیب کی آئی اور تمام مٹھائی اور کھانا جو بادشاہ نے برات کے لئے پکوایا تھا چٹ کر گئی۔ شادی کے بعد بادشاہ نے اپنے داماد یعنی حضرت شیخ فرید الدین کے پوتے شیخ فتح اللہ کو بہت بڑی جاگیر اور دولت عطا کی اور شاہی محل رہنے کو دیا لیکن شیخ فتح اللہ کے دل سے اپنے گھر کی یاد کبھی نہ گئی۔ اکثر یہ رباعی ورد زبان رہتی۔

رباعی	ترجمہ
دہلی مرا بجائے ناگور نشد	دہلی میرے لئے ناگور نہ بن سکی
اینجا دلِ غمگین من مسرور نشد	یہاں میرا دل بجائے خوش ہونیکے غمگین رہتا ہے
ہرچہ نگارخانہ دادند مرا	اگرچہ ایک نگار خانہ مجھ کو دیگیا ہے
واں چھپرۂ کہنہ زدل دور نشد	لیکن اس چھپر کی یاد دل سے دور نہ ہوئی

جب وطن کی یاد نے آپ کو زیادہ ستایا تو آپ نے بادشاہ سے ناگور جانے کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے یہ دیکھ کر کہ شیخ فتح اللہ رنجیدہ رہتے ہیں ان کو مع اپنی لڑکی مسماۃ بی بی راستی بیگم کثیر مال و متاع کے ساتھ موضع ڈیھ بھجوا دیا۔ کہتے ہیں کہ ایک دن بی بی راستی حضرت فریدالدین کو وضو کرانے آئیں وہ سونے کا زیور پہنے ہوئے تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ تجھ سے پلیدی کی بو آتی ہے۔ بی بی راستی آپ کے اس فرمانے پر بہت شرمندہ ہوئی اور اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوئی کہ خداوندا اگر زمین پھٹ جائے تو میں اس میں سما جاؤں اللہ تعالیٰ نے بی بی صاحبہ کی دعا قبول کی زمین شق ہوگئی اور آپ اس کے اندر چلی گئیں۔ آپ کے پلو کا ایک کونا باقی رہ گیا جو زیارت گاہِ خاص و عام ہے آپ کی قبر موضع ڈیھ میں ہے۔ جب بادشاہ محمد تغلق نے خلق کو نئے دارالخلافہ (دیوگری) کی طرف روانہ کیا اور آس پاس کی مخلوق کو شہر میں بلایا تو اس نے قطب عالم حضرت شیخ فریدالدین گنج کو ناگور سے بلایا اور بہت سی نوازشات شاہانہ کو انعام آپ کو دولت آباد (دیوگری) بھیجا اور جب سلطان واپس دہلی آیا تو پھر آپ

کو عنایات شاہانہ سے نوازا۔ ولایت ناگور عطا کی اور مراتب یک صدی سے سرفراز فرمایا موضع ڈیہہ کا فرمان جو بادشاہ ابوالمجاہد محمد شاہ بن تغلق نے حضرت شیخ فرید الدین کی خدمت میں بطور نذر پیش کیا تھا اس کی عبارت یہ ہے۔

"تا قلم ارادت عالیہ و مشیت نافذ ایزد منور قلوب اولیاء کرامت شعار بمصابیح یقین و معطر مشام اتقیا ستودہ آثار بہ نسیم صبا بشارت ان المتقین جل جلالہ و عم نوالہ رقم ادراک فحویٰ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم بر صحیفہ ضمیر و لوح خاطر ایں بندہ برکشیدہ و بدست عنایت خویش ثبت گردانیدہ است ہمت علیہ و ہمت سینہ براں مقصود داشتہ می آید و جانب تعظیم مشائخ کبار و تکریم اولیاء بزرگوار کہ ہمہ وقت بقدم فتویٰ جادہ تقویٰ را سلوک داشتہ باشند صورت علم را بجمال عمل آراستہ و در ظلمات اسحار براہبری ساعت تہجد خضر وار بسر چشمۂ یقین رسیدہ و در ریاض ریاضت از شجرہ مجاہدہ ثمرہ کشف و شاہدہ اختیار کردہ فرعی یافت از تحصیل معاش و انبعاش کہ قوام و بقائے نفس مردم۔ بداں منوط مربوط است ہیچ کس را در عالم عنصری ازاں استغناء تمام حاصل نیامدہ و آں طبقۂ گرامی تعلق ضمیر و انقسام خاطر نباشد۔ بریں بناء شیخ امام ہمام عالم عابد متقی متدین ناسک سالک فرید الملۃ والدین معین الطریقت نصیر الشریعت۔ معدن الزہاد منبع العباد قدوۃ المفسرین محمود سعید صوفی دامت فضائلہ را کہ بصفات سابقہ متجلی است و در ہمہ احوال و جمیع اوقات در تحری مرضی ایزد۔ عز و علا۔ ایام عمر عزیز گزرانیدہ و در خانقاہ او بینی ذلی بجسن تادیب تو سن نفس امارہ بالکام ریاضت

و امامن خاف مقام ربه نهی النفس عن الهوی برسر نهاده و در خلوت
سرائے لی مع اللہ وقت جلوه و الیس معرفت را عین الیقین اند۔ بعواطف
بادشاہانه و عوارف خسروانه اختصاص داده اند که دیہه ڈیہه از بیٹیان پٹے
کہارے اعمال خطہ ناگور که بحکم فرمان ہمایوں سیر المشائخ و برادر وافر تقویٰ و انخواہ
شیخ المشائخ نجیب الملة والدین ابراہیم سعید صوفی و ابنائے شیخ مرحوم مغفور
وحید الملة والدین احمد سعید صوفی بوجه انعام در تصرف دارند ہم بر وقف آں
بر ایشاں مقرر داشتیم و ایں فرمان کامگار به طغرائے شہر بارے نفاذ یافت تا
ولات و مقطعان و نوایب و شحنکان و متصرفان و کارکنان و گماشتگان حال و
استقبال خطہ ناگور دیہه مذکور را چنانچه ذکر رفته مقرر سواشند و به تصرف ایشاں
باز گزارند و از قسم عوارض و مؤنات و محدثات مصؤن و محروس شمرند و بحکم
فرمان روند تا پسندیده افتد بمشیت اللہ تعالیٰ و بریں فرمان طغریٰ بخط بادشاہ
مذکور بایں عبارت نوشته بود۔ رسالة تبلیغ بامر الاعلیٰ اعلاه اللہ و نفذه
شرقاً و غرباً باد۔ رسالة المجلس المعالی الخان الکبیر الکریم العالم
العادل المجاهدة الرابطه الضابطه المقسط الاریحی قوام الحق
والدین قاطع الکفر و المشرکین قالع الفجرة المتمردین عندة الانام عدة
الایام عضد السلطنت یمن المملکت عین المعانی ملک ملوک الشرق و
الغرب صاحب دیوان رفیع اعنی رسالت الخ قتلغ قتلغخان دام علیها
فرمان رسانید فی اربعه عشره من ذالحجہ سنه ۷۲۴ھ اربع عشرین و سبعمائة۔

سلطان التارکین

سلطان نے تغلق عالم حضرت شیخ فرید الدینؒ کی فرمائش پر مقبرہ مع مزار و خانقاہ حضرت حمید الدین صوفی رح تعمیر کروایا بادشاہ کا فرمان جو خانقاہ کی تعمیر کیلئے آیا تھا کی عبارت تھی فرمان برائے خانقاہ صوفی صاحب محمود وارد کارکنان ناگور بدانند که این فرمان اعلیٰ نفاذ یافت تا ایشان مقبره که در ناگور نسبت آباو اجداد شیخ امام ہمام عالم عابد متقی متدین سالک ناسک فرید الملة والدین معین الطریقت نصیر شریعت محدث الزهاد منبع العباد قدوة المفسرین ملک المشائخ محمود سائد صوفی دامت فضائله دارند آنرا اعمارات کنا نند. وخرچ آں از محصول ناگور دهند و به حکم فرمان ره نما پسندیده اختند بمشیت الله تعالیٰ وعونه

سلطان محمد تغلق کی خواہش تھی کہ حضرت سلطان التارکین رح کے مزار پر انوار پر ایک روضہ تعمیر کرے ایک دن جب وہ خواب سے بیدار ہوا تو اس نے اپنے سینے پر ایک کاغذ کا پرچہ پڑا ہوا دیکھا جس پر یہ بیت لکھی ہوئی تھی؟

ترجمہ	بیت
صوفی حمید الدین کے روضہ کا گنبد	قبۂ ام آسمان فرش زمیں
تو آسمان ہے اور فرش زمین ہے	روضۂ صوفی حمید الدین

سلطان گنبد بنوانے سے باز رہا اور روضہ ، خانقاہ اور احاطہ بنوا دیا. اس فرمان پر خط طغرئی میں رسالہ تھا جس کی عبارت یہ ہے۔
رسالہ بالا امر الاعلیٰ اعلا الله و نفذه شد قادر عز باو تبلیغ صمعاماً

عالم با ورع متقی متدین نور اللہ والدین معین الشریعت قدوۃ
العلما ابو محمد او بھی فریدہ فضائلہ فی اثنا عشر من ذالحجہ
اثنین و ثلثین و سبعمایہ

شیخ فریدالدینؒ فرماتے تھے کہ جب میرے والد شیخ عزیز الدین علیہ
الرحمۃ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی تو ان کے اصحاب صحبت ادھر ادھر
جانے لگے محمود نے شیخ بزرگ صوفی حمیدالدینؒ کی خدمت میں،
حاضر ہوکر بیان کیا کہ مریدیں منتشر ہو رہے ہیں۔ حضرت شیخ حمیدالدین رح نے
ان لوگوں کو بلوایا سب حاضر ہوئے۔ شیخ فریدالدین بھی اس مجلس میں
تشریف رکھتے تھے۔ آپ کے والد مرحوم کے دوست شیخ عبداللہ مولانا سید
حیدر اور مولانا نظام الدین اور دیگر حضرات بھی موجود تھے شیخ فریدالدین
حیران ہوئے کہ آج شیخ بزرگ نے ان لوگوں کو کیوں بلایا ہے اور آپ کو خبر
تک نہیں کہ محمود نے شیخ بزرگ کی خدمت میں یہ حال عرض
کیا ہے۔ شیخ فریدالدین نے شیخ بزرگ کی خدمت میں عرض کیا حضرت بابا
ان لوگوں کو کیوں بلایا ہے۔ فرمایا کہ محمود سے معلوم ہوا تھا کہ یہ لوگ ادھر ادھر
بھٹک رہے ہیں اور جو جس کے دل میں آتا ہے کرتا ہے۔ جیسے عزیز کے
زمانے میں تھے ویسے نہیں رہتے۔ آپ نے عرض کیا شیخ وحیدالدین
کو حکم دیں وہ بجائے والد کام کریں شیخ بزرگ نے مجھ سے فرمایا
اس سے کیا مطلب میں خاموش ہوگیا شیخ بزرگ نے ان لوگوں
کو بلا کر فرمایا کہ سنا ہے کہ تم لوگ جس طرح شیخ عزیز کی خدمت میں رہتے

تھے اب اس طرح نہیں رہتے۔ ہرایک نے اپنا راستہ چھوڑ دیا ہے تم کو
چاہیئے کہ فرید کو بجائے عزیز سمجھو اس کی مرضی پر چلو اور اس کی عزت
کرو۔ مولانا نظام الدین نے جب یہ بات شیخ بزرگ کی سنی تو عرض کیا کہ شیخ
فرید کو حکم ہو کہ علم نحو پڑھنا ترک کر دیں۔ شیخ بزرگ نے فرمایا کہ وہ اپنے آپ
چھوڑ دے گا کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شیخ فرید الدین نے کہا کہ میں نے نحو
پڑھا تھا اب بھی خواہش ہے کہ اور پڑھوں فرماتے ہیں کہ ایک دن شیخ بزرگ کی
خدمت میں بیٹھا ہوا نحو پڑھ رہا تھا میں نے دیکھا کہ آنحضرت نے مسطر
اٹھا کر اس پر کچھ لکھا اور رکھ دیا۔ مجھے تعجب ہوا کیونکہ شیخ بزرگ ہمیشہ جو کچھ
لکھتے تھے مجھے دے دیا کرتے تھے یہ کس کی مجال تھی کہ شیخ کی موجودگی میں اس مسطر کو
اٹھا کر پڑھ لیتا میں اسی خیال میں تھا کہ شیخ بزرگ اٹھ کر چلے گئے اسوقت
میں نے مسطر کو اٹھایا اور دیکھا تو اس میں یہ رباعی لکھی ہوئی تھی۔

رباعی

در نحو ہماں دو در لغت ہیچ ہیچ
رو علم خدا خواں گزیں نایدہ ہیچ
فردا ز تو معرفت۔ نخواہند طلبید
خواہی تفسیر گراں شو خواہی از کہ ہیچ

ترجمہ

تو نحو میں مشغول ہو
جا خدا کا علم پڑھ اس سے کچھ حاصل ہو گا
قیامت کے دن تجھ سے معرفت کی باتیں ہوں گی

- - - - - - - - - - -

بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ مجھے وہ لکھا ہوا کاغذ کا پرچہ نہ دکھلانے
میں کیا مصلحت تھی جب شیخ فرید الدین نے عرض کیا تھا کہ شیخ وحید کو والد کے

بجائے کام کرنے کے لئے حکم فرمائیں تو آپ نے فرمایا تھا کہ تجھے کیا مطلب اس باب میں آپ نے کچھ اس لئے نہیں فرمایا کہ آپ کو بزور کرامت معلوم تھا کہ وہ آپ کی حین حیات ہی میں فوت ہو جائیں گے اور فریبان کے قائم مقام ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

فرمودات شیخ فریدالدینؒ

حضرت شیخ فرید کا ارشاد ہے کہ سالک طریقت کو چاہیئے کہ جب سر منڈوائے تو از سرِ نو توبہ کرے۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی چیز کھو جائے تو یہ دعا ہزار بار پڑھے یا جامع الناس لیوم لاریب فیہ اجمع علیّ ضالّتی ایک دفعہ شیخ فریدالدین کا خدمتگار بھاگ گیا آپ نے یہ دعا پڑھی اور فرمایا کہ اس نے اپنا کام کیا اور ہم نے اپنا کام کیا دیکھو خدا تعالیٰ کیا کرتا ہے۔ اسی وقت وہ خدمتگار واپس آ گیا۔ سرور الصدور میں لکھا ہے کہ شیخ فریدالدین فرمایا کرتے تھے کہ شیخ بزرگ سلطان التارکینؒ کے کے استاد مولانا شمس الدین نصیر عدم کا شکر وجود سے پہلے ادا کیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ الحمد اللہ علیٰ عدم الامکان راوی نے دریافت کیا کہ عدم کیا دولت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اصل دولت تو یہی ہے اور آپ نے فرمایا کہ رحم اللہ عبداً اماۃ وزوبعہ معہ ذملت العالم ذلت عامی جاتا مرتا ہے اور اس کے گناہ بھی مر جاتے ہیں اور عالم مرتا ہے

اور اس کے گناہ اس کے بعد باقی رہ جاتے ہیں۔ شیخ فرید الدین کے مریدوں میں سے کسی نے چاہا کہ تین ماہ کے روزے رکھے جب آپ سے عرض کی تو فرمایا کیا پاگل ہو گیا ہے یہی ایام بیض کے روزے کافی ہیں ذالک کصیام الدھر اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عمر کو کوئی کام بتایا۔ انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تو بہت تھوڑا ہے کچھ اور فرمایئے جب آپ نے زیادہ بتلایا تو کہنے لگے کہ رسول اللہؐ نے جو پہلے فرمایا تھا اگر اتنا ہی ہو جاتا تو اچھا تھا۔ شیخ فرید الدین چاک پراں سے دریافت کیا کہ بعض آدمی دو تین ہزار بار لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں تب ایک بار محمد رسول اللہ کہتے ہیں کیا ان کے نزدیک اسطرح ذکر کرنا درست ہے آپ نے فرمایا کہ شاید وہ اللہ کے ساتھ ایسے مشغول ہیں کہ محمد رسول اللہ ان کو یاد نہیں آتا۔ حاضرین ہنس پڑے۔ آپ نے فرمایا حضرت رابعہ بصری نے ایک رات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا عرض کیا یا رسول اللہ مجھے معاف فرمایئے کہ میں ذکر خدا میں ایسی مشغول ہوں کہ آپ مجھے یاد نہیں آتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے رابعہ تجھے نہیں معلوم کہ میرا یاد کرنا خدا کا یاد کرنا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے میں دونوں آجاتے ہیں۔

آپ نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ اگر فرائض کی بحث کرو تو اچھا ہے کیونکہ سب علوم میں علم فرائض مقصود ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فرائض سیکھو اور سکھاؤ۔ ایک زمانہ ایسا آئے گا

کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو گا کہ میراث کیسے تقسیم کی جاتی ہے کیونکہ لوگ کہتے ہیں کہ متوفی کے ورثہ میں ایک حصہ لڑکے کو دینا چاہیئے کیونکہ قوی ہے اور دو حصے لڑکی کو کیونکہ ضعیف ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ لوگ جانتے ہوئے نہیں کرتے یہ بدتر ہے یا یہ کہ نہیں جانتے ہوئے کرتے ہیں یہ بدتر ہے آپ نے فرمایا کہ واقف ہو کر نہ کرنا ایک وبال ہے اگر خود نہیں کرتا تو دوسروں کو تو بتا دے گا کہ ایسا کرو اور ناواقف ہو کر کرنے میں دو وبال ہیں ایک وبال ناواقفیت اور دوسرے ناواقفیت کے باوجود کام کر بیٹھنا۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک ساعت بھی بیکار نہ رہنا چاہیئے یا تو نماز پڑھنا چاہیئے یا ذکر کرنا چاہیئے یا دین دنیا کے کام میں مشغول رہنا چاہیئے کیونکہ

بیت	ترجمہ
ہر کہ او تخم کاہلی کارد	جو شخص کاہلی کا بیج بوتا ہے تو
آخرش کاہلی بار آرد	اس سے کاہلی ہی پیدا ہوتی ہے

آپ کے یاروں میں سے کسی نے عرض کیا کہ قبر ملک کا بوسہ دینے کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا کہتے ہیں کہ بعض صالح لوگوں کے نزدیک درست ہے مگر میں نے کسی کتاب میں پڑھا ہے کتاب کا نام یاد نہیں کہ اگر کسی نے تعظیم کے لئے بھی مسجد کو بوسہ دیا تو کفر کیا۔ اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے کسی پرانی تفسیر میں لکھا دیکھا ہے اس کا نام یاد نہیں۔ آپ نے فرمایا تفسیر ابن علی اس نے عرض کیا ہاں کہ کوئی اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے قسم کھائی ہے کہ میں بہشت کے دروازے
کو بوسہ دوں گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تامل فرمایا اتنے میں جبرئیل
آئے اور عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ اس اعرابی سے کہہ دیں کہ اپنے
ماں باپ کی قبر کو بوسہ دے کہ یہ بوسہ دینا ایسا ہے جیسا بہشت کے دروازے
کو۔ اس اعرابی نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں میرے باپ کہاں مرے اور ان
کی قبر کہاں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوڑی دیر تامل فرمایا
اتنے میں جبرئیل آئے اور عرض کیا کہ آپ اعرابی سے کہہ دیجئے کہ اگر اپنے ماں
باپ کی قبر نہیں جانتا تو دو لکیریں کھینچے ایک ماں کی قبر کے نام کی اور دوسری
باپ کے قبر کے نام کی۔ پاؤں کی طرف ماں کی قبر کو بوسہ دے اور سر کی
طرف باپ کی قبر کو بوسہ دے اعرابی نے ایسا ہی کیا اور اس کی
قسم پوری ہو گئی۔ حضرت مخدوم عالم فرید الدین چاک پراں رحمۃ اللہ علیہ
ہفتہ کے دن تاریخ ۲۳ ماہ رجب سنہ ۷۲۵ھ کو اپنی زبان فیض ترجمان
سے کچھ سودمند باتیں فرما رہے تھے اسی اثناء میں آپ نے اپنے
ایک مرید سے جس کا نام شیخ محمود تھا مخاطب ہو کر فرمایا کہ بادشاہ جو
چیز لایا تھا تو نے قبول کیوں نہیں کی — اگر کوئی چیز بلا طلب دی جائے
تو قبول کر لینا چاہیئے اس کا نامنظور کرنا ایسا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے عطیہ کو
رد کرنا۔ اور آپ نے فرمایا کہ بڑے بابا یعنی حضرت سلطان التارکین قدس سرہ
العزیز فرماتے تھے کہ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ نذر لانے والا اس نذرانے کے
قبول کرنے سے رنجیدہ ہو گا تو آپ نذرانہ ہرگز قبول نہ کریں اور اگر آپ سمجھتے

ہیں کہ نذرانہ قبول نہ کرنے سے نذرانہ لانے والے کا دل دکھے گا تو قبول کرلیں۔!

کہتے ہیں کہ ملک ناگور معزول ہوگیا۔ وہ شیخ فریدالدین سے بہت ارادت رکھتا تھا، نہایت مہذب اور موءدب تھا البتہ اتنا فرزند تھا ابن علوی سے بہت بے تکلف تھا اور ان کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔

آپ نے فرمایا کہ کبھی نہ کبھی اسی باعث اس کو نقصان پہنچے گا۔!

آپ نے فرمایا کہ جب کوئی بادشاہ لہو ولعب میں مشغول ہو جائے اور اس کو اپنے ملک اور رعیت کا کچھ خیال نہ ہو تو سمجھ لو کہ اس کے کام میں کچھ خیر و برکت نہیں ملک کی اس حرکت سے نقصان ہونے والا تھا جس کو وہ نہیں جانتا تھا۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلوص عنایت فرمایا ہے خواہ وہ کہیں جائے ہمارا ہی رہے گا۔ اس کے بعد آپ پھر حاضرین کی طرف متوجہ ہوئے حاضرین بھی اس ملک کے حامی تھے۔ کیونکہ وہ درویشوں کا معتقد تھا اور ان کی خدمت کیا کرتا تھا۔

آپ نے فرمایا کہ اگر تم کہو تو پھر اس کو بحال کر دیا جائے۔ حاضرین نے عرض کیا بہت خوب۔ اس کے بعد فرمایا کہ اچھا فاتحہ پڑھو تاکہ اللہ تعالیٰ اس کو برقرار کر دے۔ اس کے بعد ناگور کے موجودہ ملک کا ذکر آیا۔ کہتے ہیں کہ اس نے مخدوم عالم شیخ فرید الدین چاک پراں رح کی خدمت میں عریضہ بھیج کر دعا کرنے کی استدعا کی تھی اور لکھا تھا کہ ملک ناگور میرے حوالے کیا گیا ہے جو فرمان شاہی آیا ہے اگر حکم ہو آپ کے سامنے ناگور والوں کو پڑھ کر سنایا جائے فرمایا میں اس کو کہوں گا کہ بادشاہ کا انعام اور بخشش حد سے سوا ہے جس قدر اوروں کو ملا ہے اگر ہم اس سے کم لیں تو کمینے کہلائیں اور اگر اس سے زیادہ طلب کریں جو دوسروں کو ملا ہے تو حریص (للیچی) کہلائیں۔ ہم نے تو

صبر کر لیا ہے اور کچھ نہیں کہتے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مقررہ روزی بغیر مانگے دیتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس کے باپ کا خط میرے پاس آیا تھا میں اس کو لکھوں گا کہ جتنا تیرا باپ معتقد تھا تو بھی اگر اس سے کہیں زیادہ اخلاص اور ارادت کا اظہار کرتا تو تجھے اس سے زیادہ ملتا۔

آپ نے فرمایا کہ لوگوں نے دین کے کام سے بالکل دست کشی کر لی ہے اور دنیا میں بہت مشغول ہو گئے ہیں۔ وہ آخرت سے بے خبر ہیں اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ مال جمع کرنے کے لئے نہیں — خرچ کرنے کے لئے ہے۔ حق تعالیٰ جس کو بھی خرچ کرنے کی توفیق دے۔

آپ نے فرمایا کہ صبح ہونے سے آفتاب نکلنے تک متبرک وقت ہوتا ہے اسی طرح دوسری نماز سے لے کر آفتاب ڈوبنے تک کے وقت کو بھی غنیمت جاننا چاہیئے۔ غفلت نہ کرنا چاہیئے پھر فرمایا دوسری نماز سے لے کر شام کی نماز تک بھی وقت غنیمت ہے۔ اس کا بھی خیال رکھنا چاہیئے۔ آپ ایک روز صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد مسجد کی محراب کی طرف پشت کر کے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ مولانا شرف الدین پونجی رح فرماتے تھے کہ مولانا رکن الدین امام زادہ بھی صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد محراب کی طرف پشت کر کے بیٹھ جایا کرتے اور طالب علموں کو سبق دیا کرتے تھے۔ لوگوں نے مولانا سے پوچھا کہ کیا صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد اور اد و تسبیح پڑھنا اور دعا مانگنا سنت ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ہم تو فرض میں مشغول ہو جاتے ہیں کیونکہ درس و

تدریس فرض ہے۔

ایک بنیئے کے۔ مدت کے بعد بڑھاپے میں ایک لڑکا پیدا ہوا وہ
آپ کی خدمت میں لے کر آیا اور قدموں پر ڈال دیا اور ٹوپی پیش کی کہ آپ
اپنے دستِ مبارک سے اس بچے کو اڑھا دیں تاکہ باعثِ برکت اور
کامیابی ہو۔ آپ نے اس بچہ کو اپنے زانو پر بٹھایا اور ارشاد فرمایا کہ ہر لڑکا
فطرۃً اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ دعا مانگی کہ اے اللہ تعالیٰ
اس کو دین فطرۃ پر ثابت قدم رکھنا۔ اس کے بعد آپ نے اپنی ٹوپی سر سے
اتار کر اس کو پہنا دی اور فرمایا کہ حاضرین فاتحہ پڑھیں تاکہ اللہ تعالیٰ اس
کو فطرۃ پر ثابت قدم رکھے۔ اس کے بعد چند خرمے اس کے ہاتھ میں دیئے
اور مہندی میں فرمایا تو میرا مرید ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ تو صاحبِ مقام فقیر
ہو گا اس کے بعد بنیئے کو کہا کہ اب اس کو گھر لے جاؤ۔

ایک روز آپ نے فرمایا کہ سورہ بقر کو فسطاط القرآن کہتے ہیں فسطاط
پردہ کو کہتے ہیں چنانچہ اس صورت میں در پردہ وہ تمام باتیں ہیں جو اور
صورتوں میں ہیں۔ اسی دن دوسری نماز کے بعد وہ دعائیں جو عصر کی نماز کے
بعد پڑھا کرتے تھے دوبارہ پڑھیں۔ اعلیہم یا دایم الفضل علی البریۃ
سے لے کر آگے تک۔ اور فرمایا کہ قرآن شریف پڑھنا بہت اہم ہے۔ قرآن
شریف یاد کرنا چاہیئے اور مسلمان کو وہی قرآن جو پڑھا ہو پڑھتے رہنا چاہیئے

تاکہ قوت متخیلہ قرار پکڑے۔ اگر دوسرا قرآن پڑھے گا تو قوت متخیلہ جاتی رہے گی اور قوت حافظہ بھی نہیں رہے گی۔

آپ کے مریدوں میں سے کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ اس میں کیا راز تھا کہ قاضی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ شہاب الدین سہروردی کی حیات میں ہی ان کے مرید شیخ شمس الدین سمرقندی سے خرقہ خلافت لیا آپ نے فرمایا کہ جو لوگ اس خاندان سے ارادت رکھتے ہیں یہ کہتے ہیں کہ ایک وقت یہ تینوں بزرگ حج میں تھے۔ قاضی حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں خرقہ خلافت شیخ شہاب الدین رح سے کیوں نہ لوں شیخ شہاب الدین رح اس سے ذریعہ کشف آگاہ ہو گئے اور فرمایا کہ شیخ شمس الدین اس مرتبہ کے بزرگ ہیں کہ اگر میرے مرید نہ ہوتے تو میں ان کا مرید ہوتا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں نے بابا صوفی حمید الدین رح سے سنا کہ جب قاضی حمید الدین رح سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے شیخ شہاب الدین سہروردی کے ہوتے ہوئے ان کے مرید شیخ شمس الدین سمرقندی سے ارادت ظاہر کی۔ کیا وجہ۔ قاضی صاحب نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شیخ شمس الدین میں وہ بات دکھائی جو میں نے شیخ شہاب الدین سہروردی میں نہیں دیکھی۔ اسی لئے میں ان کا مرید ہو گیا بعد ازاں جناب مخدوم نے یہ فرمایا یہ تو صحیح ہے مگر جو لوگ کہتے ہیں کہ قاضی صاحب بر بنائے ارادت رجوع ہوئے غلط ہے کیونکہ ارادت میں رجوع ممکن نہیں حضرت فرید الدین رح فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میری

امت کے لئے قرآن شریف پڑھنا افضل عبادت ہے۔ پس پورا قرآن شریف یاد کرنا چاہیئے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت قرآن شریف کے ذریعے کریگا۔ اللہ تعالیٰ اس کو سب سے بہتر روزی عطا فرمائے گا۔

آپ نے فرمایا کہ جب تک مرد عالی ہمت نہ ہو گا۔ دنیا ترک نہ کرے گا۔ فرماتے ہیں کہ صدر الشریعت کا ارشاد ہے کہ تیجے کے دن قبر پر شربت اس لئے پلاتے ہیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ ایک روز ہم سب کو موت کا شربت پینا پڑے گا۔

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "نا قص الارض من اطرافھا" ظاہری علماء اس کی تفسیر یوں کرتے ہیں "زمین کفر سے ناقص اور اسلام سے اچھی لگتی ہے" یہ معجزہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ لیکن تفسیر حقائق میں اس طرح لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو زمین سے اٹھا لیتا ہے جس کے باعث زمین ناقص ہو جاتی ہے اور دنیا پر بلاؤں کا نزول ہونے لگتا ہے یہاں تک کہ دنیا والوں کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں اور اس کا نتیجہ خلق خدا کی ہلاکت ہے۔

آپ نے فرمایا کہ انبیا علیہم السلام مخلوق کی بلائیں نیز خدا کی طرف کی بلائیں کھینچ لیتے ہیں۔ اولیاء اللہ خدا کی طرف کی بلائیں تو کھینچ لیتے ہیں مگر مخلوق کی بلائیں نہیں کھینچ سکتے۔

آپ نے فرمایا کہ جس کا خلق جتنا زیادہ ہو گا اتنا ہی زیادہ اچھا صوفی ہو گا کیونکہ خلق کا نام ہی تصوف ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک درویش نے کہا کہ یہ مسلمہ امر ہے کہ سو ولی ایک نبی کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔ مگر منصور حلاج جو ولی تھے فرماتے ہیں "اقتلونی یا ثقاتی فان فی قتلی حیاتی" اور موسیٰ علیہ السلام جو نبیٔ مرسل تھے فرماتے ہیں کہ "فاخاف ان یقتلون"۔ یہ کیا بات ہے کہ نبیٔ مرسل تو اپنے قتل سے خائف ہو گیا اور ولی نے اپنے قتل کی خواہش ظاہر کی۔

آپ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام جن صفات کے حامل تھے اس وقت کوئی دوسرا نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اس باعث ڈرے کہ اے اللہ اگر میں مار ڈالا گیا تو یہ بڑا کام جس کے لئے مجھے پیدا کیا ہے دوسرے سے نہ ہو سکے گا۔ منصور حلاج ایک ولی تھے اگر قتل ہو گئے تو ان جیسی صفات کے حامل ہزاروں ولی تھے۔

آپ نے فرمایا کہ جب سورج سرخ نکلے اور سرخ ڈوبے تو یہ سمجھ لو کہ سطح زمین پر کوئی خوفناک بلا نازل ہو رہی ہے۔

آپ نے فرمایا کہ صوفیوں کے نزدیک الہام حُبِ خدا ہے لیکن علماء جو الہام کے منکر ہیں کہتے ہیں کہ الہام ہے۔ کوئی شخص کہتا ہے کہ میں الہام ملنے پر یہ کام کرتا ہوں۔ دوسرا کہتا ہے کہ جو کچھ تو کرتا ہے غلط ہے اس طرح تناقص پیدا ہو جاتا ہے اور حجت میں تناقص روا نہیں آپ نے فرمایا کہ اصل مقصد مشاہدہ ہے باقی باتیں طفیلی ہیں حضرات معتزلہ دیدار کے منکر ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ ایک درویش میرے پاس آیا اور کہا کہ جب مرید کو کوئی مرتبہ حاصل ہو تو اس کو توبہ کرنا چاہیئے۔ آپ نے یہ بھی کہا کہ جب مرید درست نیت کے ساتھ توبہ کرتا ہے اور قدم راسخ اس میں رکھتا ہے تو جو کچھ وہ دعا مانگتا اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ ہمارے پیرانِ سلسلہ میں سے تھے۔ تائب ہونے کے بعد انھوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایک مینار سے گرنے والا ہے۔ آپ نے اس کے لئے دعا کی کہ الٰہی اس کو تھام لے وہ شخص وہیں قائم رہا۔

آپ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جن کلمات کی برکت سے موسیٰ علیہ السلام دریا سے پار ہوئے اور انھوں نے فرعون کے شر سے نجات پائی وہ یہ تھے۔ "اللھم لک الحمد والیک المشتکی وانت المستعان و بک المستغاث ومنک الضرج والیک التکلان ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم"۔

آپ نے فرمایا حضرت عبداللہ ابن مسعود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کلمات سننے کے بعد ان کا ورد کبھی ترک نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا اس دعا کو اشراق کے وقت شکر کی دو رکعت پڑھنے کے بعد پڑھتے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ آدمی کو صبر کرنا چاہیئے۔ بہت سے کام وقت پر اپنے آپ ہو جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ کام کے لئے ایک وقت مقرر ہے جب وقت آتا ہے تو وہ کام اپنے آپ ہو جاتا ہے۔ "الصوف ھو الخلق فمن

زاد فی الخلق فی تصوف" اخلاق کا دوسرا نام ہے جو شخص جتنا صاحبِ خلق ہوگا اتنا ہی بڑا صوفی ہوگا۔

آپ نے فرمایا کہ آدمی مجلسِ علم میں حاضر ہو تو رنج و بلا کی دس مجلسوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔ بعضوں نے تو یہ کہا ہے کہ فسق و فجور کی ستر مجلسوں کا کفارہ ہوتا ہے۔

حضرت شیخ فریدرح نے نذرانہ کے طور پر ایک سجادہ شیخ زادہ بایزید سجادہ نشین درگاہِ معلیٰ اجمیر شریف کی خدمت میں بھیجا جو ناگور شریف تشریف لائے تھے اور کہا کہ مجھے آپ کے ناگور آنے سے خدمت کا موقع ملا۔ چونکہ حضرت بایزید (سجادہ نشین درگاہِ معلیٰ اجمیر شریف) ناگور شریف دوسری مرتبہ تشریف لائے تھے اس لئے فرمایا کہ اگرچہ میں اس سے پیشتر ہی سجادہ نشین ہو چکا ہوں لیکن اس کی صحت اب ہوئی جب کہ آپ کی طرف سے مجھے سجادہ ملا اور وہ تمام واقعہ بیان کیا جو انھوں نے (صاحبزادہ حضرت بایزید) حضرت سلطان التارکین سے سوال کیا تھا کہ کاش میں بھی درویشوں کی قبیل سے ہو جاؤں۔

آپ نے فرمایا کہ شیخ بزرگ کے فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ جو بادشاہوں کو دوست رکھتے تھے وہ ملک الامراء ہو گئے اور آپ چونکہ فقیروں کو دوست رکھتے تھے اس لئے ملک المشائخ ہو گئے۔ اس ارشاد کو سن کر شیخ زادہ صاحب بے حد خوش ہوئے اور پھر کہا کہ مجھے ناگور آنے سے یہ فائدہ ہوا کہ آپ کی ملاقات کی عزت حاصل ہوئی۔

منگل کا دن ماہ صفر ختم اللہ بالخیر و ظفر کی بیس تاریخ ہجری ۶۵۱ تھی اور بدھ کی رات اس رات محفل سماع بہت گرمجوشی کے ساتھ ہو رہی تھی۔ مخدوم عالم حضرت فرید الدین رح کی طبیعت نے اس شعر کو بہت پسند فرمایا۔ اس کو بار بار سنتے تھے حتیٰ کہ بیخود ہو گئے۔ درویش آپ کے پاؤں پکڑتے تھے آپ کے صاحبزادے آپ کے قدموں میں لوٹتے تھے اور پکڑتے تھے اور اٹھاتے تھے مگر آپ بار بار فرماتے تھے کہ یہی شعر گانے جاؤ۔ شعر یہ تھا۔

شعر	ترجمہ
ازیں روش کہ کوئی بیش ہر کہ باز آئی	جسطرح کہ تو چل رہا ہے جس کسی کیسا منے
گرش بہ تیغ زنی روئے باز لبش کند	اگر تلوار بھی مارے تو وہ روگردانی نہیں کریگا

آپ نے فرمایا کہ بابا شیخ بزرگ شیخ حمید الدین رح فرماتے تھے کہ میرے لئے جو لبادہ بنایا جائے اس کی آستینیں تنگ ہوں کیونکہ ان میں سردی نہیں لگتی ہے نیز یہ کہ سردیوں میں محض ایک چادر تہہ کر کے آپ کندھے پر ڈال لیا کرتے تھے

حضرت شیخ فرید الدین رح نے اپنے صاحبزادوں سے فرمایا کہ تم بھی ایسا ہی کیا کرو۔ پھر فرمایا کہ حضرت شیخ بزرگ جب ناگور میں بیمار ہوئے تو اس حالت میں بھی آپ نہایت فصاحت کے ساتھ گفتگو کرتے اور پند و نصائح فرماتے تھے۔ فرمایا کہ سترہ سال کی عمر سے میں نے منبر پر قدم رکھا اور ستر سال تک ذکر کیا۔ میرے خدا نے مجھے دولت سرمدی سے نوازا اور خوب نوازا۔

شیخ فرید الدین رح اپنے صاحبزادوں اور دوستوں سے فرمایا کرتے تھے کہ آپس میں موافقت رکھو اور حتی الوسع برداشت کرو جو کوئی تم سے جھگڑے تم بھی

اس کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔ تواضع اختیار کرو۔ تواضع، تواضع، تواضع یہ لفظ کئی بار آپ نے فرمایا کیونکہ ایمان کے بعد آدمیوں سے دوستی رکھنا عقل صحیح ہے آپ نے فرمایا کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ شیخ ہو جاوے اور جب اس سے وجہ پوچھی جاتی ہے تو کہتا ہے کہ آپ سب شیخ ہو گئے ہیں تو میں کیوں نہ ہو جاؤں۔ اس کو معلوم نہیں کہ یہ کام کہنے سے نہیں ہوتا۔ لوگوں نے بڑی بڑی محنت اور رنج اٹھائے ہیں تب اس درجہ کو پہنچے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ نفس کو کام سے لگائے رکھو اس سے پیشتر کہ نفس تم کو برے کاموں میں لگائے۔ آپ نے فرمایا کہ بعد نماز صبح لیسین شریف پڑھنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ صوفیوں کے یہاں بھی طریقہ ہے کہ صبح کی نماز کے بعد ختم لیسین شریف پڑھتے تھے۔ چند درویش مرحوم صلاح الدین کے بعد ہوئے ہیں صبح کی نماز کے بعد دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر لیسین شریف کا ذکر کرتے تھے جیسے کہ صوفیائے کرام بعد نماز ظہر انا فتحنا کا ورد کرتے ہیں۔ اس لئے صبح کی نماز کے بعد لیسین شریف کا ورد ہونا چاہیئے اور فرمایا کہ میں بھی ایسا ہی کرتا ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ جو شخص بزرگ بننا چاہے اور چاہے کہ اس کو کوئی مقصد حاصل ہو تو اس کو چاہیئے کہ درویشوں کے نقش قدم پر چلے۔ آپ نے فرمایا کہ درویش کو عزیز رکھنا چاہیئے، اور درویش کو ذلیل نہیں سمجھنا چاہیئے۔ جو خود درویش نہیں ہے وہ درویش کی عزت کیا جانے۔ بعض لوگ اپنے آپ کو درویش کہتے ہیں اور درویشی کا دعویٰ کرتے ہیں مگر درویش کو وہی جانتا ہے جو درویش ہوتا ہے فرمایا کہ کام کا دارومدار بھوک پر ہے درویش اگر بھوک پر صبر کرے گا تو دیگر

تکلیفوں میں بھی صبر کر سکے گا اور اگر بھوک برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا تو
تو سمجھ لو کہ اور تکالیف پر بھی صبر نہیں کر سکتا۔

آپ نے فرمایا کہ آدمی کے لئے بہت سے کام مشکل ہیں ان میں سے
ایک اپنے نفس امارہ کو برے کاموں سے بچانا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ اس
زمانہ میں یار وفادار کمیاب ہے اگر کہیں مل جائے تو غنیمت سمجھئے۔ آپ نے
ایک رات اپنے دادا سلطان التارکین صوفی حمید الدین رحمتہ اللہ علیہ کو خواب
میں دیکھا فرماتے تھے کہ اصل مقصدِ حیات یہ ہے کہ اپنا سارا وقت طاعت
میں صرف کرے اور فرمایا کہ ہم نے ایسا ہی کیا ہے۔ شیخ فریدالدین رح کو خیال
آیا کہ شیخ بزرگ صوفی کا ارشاد ان اوراد سے ہے جو قوت القلوب میں بیان
کئے گئے ہیں۔

شیخ فریدالدین رح نے فرمایا کہ ہمارے پیر و مرشد شیخ منہاج نے وصیت
کی کہ بعد نماز ظہر از سرِ نو وضو کیا جائے جو عشا تک کافی ہوگا اور آدمی اس
وقت تک نماز اور ورد میں مشغول رہ سکے گا اس کے بعد آپ از سرِ نو وضو کرنے
لگے اور فرمایا کہ اس وصیت پر عمل کرنا چاہیئے۔

آپ نے فرمایا کہ ایک جمعہ کی نماز کو اس وقت مقبول سمجھنا چاہیئے جب
دوسرے جمعہ کی نماز جماعت سے ادا کرے۔ فرمایا کہ اگر خلقِ خدا کو نماز جمعہ کے
لئے صبح مسجد جانے کی فضیلت معلوم ہو جائے تو ہر شخص مسجد میں پہلے جانے
کی کوشش کرے گا اور اس قدر ہجوم ہو جائے گا کہ شاید اس کا فیصلہ کہ پہلے مسجد
میں کون جائے بذریعہ قرعہ اندازی کرنا ہوگا۔

فرمایا کہ صبح کی نماز کے بعد ستر بار سبحان اللّٰہ و بحمدہ والحمد للّٰہِ
و استغفر اللّٰہ ان اللّٰہ کان توابا پڑھنا چاہیئے کیونکہ پیغمبر علیہ السلام
یہ فرماتے تھے کہ جو شخص صبح کی نماز کے بعد ان کلمات کو ستر بار پڑھے
گا اللہ تعالیٰ اس دعا کی برکت سے اس کے سات سو گناہ معاف کر دے گا۔ اس
کے بعد فرمایا کہ لاخیر و لا طعم لمن یزید ذنوبہ من سبعمائۃ۔ یعنی اس شخص
کو خیر و برکت اور عزت ہی نہیں ہوتی جس کے گناہ سات سو سے زیادہ ہو جائیں
آپ ماہِ رمضان میں ایک دن صبح کے وقت ذکر میں مشغول تھے بہت جوش
کے ساتھ باتیں کر رہے تھے جس سے دل کو تسکین اور ذوق حاصل ہوتا تھا۔
اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں نے اس انداز سے گفتگو کرنا قاضی نظام الدین رح
سے سیکھا ہے۔ قاضی رحمۃ اللہ علیہ بہت دبدبہ کے ساتھ درس بیان کرتے تھے
سرور الصدور میں لکھا ہے کہ شیخ فرید الدین رح فرماتے تھے کہ آپ نے شیخ بزرگ
کی زبان مبارک سے اس العقل بعد الایمان التودد الی الناس اور
لقد احسن اللّٰہ فی ما مضیٰ کذالک یحسن فیما بقی سنا ہے۔ سلوک کے
متعلق حضرت شیخ نے فرمایا ہے۔

رباعی	ترجمہ
اول از صفات حق بر انگیز بگو	پہلے صفاتِ حق میں مشغول ہو
پس راہ سوئے ذات اگر ہست بجو	پھر خدا کی طرف راستہ ڈھونڈھو
آنگاہ دل از غبار اغیار بروب	اسوقت دل کو غیر کے غبار سے صاف کر
جاں را ز صفت بہ آب تنزیہ بشو	جان کو صفت کے تنزیہ کے پانی سے دھو

ایک دفعہ آپ کے اور شیخ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان کچھ شکر رنجی ہو گئی۔ شیخ عبداللہ حضرت بزرگ کے مرید تھے۔ حضرت فریدالدین رحمۃ ان کے گھر نہیں جاتے تھے۔ انھوں نے شیخ فریدالدین رحمۃ کی خدمت میں یہ رباعی لکھ کر بھیجی۔

رباعی	ترجمہ
عمر باید تا کہ بدست آید دوست	دوست حاصل ہونے کیلئے ایک عمر درکار ہے
ہر گہنے بریدن از وے نیکوست	لیکن گنہ کی حالت میں اس سے قطع تعلق کرلینا اچھا ہے
گر کس بینی کہ او برون است ز پوست	اگر کسی کو تو دیکھے کہ وہ مجبور ہے
سر در قدمش آر کہ او نیست کہ اوست	سر اسکے قدموں پہ رکھدے کیونکہ یہ وہ نہیں ہے،

جب یہ رباعی حضرت شیخ فریدالدین کے پاس پہونچی۔ آپ ان کے پاس گئے اور مصافحہ کیا۔

حضرت مولانا ضیاء الدین نخشبی المتوفی ۷۵۱ھ

حضرت مولانا ضیاء الدین نخشبی ہندوستان کے گوشہ نشین بزرگ سلوک و طریقت کے بادشاہ اور اولیاء کاملین میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم و فضل کی بے پناہ دولت عطا فرمائی تھی۔ تصوف، معرفت اور حکمت پر آپ نے بہت سی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔

ابتدائی حالات آپ کا نام ضیاء الدین اور نخشبی تخلص تھا۔ جلی ناموں میں اپنے وطن مالوف کا پتہ دیتے ہیں فرماتے ہیں سہ

زہر شہرے دہر جائے متاعِ قیمتی خیزد
ضیا از نخشب و شکر ز مصر و سعدی از شیراز

نخشب بخارا میں ایک پر فضا مقام تھا۔ اہلِ عرب اس کو نسف کہتے تھے۔ دریائے کشکا اس میں سے گزرتا تھا جس سے اس کی خوبصورتی دوبالا ہو گئی تھی۔

ہندوستان میں آمد قیاس یہ ہے کہ جب نخشب میں مغلوں کا تسلط ہو گیا اور مسلمانوں کے حالات ناقابلِ برداشت ہو گئے تو دوسرے مسلمانوں کی طرح نخشبی نے بھی ہندوستان کا رخ کیا۔ وسط ایشیا میں جب مغلوں اور ترکوں نے عرصہ حیات تنگ کر دیا تو علماء اور اکابر کی کثیر تعداد نے ہندوستان کی طرف ہجرت کی حضرت شیخ علی ہجویری عرف بابا داتا گنج بخش غالباً پہلے بزرگ ہیں

جونامساعد حالات کے باعث ہندوستان تشریف لائے۔ اس کے بعد علما اور صوفیائے کرام قافلہ در قافلہ آتے گئے۔ جو لوگ عزت وجاہ کے طالب تھے دہلی میں قیام پذیر ہو جاتے اور جو حکومت سے بے تعلق رہنا پسند کرتے وہ دہلی سے کسی دور دراز مقام پر جاگزیں ہو جاتے۔ چنانچہ حضرت صوفی سلطان التارکینؒ نے بجائے دہلی کے ناگور میں سکونت اختیار فرمالی تھی جو ایسے علما اور صوفیا کا مرکز تھا اسی طرح بدایوں بھی علم و فضل کا گہوارہ تھا جہاں آکر حضرت نظام الدین اولیاء کے آبا و اجداد مقیم ہوئے۔ حضرت مولانا ضیا نخشبی کے بدایوں میں سکونت اختیار کرنے کی بھی یہی وجہ ہو سکتی ہے۔

تذکرۃ الواصلین میں مولانا ضیاء الدین کے بدایوں میں قیام کرنے کے سلسلہ میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ جب نخشبی بدایوں تشریف لائے تو جس مکان میں مقیم تھے اس کے پڑوس میں ڈھول بجتا ہوا سنا۔ لوگوں سے وجہ پوچھی معلوم ہوا کہ صاحب خانہ کی سالگرہ کی خوشی میں لوگ عیش و نشاط میں معروف ہیں فرمایا یہ بہت اچھی جگہ ہے کہ یہاں کے لوگ عمر کے کم ہونے پر خوشی کرتے ہیں یہاں سے نہ جانا چاہیئے۔

نخشبی نے اپنے وطن کی بربادی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی چنانچہ ان کی طبیعت آسائش کی زندگی بسر کرنے پر آمادہ نہ ہوئی۔ انھوں نے ایک گوشہ میں اپنا مسکن بنالیا اللہ ہی نے لگے خود لکھتے ہیں ؎

آنکہ ویرانی جہاں دیدہ است
خشت بر خشت ہیچ گہ نہ نہد

امراء وسلاطین سے بے تعلقی | خواجگانِ چشت کی اتباع میں نخشبی نے شاہانِ
وقت یا امراء سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہیں کیا لکھتے ہیں۔

عزیز من امرائے کہ بر فقرا آیند	عزیزم امیروں کا فقیروں کے پاس جانا
سعادت آں امرا باشد و فقرائے	ان امیروں کے لئے سعادت ہے اور جو
کہ بر در امرا روند شقاوت آں فقرا	درویش کہ امیروں کے گھر کا طواف کرتے
بود۔	ہیں یہ ان فقیروں کی شقاوت کی نشانی ہے

عسرت و تنگی کی زندگی | نخشبی نے تمام عمر عسرت و تنگی میں بسر کی وہ فقر و
فاقہ میں خوش تھے فرماتے ہیں رباعی

نخشبی ہاں بفقر خوش می باش — گرچہ کس در عنا نباشد خوش
فقرا آنچناں خوشند از فقر — کہ کسے در غنا نباشد خوش

عبادت و ریاضت | نخشبی کی رگ رگ میں عشقِ حقیقی سمایا ہوا تھا وہ بادۂ
عشق سے سرشار تھے۔ فرماتے ہیں ع

نخشبی مست بادۂ عشق است

وہ اپنا بیشتر وقت عبادت و ریاضت میں گذارتے تھے ان کے اشعار میں عشق
حقیقی کی ایک عجیب تپش اور گرمی محسوس ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں ؎

نخشبی عشق مذہبے است عجب
شد تپش کس بیاں چہ خواہد کرد

بیعت و خلافت | حضرت مولانا ضیاء الدین نخشبی حضرت شیخ فریدالدین چاک پراں
نبیرہ حضرت سلطان التارکین صوفی حمید الدین ناگوری رح کے خلیفہ اعظم تھے۔

غلط فہمی سلک السلوک کے ناشر نے حضرت مولانا نخشبی کو غلط فہمی کی بنا پر خلیفہ حضرت بابا فرید شکر گنج لکھ دیا جو سراسر لغو اور غلط ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مولانا کی بیعت اور خلافت کے متعلق اپنی معرکتہ الآرا کتاب اخبار الاخیار میں ان الفاظ میں لکھا ہے۔

"چنیں شنیدہ است کہ وے مرید شیخ فرید است کہ نبیرہ وخلیفہ حضرت سلطان التارکین شیخ حمیدالدین ناگوری است واللہ اعلم"

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت مولانا نخشبی حضرت نظام الدین اولیاء کے مریدین میں سے تھے۔ ڈاکٹر خلیق احمد نظامی مصنف تاریخ مشائخ چشت بھی اس گروہ کے ہمنوا معلوم ہوتے ہیں۔ ان کا ایک مضمون ماہنامہ برہان کے شمارہ ماہ نومبر ۱۹۵۱ء میری نظر سے گذرا جس میں انھوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ مولانا ضیاء الدین نخشبی بجائے حضرت شیخ فریدالدین چاک پراں نبیرہ حضرت سلطان التارکین حضرت نظام الدین اولیا کے مرید تھے اور اپنے اس دعوے کے لئے مندرجہ ذیل دلائل پیش کئے ہیں۔

(۱) شیخ محدث محتاط راوی تھے ان کی اس عبارت سے مترشح ہوتا ہے کہ خود انھیں بھی اس کا یقین نہیں تھا کہ حضرت مولانا نخشبی حضرت شیخ فرید کے مرید تھے یا نہیں۔

اس باب میں میں یہ عرض کروں گا کہ شیخ محدث جیسے محتاط راویوں کی طرز نگارش اس زمانہ میں اسی طرح کی ہوتی تھی وہ گناہ برگردن راوی کے قائل تھے۔

(۲) ڈاکٹر صاحب کے نزدیک سلک السلوک کے مصنف (مولانا نخشبی) کی اساس فکر فوائد الفواد کے مصنف حضرت نظام الدین اولیاء کی تعلیمات سے متاثر نظر آتی ہے حالانکہ خود فرماتے ہیں کہ اول الذکر کا انداز بیان مختلف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت شیخ فرید الدین چاک پراں اور حضرت نظام الدین اولیاء دونوں چشتیہ سلسلہ کے بزرگ تھے اور آپس میں دوست تھے۔ اگر ان کی یا ان کے خلفاء کی تعلیمات میں کسی قسم کا اشتراک پایا جائے تو اس میں تعجب کی بات کونسی ہے۔ اگر خلاف آں بودے تعجب بودے (۳) صاحب گلزار ابرار فرماتے ہیں سہ

برنی و نخشبی و سنامی ایں ہر سہ حق ضیا بود

اولیں معتقد پسیں منکر ثانی از ہر دو بے نوا بود

اس حتمی فیصلہ کے بعد بھی ڈاکٹر صاحب کا حضرت نخشبی کو حضرت نظام الدین اولیاء کے حلقہ ارادت میں زبردستی ٹھونس دینا پنچوں کا فیصلہ سر ماتھے پر مگر پرنالہ تو اسی چھت پر پڑے گا سے کم پر لطف نہیں ہے۔ گلزار ابرار ابتداء عہد جہانگیری اور انتہا عہدِ اکبری کی تصنیف ہے جس میں کہیں شکوک و ابہام کو دخل نہیں۔

(۴) حضرت نظام الدین اولیاء اور ان کے تمام خلفاء کے حالات زندگی مناقب و تعلیمات پر سب سے پہلے حضرت میر خورد کرمانی نے تذکرہ سیر الاولیاء لکھا ہے اس میں حضرت نخشبی کا کہیں نام تک نہیں ہے اگر یہ حضرت نظام الاولیاء کے حلقہ ارادت میں ہوتے تو اس تذکرہ میں ان کا ذکر ضرور ہوتا۔

(۵) معراج الولایت اور خزینۃ الاصفیاء کے حتمی اقوال اس امر کے شاہد ہیں کہ حضرت نخشبی نظام الدین اولیاء کے خلیفہ نہیں بلکہ فرید الدین چاک پراں ناگوری رح کے مرید اور خلیفہ تھے

معراج الولایت کی (تصنیف سنہ ۱۰۹۴ھ) عبارت یہ ہے "وے مرید و خلیفہ شیخ فرید الدین نبیرہ حضرت سلطان التارکین است۔"

خزینۃ الاصفیا کی عبارت ملاحظہ ہو "وے از عظمائے مشائخ و کبرائے خلفائے شیخ فرید الدین نبیرہ حضرت سلطان التارکین حمید الدین ناگوری از مشاہیر اولیائے ہندوستان است و نصیحت خلق متنفر بودہ واز اعتقاد و انکار کسے نداردہ"

ان شواہد کی موجودگی میں ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت مولانا نخشبی حضرت شیخ فرید کے مرید اور خلیفہ تھے اور جو لوگ ان کو حضرت نظام الدین اولیا کا مرید سمجھتے ہیں غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

سلک السلوک میں انھوں نے متعدد جگہ معاصرین کی اخلاقی اور مذہبی پستی پر رنج و افسوس کا اظہار کیا ہے۔ کہتے ہیں۔

مردماں نام مسلمانی بر خود نہادہ اند	لوگوں نے اپنے نام مسلمانوں جیسے رکھ لیے
و ہمانکہ در مسلماناں باید در ایشاں نہ	ہیں لیکن جو بات مسلمانوں میں ہونی چاہیے
	ان میں نہیں ہے۔

نخشبی نے اپنے دوستوں کے ہاتھوں بڑے ظلم سہے تھے ساتھیوں نے ان کا دل داغ داغ کر دیا تھا چنانچہ گلریز میں فرماتے ہیں سہ

بعالم ہر کرا بیش آزمائی
نہ بینی اندرو جز بے وفائی

تبحر علمی ضیاء نخشبی کے تبحر علمی کا اندازہ ان کی تصانیف سے ہوتا ہے قرآن و حدیث پر ان کی گہری نظر تھی مشائخ کی تصانیف پر پورا عبور تھا اپنی تصانیف

میں جگہ جگہ آیاتِ قرآنی، احادیث اور اقوالِ مشائخ نقل کرتے ہیں۔ سلک السلوک اس اعتبار سے بہت اہم ہے اس میں اقتباسات و اقوال ایسے برمحل پیش کئے گئے ہیں کہ پڑھنے والا نخشبی کی وسعت معلومات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا!

نخشبی کو کئی زبانوں پر عبور تھا عربی و فارسی پر بڑی قدرت تھی سنسکرت کو نہ صرف سمجھ لیتے تھے بلکہ اس کو فارسی میں منتقل بھی کر سکتے تھے۔

چہل ناموس سے ان کی علم طب سے واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے تذکرۃ الواصلین سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم موسیقی سے بھی آگاہ تھے۔

نخشبی کی تصانیف | شیخ عبدالحق محدث دہلوی ان کے متعلق لکھتے ہیں۔

"تصانیف بسیار دارد"

مولانا نخشبی کی مندرجہ ذیل کتابیں ملتی ہیں۔

(۱) طوطی نامہ (۲) شرح دعائے سریانی (۳) چہل ناموس

(۴) سلک السلوک (۵) گلریز (۶) لذات النساء

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی ایک اور تصنیف "عشرہ مبشرہ" کا بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ کتاب ناپید ہے۔

نخشبی کی تصانیف سے یورپ اٹھارہویں صدی کے آخر میں متعارف ہوا ۱۷۹۲ء میں طوطی نامہ کی بارہ کہانیوں کا ترجمہ انگریزی میں کیا گیا۔

سلک السلوک | ضیاء نخشبی کی تصانیف میں سلک السلوک کو خاص اہمیت

حاصل ہے۔ اس میں ۱۵ الڑیاں ہیں جن میں گوہرِ آبدار کو پرو کر تصوف کے اعلیٰ مضامین کا دلکش تحفہ تیار کیا گیا ہے۔ یہ کتاب معرفت و تصوف کے مسائل پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں اصطلاحات تصوف معہ تشریح بیان کئے گئے ہیں اور رموز و نکات کو حکایتوں کے انداز میں پیش کیا گیا ہے مثلاً جہاں آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ رات کو یادِ الٰہی کرنی چاہیئے۔ وہاں فرماتے ہیں۔

ایک دن ایک خواجہ نے ایک لونڈی خریدی۔ جب رات ہوئی لونڈی سے کہا۔ اے کنیز میرا بچھونا درست کر دے۔ لونڈی نے کہا اے مولیٰ۔ کیا تمہارا بھی مولا ہے۔ خواجہ نے کہا ہاں۔ لونڈی نے پوچھا کیا وہ بھی سوتا ہے۔ خواجہ نے کہا نہیں۔ لونڈی نے کہا تمھیں شرم نہیں آتی تمہارا مولا تو جلگے اور تم سو رہو۔ اسی طرح یہ تلقین کرنا چاہتے ہیں کہ نفس کا محکوم ہونے کی نسبت کس کا محکوم ہونا بہتر ہے۔ فرماتے ہیں۔

ایک سجادہ نشین ہر جمعہ کو اپنی خانقاہ سے مسجد جانے کے لئے باہر نکلتے تھے جس کسی کو دیکھتے پوچھتے کہ مسجد کا راستہ کونسا ہے ایک بار ایک شخص نے کہا تم کو برسوں جاتے ہو گئے لیکن راستہ یاد نہیں۔ انھوں نے کہا میں جانتا ہوں مگر محکوم ہو کر چلنا حاکم ہونے سے بہتر ہے چاہیئے کہ اپنی ذات کو دوسروں کی طفیل میں سمجھے

یہ انداز بیان اور زیادہ دلچسپ اور دلپذیر بن جاتا ہے جب کہ ہر حکایت "بشنو بشنو" سے شروع ہوتی ہے۔

سنو سنو ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا تھا کہ تمہاری قوم میں جتنے نیک ہیں ان کو بدوں سے الگ کر دو موسیٰ ؑ نے آواز دی بہت سے لوگ باہر

آئے حکم ہوا ان میں سے نیکوں کو چن لو۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر آدمی نکالے۔ فرمان ہوا موسیٰ ان میں سے بھی چنو۔ چنانچہ آپ نے ستر میں سے سات چنے پھر حکم ہوا کہ ان میں سے بھی چنو تب ان میں سے تین چنے۔ حکم ہوا اے موسیٰ میرے نزدیک یہ تینوں سب سے برے ہیں کیونکہ جب انھوں نے سنا کہ تم نیکوں کو پکارتے ہو تو یہ اپنے کو نیک سمجھ کر باہر آئے۔

اے عزیز اگر کوئی عبادت نہ کرے تو اس عبادت سے بہتر ہے جس پر فخر کرے۔ شریعت میں مدعی علیہ کو قید کرتے ہیں لیکن طریقت میں مدعی کو قید خانہ بھیجا جاتا ہے۔ ایک اور حکایت سنیئے۔

سنو سنو ایک بقال نے ایک شخص کو شیر پر سوار اور سانپ کو کوڑا بنائے ہوئے دیکھا۔ دیکھ کر کہا یہ آسان ہے لیکن ترازو کے دونوں پلڑوں میں بیٹھنا مشکل ہے ایک اور حکایت بیان کرتے ہیں۔

سنو سنو ایک بزرگ نے چاہا کہ بازار جا کر کچھ خرید ے۔ دینار کو گھر میں تولا جب بازار لے گئے تو دینار گھر کے وزن سے کم نکلا رونے لگے۔ لوگوں نے پوچھا کیوں روتے ہو۔ فرمایا جب گھر کی چیز یہاں ٹھیک نہیں اُتری تو قیامت میں دنیا کی باتوں کا کیا حال ہوگا۔

ان حکایات میں زیادہ سے زیادہ تاثیر پیدا کرنے کے لئے جا بجا ان میں اپنے قطعات بھی لکھتے ہیں مثلاً

سنو سنو وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ کعب احبار مسجد میں سب صفوں کے پیچھے کھڑے ہوتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اس میں کیا بھید ہے فرمایا میں نے توراۃ

دیکھا ہے کہ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے لوگ ہوں گے کہ جب وہ مسجد میں سجدے کریں گے اور انھوں نے سر بھی نہ اٹھایا ہوگا کہ ان سے پیچھے والوں کو خدا بخش دے گا میں اسی سبب سے پیچھے کھڑا ہوتا ہوں تاکہ ان کے سجدے سے مرا کام بن جائے۔

قطعہ

نخشبی درمیاں بسیں خودرا
قطرہ را چہ سیلے می خوانی

ہمہ کس در طفیلِ تو گردد
گر تو خود را طفیل کس دانی

فرماتے ہیں ایک بار ایک خلیفہ نے ایک بوڑھی عورت کے لڑکے کو قید کر دیا بوڑھی عورت نے خلیفہ کے پاس پہنچ کر فریاد کی اور کہا کہ میرے لڑکے کو رہا کر دیجئے خلیفہ نے کہا کہ میں نے حکم دیا ہے کہ جب تک میں خلیفہ ہوں تیرا لڑکا قید سے رہا نہیں کیا جائے گا۔ بوڑھی عورت نے یہ سن کر آسمان کی طرف دیکھا اور درد بھری آواز سے کہا۔

اے سلطان عالم دنیا کی قید اور رہائی تیری قدرت میں ہے لیکن تیرے خلیفہ نے جو حکم دیا ہے کیا تو نے اسلئے نہیں معلوم کہ اب تو کیا حکم دے گا۔ بوڑھی عورت کی یہ بات خلیفہ نے سنی تو اس کے دل میں رحم پیدا ہوا اور اس کے لڑکے کو قید خانہ سے باہر لانے کا حکم دیا — ایک خلعت دیا اور گھوڑے پر سوار کر کے بغداد کی گلیوں میں گھمایا۔

قطعہ

نخشبی حکم خلق چیزے نیست
مرد ایں رہ کجاست در عالم

در جہاں گفت ہیچ کس نشود
حکم حکم خداست در عالم

سنو سنو بنی اسرائیل میں ایک زاہد تھا۔ ستر سال عبادت کی۔ ایک دن کسی کی حاجت روائی کے لئے دعا مانگی لیکن دعا قبول نہ ہوئی۔ اپنے نفس سے برہم ہوا کہ اے نفس اگر تیری عبادت میں اخلاص ہوتا تو میری دعا ضرور قبول ہوتی۔ حق تعالیٰ کے یہاں سے اس زمانہ کے پیغمبر کے پاس فرمان آیا کہ اس زاہد سے کہو کہ نفس پر ایک ساعت کا عتاب ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

قطعہ

نخشبی در عتاب خود می باش	ورنہ خود باطن تو خوں گردد
ہر کہ با نفسِ خود عتابے کرد	از عتاب ہمہ مضموں گردد

بعض دوسری حکایتیں ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں۔

رابعہ بصری سے لوگوں نے پوچھا کیا تو ابلیس کو دشمن سمجھتی ہے فرمایا نہیں لوگوں نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے۔ جواب دیا میں دوست کی محبت میں اس قدر مشغول ہوں کہ مجھے دشمن کی خبر ہی نہیں۔

سنو سنو جب کمان کش قلب قوسین وادیٔ رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم عالم بالا سے واپس تشریف لائے تو جبرئیل نے پوچھا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب عالم سے آپ آئے ہیں وہاں آپ نے کیا دیکھا آپ نے فرمایا اس سوال کا کیا محل ہے کہ محمد محمد ہی سے پوچھ رہا ہے کہ تم نے کیا دیکھا علم من علم فہم من فہم (جان لیا جس نے جان لیا۔ سمجھ لیا جس نے سمجھ لیا)

"خواجہ علی سیاح فرماتے ہیں کہ مجھے اس کے سوا کوئی تمنا نہیں کہ کوئی شخص حق بات کہے اور میں اس کو سنوں یا میں حق بات کہوں اور کوئی سنے۔"

فرماتے ہیں کہ دولت مندوں کو دولت سے چار چیزیں ملتی ہیں جسمانی رنج۔ دل کی مشغولی دین کا نقصان اور قیامت کا حساب اور درویشوں کو درویشی سے چار چیزیں ملتی ہیں جسمانی آسائش۔ دل کی فراغت۔ دین کی سلامتی اور حساب قیامت سے نجات۔

اے درویش ایک روز صبح سے شام تک اپنے نفس کے ساتھ جنگ کر اور دیکھ کہ کیا ظہور پذیر ہوتا ہے مرد وہ ہیں جو اپنے نفس کے ساتھ جنگ کرتے ہیں کیونکہ اس کے ساتھ صلح نہیں ہو سکتی میرے عزیز جو شخص ہمیشہ اپنے نفس کا احتساب کرتا رہتا ہے اس کے لیے کوئی خواہش نہیں رہتی۔

خواجہ جنید کو لوگوں نے خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ آپ کا معاملہ کہاں تک پہنچا انھوں نے جواب دیا عقبیٰ کا کام اس سے کہیں زیادہ دشوار ہے جتنا ہم دنیا میں خیال کرتے ہیں۔

نخشبی کا انتقال مولانا ضیاء الدین نخشبی نے ۷۵۱ھ مطابق ۱۳۵۰ء میں وصال فرمایا۔ مصنف تذکرۃ الواصلین کا بیان ہے کہ مرقد شریف آپ کا بمقام بدایوں چبوترہ حضرت شہاب الدین پیر مکہ صاحب کی زیارت سے جانب گوشہ غروب و جنوب واقع ہے۔

نمونہ کلام نخشبی ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے ان کی شاعری حقائق و رموز تصوف کی آئینہ دار ہے۔

نخشبی جاں بباز در رہِ عشق	اے نخشبی عشق کی راہ میں جان پر کھیل جا
عشق در چشم عقل غلط [illegible]	اور عشق کو عقل کی آنکھ کا کانٹا سمجھ
در رہِ عشق دوست جاں بازی	دوست کے عشق کی راہ میں جان پر کھیل
عاشقاں را کمینہ کارے داں	جانے کو عاشقوں کا ایک ادنیٰ سا کام خیال کر

نخشبی نقدِ دیں ز دست مدہ
اے نخشبی دین کی نقدی ہاتھ سے مت دے

خلق و فضل و کریم بر ہمہ یافت
اللہ تعالیٰ کا فضل اور مہربانی سب پر ہوئی ہے

فقر را پائے بر سرِ گنج است
فقر کا پاؤں خزانے کے سر پر ہے

نقد دیں ہر کہ یافت بر ہمہ یافت
جسنے دین کی نقدی حاصل کی اسنے سب کچھ پالیا

نخشبی نیک مفلسی ز عمل
اے نخشبی تو عمل سے بہت مفلس ہے

غافلاں اند ایں نمونہ روند
یہ غافلوں کا طریقہ ہے۔

بندگاں پیش بادشاہِ قدیر
غلام قدرت والے بادشاہ کے پاس

با دو دست تہی چگونہ روند
دونوں ہاتھ خالی لے کر کب جاتے ہیں

نخشبی تا نظر بخود نکنی!
اے نخشبی تو ہرگز اپنی طرف غرور کی نظر سے نہ دیکھ

مثل ایں کار مرد راہ نکند
کیونکہ ایسا کام اس راہ کا مرد نہیں کرتا

ہر کہ سوئے خود نظر باشد
جو شخص اپنی طرف دیکھتا ہے تو

ہیچ کس سوئے او نظر نکند
کوئی شخص بھی اس کی طرف نہیں دیکھتا

نخشبی توشہ در سفر شرط است
اے نخشبی سفر میں توشہ کا ہونا ضروری ہے

راہِ بے توشہ طے چساں باشد
بے توشہ راہ کس طرح طے ہو سکتی ہے

ہر کسے پیشتر فرستادہ است
جس نے پہلے بھیج دیا ہے۔

توشہ راہ ہماں باشد
وہی راہ کا توشہ ہو سکتا ہے

سعیدی بزرگ

آپ حضرت فرید الدین چاک پراں کے صاحبزادے اور خلیفہ تھے۔ آپ کا نام محی الدین تھا۔ آپ نے اپنے والد ہی سے تعلیم حاصل کی تھی۔ اپنے والد بزرگوار کے بعد صفر ۸۲۵ھ میں صاحب سجادہ ہوئے اور مسندِ ارشاد پر بیٹھے۔

آپ صاحب ظاہر و باطن اور صاحب وجد و سماع تھے۔ آپ کتاب سرور الصدور کے جامع ہیں۔ جس میں آپ نے حضرت خواجہ حمید الدین صوفی اور شیخ فرید الدین چاک پراں رحمۃ اللہ علیہ کے حالات قلمبند کئے ہیں۔

شیخ عزیز الدین

آپ حضرت شیخ فرید الدین چاک پراں رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور خلیفہ تھے۔

آپ علوم ظاہری و باطنی میں یکتا اور وجد اور ذوق و شوق میں بے مثل تھے۔

شیخ سعید

آپ شیخ عزیز الدین ولد فرید الدین کے صاحبزادے تھے آپ کو علم ظاہری اور باطنی حاصل تھا اور صاحب وجد و سماع تھے اور اپنے والد بزرگوار کے مرید و خلیفہ تھے۔

شیخ کبیر الدین شیخ سعید کے صاحبزادے تھے۔ آپ نے اپنے والد سے بیعت اور خلافت حاصل کی تھی۔ آپ علم ظاہری اور باطنی کے عالم اور صاحب وجد و سماع تھے۔ آپ کا شمار اولیائے کاملین میں ہوتا ہے۔ آپ کی تصانیف بہت ہیں۔ دیکن آپ کی تصنیف ہے جو شرح ضو مصباح ہے۔ ناگور کے کفار نے بڑا فتنہ برپا کیا تھا اس لئے آپ ناگور سے گجرات کی طرف چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی ثمار الابرار میں لکھا ہے کہ آپ کے والد بزرگوار اپنے دادا یعنی حضرت شیخ فرید الدین چاک پراں کے مرید اور خلیفہ تھے۔ مراۃ الاسرار میں لکھا ہے کہ شیخ کبیر الدین سلسلہ بہ سلسلہ اپنے باپ دادا کے مرید اور خلیفہ تھے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اپنے والد شیخ سعید کے مرید تھے مراۃ الاسرار کی عبارت یہ ہے۔

دین اور دنیا کے تعلقات ترک کرنے والے آنکھوں سے جمال مطلق کے دیکھنے والے عشق اور آزادی میں بے نظیر صاحب ارشاد قطب وقت شیخ کبیر قدس سرہ کا ذکر سلسلہ چشت میں ہوا ہے۔ آپ

شیخ عزیز الدین بن سلطان التارکین شیخ حمید الدین ناگوری الصوفی والسوالی کی اولاد پاک صفات سے ہیں۔ حضرت صوفی حمید الدین خواجہ بزرگوار معین الحق والدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے خلیفاؤں میں سے تھے۔ شیخ کبیر الدین بہت بڑے بزرگ اور بڑے مقام والے تھے آپ کو عشق کی آگ اور سماع کا شوق اور اخفائے کرامات کا خیال نہایت درجہ تھا۔ تاریخ مرات اسکندری میں لکھا ہے کہ مریدوں کی ہدایت اور تربیت کرنے میں شیخ کبیر عدیم المثال تھے لیکن اپنا احوال چھپانے کے لیے مسجد میں بیٹھے ہوئے بچوں کو درس دیا کرتے تھے اور اپنی ولایت کا جمال اولیا کی نظر سے چھپاتے تھے لیکن مشک اور عشق چھپانے سے نہیں چھپتا۔ آپ کے برادرزادے حضرت مخدوم حسن ناگوری اور ملک بختیار الدین وغیرہ جیسے اولیائے کاملین آپ کے خلفاء میں سے ہیں آپ کی اولاد احمد آباد گجرات میں ہے۔ شیخ رشید میاں گجراتی جو شیخ یحییٰ مدنی کی اولاد سے ہیں۔ مخبر الاولیا میں ارشاد فرماتے ہیں کہ شیخ فتح محمد عرف شمس خاں اور ان کے لڑکے اشرف محمد عرف ظہیر خاں سلاطین گجرات کی وزارت کے عہدے پر سرفراز تھے وہ سلطان التارکین رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے تھے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت شیخ کبیر کی اولاد میں سے ہوں گے واللہ اعلم آپ کے مزید حالات دستیاب نہ ہو سکے۔ شیخ کبیر کی وفات ۱۷ ماہ ذیقعدہ سنہ ۸۵۱ھ میں ہوئی اور آپ کا مزار احمد آباد بھٹیا پورہ میں ہے مرأۃ الاسرار

اور مخبر الاولیاء میں لکھا ہے کہ شیخ احمد کھٹو کے زمانے میں شیخ کبیر ناگور سے احمد آباد گئے تھے۔ ثمرات الابرار میں فیوض الارواح کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ کی وفات ۷۴۱ھ اور بقول بعض ۱۶ ذیقعدہ کو ہوئی تھی اور آپ کے برادر زادے خواجہ حسین اور ملک محمد بختیار آپ کے خلیفہ تھے۔

ملک محمد بختیار حضرت شیخ کبیر الدین رضی اللہ عنہ کے خلیفہ اعظم ہیں مرات سکندری کے حوالے سے مرات الاسرار میں لکھا ہے کہ ملک محمد بختیار شیخ کبیر کے خلفائے اعظم میں سے تھے۔ آپ اولیائے کاملین میں سے تھے علم ظاہری اور باطنی کے جامع اور صاحب وجد و سماع تھے۔ آپ سلطان محمود بیگڑہ کے امرائے اعظم میں سے تھے اور جس کوچہ میں حضرت شیخ کھٹو رہا کرتے تھے آپ بھی اسی کوچہ میں رہا کرتے تھے۔ جب آپ کی نظر شیخ کبیر کے کمال ولایت برپڑی تو بے اختیار ہو گئے اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نماز بھی شیخ کے ساتھ ادا کی۔ شیخ نے محمد بختیار کو جوہر قابل پاکر خاص طور سے نوازا جس کے باعث ملک محمد بختیار کا دل دنیاوی معاملات سے یکسر اچاٹ ہو گیا بہت دیر تک مدہوش اور بے خود رہے جب ہوش آیا تو

اپنے گھر گئے۔ تمام مال واسباب اور ہاتھیوں کی فہرست مرتب کر کے سلطان کے پاس بھیج دی کہ یہ سب سرکاری مال ہے سرکار میں داخل کر لیا جائے اور مجھے اپنے کام سے سبکدوش کرنے کا حکم فرمایا جائے۔ سلطان ہوتے متحیر ہوا کہ یہ کیا بات ہے۔ امراء کو شیخ محمد بختیار کے پاس بھیجا کہ ترک خدمت کا سبب دریافت کریں امراء نے ملک کو دیکھا تو بالکل فقیر پایا چنانچہ

واپس جاکر سلطان سے عرض کیا کہ ملک تو دیوانہ ہو گیا ہے۔ اپنا سارا اسباب دنیاوی فروخت کر دیا ہے اور اپنی بیوی کو مہر ادا کرکے کہہ دیا ہے کہ جی چاہے جہاں چلی جائے مگر بیوی بڑی ہمت والی ہے اس لئے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا ہے۔ آپ کے پیرومرشد حضرت شیخ کبیر نے آپ کو سقائی کی خدمت سپرد کی۔ مدت تک آپ دریا سے پانی بھر کر لاتے اور فقراء کو پلاتے رہے لوگ آپ پر ہنسا کرتے تھے کہ آپ نے بادشاہ کی وزارت چھوڑ کر ملا کبیر کی سقائی اختیار کی ہے مگر لوگوں کی اس ملامت کی آپ نے مطلق پرواہ نہ کی۔ آپ کے مدارج روز بروز بڑھتے گئے یہاں تک کہ شیخ کے حسن تربیت سے آپ پایۂ تکمیل ارشاد تک پہونچ گئے۔

تمام ملک گجرات میں آپ کے کمالات کا شہرہ ہو گیا اور اطراف واکناف سے لوگ جوق در جوق آنے لگے خلق کے اس اجتماع کو شیخ نے ناپسند فرمایا اس لئے آپ نے گوشۂ تنہائی اختیار کر لی اور مریدانِ صادق کی ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ ایک دن حضرت شاہ عالم کا ایک مرید حضرت ملک کی خدمت میں آیا حاسدوں نے حضرت شاہ عالم کو اس کی اطلاع اس انداز میں دی کہ ملک بختیار اتنا گستاخ ہو گیا ہے کہ آپ کے مریدین کو آپ سے روگرداں کرنے لگا ہے حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ کچھ مضائقہ نہیں۔ مرید کا اصل مقصد تو حصول رشد وہدایت ہے جہاں سے بھی مل جائے اچھا ہے۔ ایک دن حضرت شاہ عالم کی حضرت ملک سے شہر کے کسی کوچہ میں ملاقات ہوئی۔ ایک نے دوسرے سے خرقہ کی درخواست کی حضرت ملک نے عرض کیا کہ خلعت شاہوں کی طرف سے عطا

ہوا کرتی ہے۔ حضرت شاہ عالم نے فرمایا کہ ملک بھی تو شاہ ہوتے ہیں آخرکار۔
حضرت شاہ عالم نے اپنا پیراہن حضرت ملک کو عطا فرمایا اور حضرت ملک
نے اپنی کلاہ حضرت شاہ عالم کی خدمت میں پیش کی۔

مزار شریف | حضرت ملک کا مزار احمد آباد میں اپنے پیر و مرشد کے مزار کے قریب جنابا پورہ میں ہے

نوٹ: حضرت شیخ فریدالدین چاک پراں کی اکثر اولاد قصبہ روہتک ہانسی
احمد آباد اور یعسب میں تھی۔ آپ کی اولاد گوالیار میں بھی تھی۔ شیخ احمد اور ان کے
صاحبزادے شیخ حسن وغیرہ آپ کی اولاد سے تھے جو دہلی میں رہتے تھے۔
شیخ دولہ اور غلام محمد کے لڑکے حیات علی وغیرہ قصبہ روہتک میں بستے
تھے دو تین گھر ناگور میں بھی ہیں جن میں حضرت شیخ مداری عرف بدیع الدین
بن شیخ فریدالدین بن شیخ عبدالمومن بن شیخ نصیرالدین بن شیخ جیون بن شیخ محمد بن شیخ داؤد
بن شیخ محسن شیخ اوحدالدین احمد بن شیخ فریدالدین چاک پراں ہیں۔ یہ
شیخ مداری اپنے زمانے کے کاملین اور صالحین میں سے تھے
آپ کو شیخ کلیم اللہ چشتی جہاں آبادی و القادری سے خرقہ خلافت ملا تھا۔ آپ قصبہ سنگھانہ
میں رہا کرتے تھے اور اپنے مریدوں کو راہ خدا کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔
پہلے آپ شاہ عالمگیر بن شاہجہاں بادشاہ کی ملازمت میں تھے قصبہ سنگھانہ
میں آپ کے بہت سے مریدین ہیں۔ آپ کی وفات ۱۹ ماہ ذیقعدہ سنہ ھ میں
سنگھانہ میں ہوئی وہیں آپ کا مزار ہے۔ شیخ غلام نے اپنی حین حیات میں
آپ کی قبر پر گنبد بنوا دیا تھا۔ شیخ مداری کے لڑکے شیخ عبدالباقی تھے ان
کے لڑکے شیخ عبدالوامع اور ان کے لڑکے شیخ بخش تھے جو لاولد فوت ہوگئے

اس طرح سلسلہ اولاد شیخ مداری منقطع ہو گیا۔

شاہ غلام امام عرف شیخ مانو

شیخ شاہ امام الدین شیخ عبدالہادی بن شیخ ناصح الدین عرف نصیر الدین بن وصا الدین بن عبد المومن بن حسین بن نصر الدین بن جیو محمد بن شیخ محمد بن شیخ داؤد بن شیخ عبد المہیمن بن اوحد الدین بن شیخ فرید الدین چاک پران اپنے زمانہ کے کاملین اور عارفین میں سے تھے حضرت مولوی محمد وارث بنارسی القادری کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کا وطن اور مسقط الراس قصبہ ناگور ہے لیکن زیادہ تر قصبہ سنگھانہ میں رہا کرتے تھے کہتے ہیں کہ شیخ غلام امام شیخ مداری کے حقیقی نواسے اور ہمجدی تھے۔ شیخ مداری کی وفات کے بعد آپ قصبہ سنگھانہ کے شاہ ولایت ہوئے۔ قصبہ سنگھانہ اور اس کے آس پاس کے لوگوں کو راہ حق بتلاتے تھے۔ قصبہ سنگھانہ کے مسلمانوں میں بہت بے دینی اور شراب نوشی تھی۔ انھیں نماز روزہ سے کوئی غرض نہ تھی حضرت شیخ غلام امام صاحب کی برکت سے اس قصبہ میں دینداری پھیلی اور اس ضلع کے ہزارہا آدمی آپ کے مرید ہوئے آپ سے بہت سی کرامتیں اور خوارق عادات ظاہر ہوئیں۔ آپ کے یاروں، مریدوں اور خلفائوں میں سے بہت سے کاملین ہوئے ہیں۔ تربیت شاہ اور عبداللہ شاہ (جو مکہ معظمہ میں تھے) اور فتح شاہ باکمال عارفوں میں گزرے ہیں آپ کو وجد و سماع کا بہت شوق تھا مولوی اللہ نور شاہ ٹونکوی فتح شاہ کے مرید اور خلیفہ تھے اور نواب احمد یار خاں جو امیر خاں والی ٹونک کے صاحبزادہ تھے اللہ نور شاہ کے مرید تھے۔ شاہ غلام امام صاحب کی وفات تاریخ ۱۴

ذالحجہ سنہ ۱۲۰۸ھ کو ہوئی۔ آپ کا مزار قصبہ سنگھانہ میں شیخ مداری رحمۃ اللہ علیہ کے گنبد کے اندر ہے۔ آپ کا عرس ہر سال ہوتا ہے۔ ہزارہا آدمی جمع ہوتے ہیں۔ آپ کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی لڑکیاں تھیں جس میں سے بڑی جس کا نام نور النساء تھا حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کو بیاہی تھیں۔ آپ کی دوسری صاحبزادی حمیدہ بی بی شیخ مدار بخش بن عبد الواسع بن عبد الباقی بن شیخ مداری مرحوم کو بیاہی تھیں۔ شاہ غلام امام کے دو بھائی اور تھے ایک غلام مصطفٰی اور دوسرے مصلح الدین شاہ حضرت غلام امام کے انتقال کے بعد آپ کے چھوٹے بھائی مصلح الدین سجادہ نشین اور قائمقام ہوئے۔ یہ جو عالم متقی اور فقیر مشرب تھے۔ مریدوں اور معتقدوں کو راہ خدا بتاتے تھے۔ آپ کی وفات بتاریخ ۱۲ شوال سنہ ۱۲۰۰ھ میں ہوئی آپ کی قبر بھی شاہ غلام امام کی خانقاہ میں قصبہ سنگھانہ میں ہے۔ آپ کے دو لڑکے تھے ایک محمد اشرف جو لاولد فوت ہوئے دوسرے محمد لیسین جو آپ کی حیات میں فوت ہو گئے ان کے دو لڑکے تھے بڑا لڑکا شیخ خدا بخش اور چھوٹا لڑکا شیخ میران بخش۔ حضرت شیخ مصلح الدین کے انتقال کے بعد آپ کے پوتے شیخ خدا بخش بن محمد لیسین سجادہ نشین ہوئے۔ یہ صاحب علم و تقویٰ و شائق وجد و سماع تھے اور طالبانِ راہ حق کو تعلیم دیتے تھے۔ آپ کا کام توکل پر چلتا تھا فقیر دوست اور مسافر نواز تھے اور بہت سے مشائخ کی صحبت پائی تھی ۷۔ ربیع الاول سنہ ۱۲۷۳ھ کو آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کی قبر بھی شاہ غلام امام صاحب

کی خانقاہ ملک قصبہ سنگھانہ میں ہے۔ شیخ خدا بخش کے دو لڑکے تھے بڑے لڑکے میاں دیدار بخش جو اپنے والد کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ چھوٹے لڑکے مولا بخش تھے۔ دونوں بھائی صالح اور نیک بخت تھے شیخ فرید الدین چاک پراں رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد کا ذکر ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ سب پر رحمت فرمائے۔

خواجہ حسین ناگوری | خواجہ حسین ناگوری بہت کامل و صاحب علم ظاہر و باطن اور صاحب وجد و سماع تھے آپ شیخ وجیہہ الدین بن شیخ عزیز الدین بن حضرت سلطان التارکین شیخ حمید الدین صوفی رضی اللہ عنہم اجمعین کی اولاد سے ہیں آپ کی تصنیفات بہت ہیں۔ آپ شیخ کبیر الدین بن شیخ سعیدی بن شیخ عزیز الدین بن شیخ فرید الدین چاک پراں رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کے مرید اور خلیفہ تھے ۔۔۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ خواجہ حسین ناگوری بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ صاحب مقامات الحلیہ والکرامتہ الجلیہ تھے علوم طریقت و شریعت و حقیقت کے جامع تھے۔ انتہا درجہ کے زاہد و متقی تھے گجرات میں اپنے پیر کی خدمت میں رہ کر علوم کسبی اور وہبی کی تحصیل کی بعد کو وطن مالوف واپس آئے۔ آپ کو جب علم ظاہر و باطن کے حصول کا شوق ہوا تو ناگور سے احمد آباد شیخ کبیر الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مرید ہوکر علم ظاہر و باطن حاصل کیا مگر اس اثنا میں اپنے پیر بزرگوار شیخ کبیر الدین سے اپنا حسب و نسب ظاہر نہیں کیا آپ کے والد شیخ خالد جب کبھی سفارشی خط حضرت شیخ کبیر الدین کی خدمت میں بھیجتے تو وہ بھی خواجہ حسین اپنے پیر کی خدمت میں پیش نہ کرتے اور اپنا حال سب سے پوشیدہ رکھتے شیخ کبیر

کی خدمت میں بہت مستعد رہتے اور ریاضت کرتے حتی کہ علم ظاہری
اور باطنی سے فارغ ہو کر جب آپ رتبہ کمالیت اور خلافت پر پہونچے اور شیخ
نے وطن جانے کی اجازت رخصت دی اس وقت وہ تمام خطوط جو شیخ
خالد نے شیخ کبیر الدین کی خدمت میں سفارشاً بھیجے تھے آپ نے شیخ کبیر الدین
کی خدمت میں پیش کئے جب شیخ نے یہ خطوط پڑھے تو ان کو معلوم ہوا کہ
شیخ خواجہ حسین بھی شیخ حمید الدین ناگوری کی اولاد میں سے ہیں آپ نے اللہ تعالیٰ
کا شکر ادا کیا کہ حق حقدار کو پہونچا و نعمت باطنی گھر میں رہی کہتے ہیں کہ
شیخ کبیر الدین اور خواجہ حسین کی آپس میں قرابت بھی تھی بعض سمجھتے ہیں کہ شیخ کبیر
خالو تھے بعض کہتے ہیں کہ چچا ہوتے تھے شیخ کبیر نے فرمایا کہ آج تک آپ نے
یہ کیوں نہ بتایا کہ میں فلاں بن فلاں ہوں خواجہ نے جواب دیا اس وجہ سے
کہ یہ تعلقات معلوم ہونے پر آپ مجھ سے خدمت نہ لیتے اور میری نازبرداری
کرتے یہ نعمت جو مجھے خدمت کر کے ملی ہے اس سے میں محروم رہ جاتا یہ
سن کر شیخ کبیر بہت خوش ہوئے اور سینہ سے لگا لیا اور ناگور کی طرف روانہ
کیا رخصت کرتے وقت فرمایا کہ تم کو دنیا کی دولت سونا چاندی بہت ملے
گی اس کو حضرت خواجہ بزرگ معین الدین اور خواجہ حمید الدین کی خانقاہیں
بنانے میں صرف کرنا خواجہ حسین احمد آباد سے آکر سالہا سال حضرت خواجہ
بزرگ خواجہ معین الدین اجمیری کے مزار پر انوار پر حاضر رہے آپ کے
آستانہ سے گوناگوں فیوض و برکات حاصل کیں چنانچہ اخبار الاخیار میں لکھا
ہے کہ خواجہ حسین برسوں حضرت خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار

کی خدمت کر کے عبادت مولیٰ میں مشغول رہے۔ اس وقت اجمیر کے چاروں طرف جنگل تھا حضرت خواجہ بزرگ کے مزار مبارک پر کوئی عمارت نہ تھی سب سے پہلا شخص جس نے خواجہ۔۔۔ بزرگ کے مزار پر عمارت بنوائی وہ خواجہ حسین ناگوری تھے خواجہ بزرگ کی روحانیت کے اشارہ پر ناگور گئے اور وہاں علم دین کی تعلیم اور ارباب لیقین کی تلقین میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے ایک تفسیر قرآن لکھی ہے جس کا نام نور النبی ہے۔ قرآن شریف کے ہر جزو کی ایک جلد علیحدہ لکھی ہے ترکیب صرفی و نحوی کو حل کیا ہے اور آیتوں اور سورتوں اور حرفوں کی تشریح کی ہے جیسا کہ اور تفسیروں میں علم و بیان و معانی و تراکیب کو حل کیا گیا ہے۔ آپ نے بھی اس تفسیر میں بہت تفصیل اور وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ جو مسودہ اس تفسیر کا اول ہی اول خواجہ حسین نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا وہ ناگور شریف میں موجود ہے اور اس مسودہ کے اول ورق پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے۔ ابتداء فی تصنیف نور النبی علیہ السلام فی السابع عشرہ من رجب المرجب نذرہ یوم الجمعہ فی شہر المبارک المسمی بالناگور فی المروضۃ المبارکۃ المقدسۃ من ریاض الجنۃ لقطب المواد العالم سلطان التارکین شیخ حمید الدین محمد بن احمد بن محمد الصوفی السعیدی عند الشیخ المعظم المکرم فی جانب الوجہ والمطہر لعطر وقت المشروع فی کتاب بیلہ التسمیہ والحمد والصلوۃ نجارک حل وتمام علی راس المصنف رحمۃ اللہ فی الکتابۃ ابتداء والمرحمۃ تنزل من السماء والنور یخرج من القلم وکان التاریخ سنہ ۸۵۶ھ

بست دخس وشمال مالة۔ اور آپ نے قسم ثالث مفتاح کی شرح لکھی ہے آپ کے بہت سے رسالے اور مکتوبات ہیں۔ کہتے ہیں کہ آپنے حضرت شیخ احمد غزالی کی سوانح کی بھی شرح لکھی ہے حضرت سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات سے آپ کو انتہا درجہ کا عشق تھا یہاں تک کہ آپنے مکان کنوئیں باغ جو آپ کے پاس تھے وہ سب حضور سرور کائنات صلعم کے نام پر وقف کر دیئے تھے۔ آپنے اپنے بزرگوار دادا کا عرس کیا اور آدمیوں کو کھانا کھلایا تھا اپنا حصہ افطار کے وقت کے لئے رکھ لیا ناگاہ چار گمنام اشخاص آئے جو جزام کی بیماری میں مبتلا تھے اور جن کے ہاتھ کی انگلیوں سے پیپ اور خون ٹپک رہا تھا۔ انھوں نے آپ سے کھانا مانگا جو کھانا آپ نے اپنے لئے رکھ چھوڑا تھا وہ پیش کر دیا ان چاروں نے کھانا کھایا اور بقیہ کے لئے آپ سے کہا کہ یہ تم کھالو غلبہ حال اور غایت طلب اور انتہا درجے کی خواہش کے باعث آپ وہ سارا کھانا کھا گئے اس دن سے آپ کی حالت ہی بدل گئی آپ کے پاس سواری کے لئے بیل گاڑی تھی۔ بیلوں کی خدمت خود کیا کرتے تھے اور گاڑی خود ہانکتے تھے آپ پھٹے پرانے کپڑے پہنا کرتے تھے۔ صاحب اخبار الاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان بزرگوار کے کپڑوں کی آپ نے زیارت کی ہے۔ کہتے ہیں کہ خواجہ حسین کی اولاد میں سے ایک صاحب شیخ عبدالقادر رحمتہ اللہ جو دہلی تشریف لائے تھے ان کے پاس خواجہ حسین کے بہت سے تبرکات تھے میں نے ان کے پاس آپ کا لباس مبارک دیکھا تھا دستار

پیراہن اور پائجامہ سب ایک ہی قسم کے کپڑے کے بنے ہوئے تھے۔ کپڑا نہایت معمولی قسم کا تھا۔ آپ کو وجد و سماع میں نہایت درجہ کا غلو تھا۔ ایک دن آپ حالت سماع میں سرشار تھے۔ اسی حالت میں جنگل کی طرف روانہ ہو گئے قوال اور ایک کناسی تھا جو آپ کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوا تھا اور پاکیزگی ظاہری و باطنی حاصل کر چکا تھا۔۔۔ آپ کے پیچھے پیچھے چلے شہر ناگور کے باہر بہت گہرا حوض ہے۔ خواجہ اسی حالت وجد میں اس حوض پر اس طرح چلنے لگے جیسے کہ زمین پر مرد کناس بھی پیچھے ہو لیا اور حوض پر چلنے لگا۔ مگر قوال قدم نہ بڑھا سکا وہیں کھڑا ہو گیا۔ سلطان غیاث الدین خلجی بادشاہ مانڈو نے آپ کو بارہا بلایا مگر آپ نہیں گئے۔ ایک بار موئے مبارک حضرت سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سلطان غیاث الدین کے پاس آیا لوگوں نے کہا کہ اس موئے مبارک کی خبر شیخ حسین ناگوری کو ہو گئی تو وہ بلا توقف یہاں آنے کے لئے مجبور ہو جائیں گے۔ سلطان نے شیخ تک خبر پہنچا دی۔ آپ نے اسی وقت نعت پڑھی اور درود شریف پڑھتے ہوئے مانڈو کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ آپ جب مانڈو کے قریب پہنچے تو بادشاہ آپ کے استقبال کے لئے مانڈو سے باہر آیا دیکھا کہ ایک شخص جس کے کپڑے دھول میں بھرے ہوئے بیل گاڑی میں بیٹھا چلا آ رہا ہے خیال کیا یہ شیخ کیوں ہونے لگا۔ شیخ تو اور کوئی ہوگا۔ اسکے آدمیوں نے دریافت کیا کہ شیخ آپ ہی ہیں بھلا شیخ کو موئے مبارک کی زیارت کے اشتیاق میں ان کی طرف بلکہ خود اپنی طرف متوجہ ہونے کی فرصت کہاں تھی کہتے ہیں کہ جب شیخ کی نظر اس موئے

مبارک پر پڑی تو موئے مبارک اڑکر آپ کے ہاتھ میں آگیا اس کے بعد سلطان خواجہ حسین کو اپنے باپ کی قبر پر لے گیا اور عرض کیا کہ دعائے خیر کیجئے۔ آپ نے دعا کی اور جو کچھ حال صاحب قبر کا آپ کو معلوم ہوا بیان فرمایا بادشاہ نے بڑے تحفے پیش کیئے مگر آپ نے قبول نہ کیئے۔ کہتے ہیں کہ شیخ کے صاحبزادہ کے دل میں ان تحفوں کی خواہش پیدا ہوئی۔ آپ نے کشف سے جان لیا اور کہا کہ یہ سانپ ہیں کسی نے سانپ کو بھی پالا ہے۔ آپ نے صاحبزادہ کے دل میں ان تحفوں کی زیادہ خواہش دیکھی تو فرمایا اچھا اس میں سے کچھ لے لو اور خواجہ بزرگ معین الدین چشتی اور اپنے جد بزرگ حمید الدین صوفی کے مزارات پاک پر عمارت بنوا دینا کیونکہ شیخ کبیر کی زبان مبارک سے نکل چکا ہے کہ مجھ کو روپیہ ملے گا اور وہ روپیہ اپنے بزرگوں کے روضوں کی تعمیر میں خرچ کرنا۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد عمر بھر آپ نے نذرانہ قبول نہیں کیا حضرت خواجہ بزرگوار کی قبر پر جو عمارت ہے وہ آپ نے اس روپیہ سے بنوائی خواجہ کے یہاں کا دروازہ مانڈو کے کسی دوسرے بادشاہ نے بنوایا ہے۔ شیخ حمید الدین ناگوری کے دروازہ کی عمارت سلطان محمد تغلق کی بنوائی ہوئی ہے اور شیخ حمید الدین کے روضہ کی چار دیواری کی عمارت خواجہ حسین کی بنوائی ہوئی ہے خواجہ حسین کی عمر کا آخری حصہ سلطان غیاث الدین کے زمانہ میں گزرا جب کفار نے سورش کی تو آپ دہلی تشریف لے گئے پھر اپنے وطن کو واپس تشریف لائے۔ دہلی میں سب لوگوں کو آپ سے ارادت ہوگئی تھی اور پرانی دہلی میں ابھی تک آپ کا حجرہ موجود ہے اگر

کوئی آپ کی تعظیم کرتا تو آپ کو اچھا معلوم ہوتا فرماتے کہ فلاں حسین کو کمینہ ہے (رحمتہ اللہ علیہ) اگر کوئی شخص آپ کے پاس آکر کہتا کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے تو آپ اس کے پاس بیٹھ کر اس کا پورا قصہ سنتے اور اس کے ہاتھ پاؤں چومتے اور اس کے آستین و دامن کو اپنے منہ پر ملتے اور اگر وہ کہتا کہ میں نے فلاں جگہ دیکھا ہے تو آپ اس جگہ جاتے اور اس جگہ کو بوسہ دیتے اور وہاں کی مٹی اپنے منہ پر ملتے اور اگر اس جگہ پتھر ہوتا تو آپ اس پتھر کو دھوکر وہ پانی پیتے گلاب کی طرح اپنے جسم اور کپڑوں پر چھڑکتے۔ اگر کسی شخص کو کسی سید سے شرعی جھگڑے کا دعویٰ ہوتا بہت عاجزی کے ساتھ ایسی سفارش کرتے کہ سید کی بات بالا ہے فرمایا کرتے تھے کہ سیدوں کے ساتھ شریعت کی بات نہ کرنا چاہیئے بلکہ ان کے ساتھ مروت کی بات کرنا چاہیئے۔ جب اجمیر میں کفار کا غلبہ ہوا اور اجمیر کفار کے ہاتھ پڑا حضرت خواجہ بزرگ کی اولاد اجمیر میں نہ رہ سکی۔ خواجہ معین الدین خورد کے صاحبزادے مانڈو جاکر آباد ہوئے اور شیخ قیام بابر بال گجرات کی طرف چلے گئے اور وہاں رشد و ہدایت کرنے لگے۔ یہ دونوں بزرگ یعنی خواجہ معین الدین خورد اور شیخ قیام بابر بال حضرت حسام الدین سوختہ کے صاحبزادے ہیں۔

شیخ بایزید بزرگ عرف تاج الدین بن شہاب الدین بن کمال الدین احمد بن نجم الدین خالد بن شیخ قیام بابر بال بن حسام الدین سوختہ بن فخر الدین بن خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجری رضی اللہ علیہم اجمعین بغداد چلے گئے اور وہاں علم حاصل کیا۔ سالہا سال کے بعد جب سلطان

محمود خلجی نے اجمیر میں اسلام پھیلایا اور کفار پر غلبہ ہو گیا۔ شیخ بایزید بغداد سے مانڈو تشریف لائے۔ شیخ محمود دہلوی مانڈو کے شیخ الاسلام تھے آپ نے اپنی لڑکی کا نکاح شیخ بایزید سے کر دیا۔ سلطان محمود بھی بایزید کا معتقد ہو گیا۔ چشت خاں جس کا نام قطب الدین تھا۔ خواجہ معین الدین خورد کی اولاد سے تھا۔ اس کو بایزید کا اقتدار ناگوار گزرا۔

سلطان محمود خلجی کو اجمیر شریف میں مدرس مقرر کر رکھا تھا چشت خاں نے شیخ بایزید کو اجمیر بھجوا دیا تا کہ آپ روضہ مبارک خواجہ پر جا کر تعلیم دیں۔ شیخ احمد مجد اور دوسرے بزرگ شیخ بایزید کے شاگرد رہیں مدت کے بعد خدام نے مشہور کر دیا کہ شیخ بایزید فرزند خواجہ نہیں ہیں اور یہ بات بادشاہ تک پہونچا دی۔ بادشاہ نے اس وقت کے عالموں اور مشائخ سے دریافت کیا۔ مخدوم خواجہ حسین ناگوری اور مولانا رستم شیخ احمدی جو علماء اور قدیم مشائخ میں سے تھے —— اور اجمیر کے دیگر عالموں نے گواہی دی کہ شیخ بایزید شیخ قیام بابر یال بن شیخ حسام الدین سوختہ بن شیخ فخر الدین بن خواجہ بزرگ معین الدین کے فرزند ہیں

خواجہ حسین کی شہادت اس باب میں کافی تھی کیونکہ آپ ولی کامل تھے اور شیخ بایزید کے سلسلہ کو جانتے تھے اور معتقد تھے اور چونکہ آپ نے شیخ بایزید کی اولاد کو اپنی لڑکی دی تھی اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کو شیخ بایزید کا فرزندان خواجہ بزرگ میں سے ہونا تحقیق تھا۔ اخبار الاخیار اور مونس الارواح میں اس کی تفصیل درج ہے۔

شیخ جمالی سیرالعارفین میں تحریر کرتے ہیں کہ جس زمانہ میں آپ
اجمیر شریف گئے تھے اس وقت شیخ بایزید صاحب سجادہ تھے جن کی والدہ
شیخ حمیدالدین محمد احمد صوفی ناگوری کے نواسہ کی صاحبزادی تھیں اس سے
معلوم ہوا کہ شیخ تاج الدین بایزید کی والدہ شیخ حمیدالدین صوفی کی اولاد
میں سے تھیں۔

کہتے ہیں کہ مخدوم خواجہ حسین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ سفر کرتے ہوئے ایک شہر میں
پہنچے۔ سرائے کی بھٹیاری کو روٹی پکانے کے لیئے آٹا دیا۔ وہ روٹی پکانے لگی
اور آپ قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہو گئے ——— خواجہ صاحب
حافظ اور قاری تھے اور علم قرات میں کامل تھے بھٹیاری کا لڑکا چھوٹا تھا رونے
لگا۔ بھٹیاری کہنے لگی کہ الٰہی کیا کروں دو دو مصیبتیں ہیں ایک تو یہ لڑکا روتا ہے
دوسرے یہ مسافر قرآن شریف غلط پڑھتا ہے اور مجھے گنہگار کرتا
ہے خواجہ یہ سن کر متحیر ہوئے کیونکہ آپ عالم تھے فرمایا کہ اے نیک
بخت میں قرآن شریف پڑھنے میں کیا غلطی کرتا ہوں۔ بھٹیاری بولی آپ سراسر
غلط پڑھتے ہیں۔ خواجہ نے فرمایا کہ آخر میں کیا غلطی کرتا ہوں اور کونسا حرف
یا لفظ غلط پڑھتا ہوں۔ بھٹیاری بولی میں تو نہیں جانتی البتہ جب آپ روٹی کھانے
سے فارغ ہو جاؤ گے تو میں آپ کو اپنے استاد کے پاس لے چلوں گی آپ میرے

استاد کے سامنے پڑھنا وہ آپ کو غلطی بتادیں گے۔ خواجہ جب کھانے
سے فارغ ہوئے تو بھٹیاری آپ کو لے کر اپنے استاد کے پاس گئی۔ خواجہ نے
دیکھا کہ ایک مرد برقعہ پوش ہے جس نے اپنا منہ کپڑے سے ڈھانک رکھا ہے
بھٹیاری نے کہا یا حضرت یہ مسافر چاہتا ہے کہ آپ کو اپنا قرآن سنائے وہ
شخص بولا اچھا پڑھو۔ خواجہ نے قرآن شریف پڑھنا شروع کیا آپ نے ایک
دو رکوع ہی پڑھے ہوں گے کہ مرد بولا کہ تم قرآن شریف بہت غلط پڑھتے ہو اگر
تم چاہتے ہو کہ اپنا قرآن پڑھنا صحیح کرلو تو یہاں چند دن ٹھہرو اور مجھ سے از
سر نو الف بے سے پڑھنا شروع کرو۔ خواجہ نے کہا بہتر۔ خواجہ نے پڑھنا شروع
کیا۔ چونکہ خواجہ خود عالم و فاضل تھے اس شخص کی تعلیم سے چند دنوں میں ہی
اس جیسا قرآن شریف پڑھنا شروع کردیا اور قرآن شریف ختم کرلیا وہ شخص
بولا آؤ تاکہ تمھیں معلوم ہوجائے کہ جو قرات تم پڑھتے تھے اور جو قرات تم نے
مجھ سے سیکھی ہے ان دونوں میں کیا فرق ہے اور اس کی کیا تاثیر ہے خواجہ
کو لے کر ندی پر گیا اور کہا کہ اول تو وہ قرات پڑھو جو تم پڑھا کرتے تھے آپ
نے وہ ہی قرات پڑھی کچھ اثر نہ ہوا پھر اس شخص نے کہا کہ اب وہ قرات
پڑھو جو تم نے مجھ سے سیکھی ہے۔ خواجہ نے یہ قرات پڑھی اس قرات کے
پڑھتے ہی دریا سے زر و جواہر سونا چاندی باہر نکلنے لگا یہاں تک کہ ڈھیر
لگ گیا وہ شخص بولا کہ تمھیں معلوم ہوا کہ جو قرات تم پڑھتے تھے اور جو قرات
میں نے تمھیں سکھائی ہے اس کے پڑھنے میں کیا فرق ہے اب میں تمھیں
جانے کی اجازت دیتا ہوں مجھ کو بھی دعا میں یاد رکھنا۔ خواجہ نے کہا

میری ایک عرض ہے اگر آپ قبول فرمائیں استاد بولے کیا ہے۔ کہو
آپ نے عرض کیا کہ آپ اپنے رُخ سے برقعہ اٹھالیں تاکہ میں دیدار
سے سرفراز ہو جاؤں۔ استاد بولے کہ میرا منہ تو دنیا میں ہی سور کا سا ہو گیا ہے
مجھ سے ایک گناہ سرزد ہو گیا تھا میرا منہ نہ دیکھو نہیں تو تم کو رنج ہو گا
آپ بولے کہ آخر کیا گناہ ہوا تھا۔ استاد نے کہا کہ ایک دن میں نے نماز
میں امام سے پہلے سر سجدہ سے اٹھا لیا تھا۔ خواجہ نے کہا کہ جو کچھ بھی
ہو۔ آپ اپنا چہرہ مجھے دکھا دیجئے۔ استاد نے منہ پر سے برقعہ اٹھا
دیا چودھویں رات کے چاند جیسا روشن تھا خواجہ نے کہا کہ
وہ بات تو نہیں ہے جو آپ نے کہی۔ استاد بولے آپ خواجہ حسن
ناگوری ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ استاد نے کہا الحمد للّٰہ آج میری مرادیں
پوری ہو گئیں۔ خواجہ نے کہا کہ کیسے استاد نے کہا کہ جب اس گناہ سے
میرا منہ سور جیسا ہو گیا تھا میں دن رات روتا تھا اور جناب باری میں
دعائیں مانگتا تھا کہ میرا منہ اصلی حالت پر آ جائے۔ ایک دن ہاتف غیب
سے آواز آئی کہ جب تم خواجہ حسن ناگوری کا روئے مبارک دیکھو گے
تمہارا چہرہ اصلی حالت پر آ جائے گا وہاں سے رخصت ہو کر خواجہ
ایک شہر میں پہنچے وہاں کا حاکم بہت ظالم اور کافر تھا اس نے ہر ایک
مسلمان کے گھر میں ایک۔ ایک سور بندھوا رکھا تھا۔ آپ جس گھر میں جاتے
سور بندھا ہوا دیکھتے۔ ایک گھر سے نکل کر دوسرے گھر میں جاتے تو سور
بندھا ہوا ہوتا۔ جب ایک گھر سے نکل کر آ رہے تھے تو مالک مکان

نے کہا کہ آپ یہاں ٹھہر جائیں۔ جہاں جائیں گے وہاں سور بندھا دیکھیں گے۔ آخر سور بھی خلق خدا ہے ایک طرف بندھا ہے آپ کا کیا لیتا ہے آپ اپنے کام میں مشغول ہوئے۔ آپ اس کے یہاں ٹھہر گئے نماز کا وقت آیا۔ مالک مکان کی لڑکی بولی بابا بیت اللہ میں اذان ہو گئی ہے جلدی کیجئے وہ شخص آفتابہ لے کر روانہ ہوا اور پھر خواجہ سے پوچھا کہ کیا آپ یہاں ہی نماز پڑھیں گے یا بیت اللہ میں۔ خواجہ نے فرمایا کہ میں بھی خانہ کعبہ میں نماز پڑھوں گا وہ اپنی لڑکی سے بولا کہ اے لڑکی جب یہ مسافر کھانا کھا چکے تو اس کو بھی اپنے ساتھ لیتے آنا۔ خواجہ کھانا کھا رہے تھے لڑکی نے تاکید کی کہ جلدی کرو۔ خانہ کعبہ میں نماز ہونے والی ہے۔ جب آپ کھانے سے فارغ ہوئے لڑکی نے کہا آؤ میرے پاؤں پر پاؤں رکھو۔ آنکھیں بند کرو اور یا کوبی کہو۔ وہ لڑکی جاہل تھی اس لئے کاف کہتی تھی۔ خواجہ نے کہا یا قوی۔ لڑکی نے کہا یا کوبی کہو خواجہ نے پھر یا قوی کہا۔ لڑکی بولی کہ جلدی کرو اور یا کوبی کہو جس طرح میں کہتی ہوں میری نماز بھی قضا کرتے ہو۔ خانہ کعبہ میں تکبیر تحریمہ ہو چکی ہے۔ آخر خواجہ نے بھی یا کوبی کہا اور خانہ کعبہ پہنچ گئے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد وہ شخص بولا کہ آپ یہاں ہی ٹھہریں گے یا میرے ساتھ واپس چلیں گے خواجہ نے کہا واپس چلوں گا۔ خواجہ نے اس شخص کے پاؤں پر پاؤں رکھ کر یا کوبی کہا اور شہر آ گئے۔ اس کے بعد خواجہ وہاں سے روانہ ہو کر اپنے وطن آ گئے۔

خواجہ حسین رحمتہ اللہ جب بزرگوں کی زیارت کے لئے دہلی جاتے تو جھونجھنوں کے راستہ سے جاتے تھے۔ اس وقت تک موجودہ قصبہ جھونجھنوں آباد نہیں ہوا تھا۔ جھونجھنوں پہاڑ کے نیچے ایک چھوٹا گاؤں تھا وہاں کی زبان میں ایسے گاؤں کو ڈھانی کہتے تھے۔ جھوجھا دہقان اس ڈھانی کا مقدم تھا۔ جس کے نام سے جھونجھنوں آباد ہوا۔

جب خواجہ جھونجھنوں پہنچے تو ایک کشادہ پتھر پر مقام فرماتے جو جنگل میں پیلو اور کریر کی جھاڑیوں میں ایک درخت کے نیچے پڑا تھا۔ درویش ہونے کی وجہ سے آپ اس جگہ کو پسند کرتے تھے اور اسی جگہ چند روز قیام کرتے تھے۔ وہاں آج بھی آپ کا چلہ بنا ہوا ہے

یہیں سے آپ دہلی کی طرف روانہ ہوگے

ان دنوں نواب خاں جہانی عرف قیام خاں کو جس کی اولاد قائم خانی کہلاتی ہے۔ بادشاہِ وقت خضر خاں نے دریائے جمنا میں غرق کروا دیا تھا اس کا بڑا لڑکا محمد خاں چند سواروں کے ساتھ آپ کی خدمت میں آیا اس وقت

آپ جھونجھنوں کے جنگل میں اس پتھر پر بیٹھے ہوئے عبادت حق میں مشغول تھے اور پانی سے بھرا ہوا آفتابہ پاس رکھا تھا۔

محمد خاں نے دیکھا کہ بڑی عظمت اور ہیبت والے ایک بزرگ درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے عبادتِ حق میں مشغول ہیں۔ خواجہ کے پاس آئے اور نہایت ادب سے سلام کیا۔ خواجہ نے

ہندی زبان میں کہا کہ آؤ میرے بھومیہ وہاں کی زبان میں بھومیہ جاگیردار کو کہتے ہیں۔ وہ لوگ بولے کہ ہم لوگ بھومیہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ ہم تو باغی ہیں اور مارے مارے ملک در ملک پھرتے ہیں۔ بادشاہ نے ہمارے باپ کو مروا ڈالا اور ہم کو ہمارے ملک سے بے دخل کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ تم کو اس ملک کا جاگیردار کرے گا اور اس ملک کے تم مالک ہو گے۔ آخر آپ کی دعا کی برکت سے وہ قصبہ جھونجھنوں فتح پور اور تمام ضلع شیخاوا ٹی کا جاگیردار اور نواب ہو گیا خواجہ کی اولاد نے اس پتھر پر جہاں آپ رونق افروز ہوا کرتے تھے۔ ایک گنبد بنا دیا ہے۔ آپ کی قبر ناگور میں خانقاہ کے اندر حضرت خواجہ حمید الدین صوفی السوالی الفاروقی کے مزار کے پائین بجانب واقع ہے۔

خواجہ حسین کے دو صاحبزادے تھے۔ بڑے خواجہ معروف جنکی زیادہ تر اولاد جھونجھنوں میں ہے اور چند گھر ناگور میں بھی ہیں اور دوسرے صاحبزادہ مخدوم الھدیہ آپ کی اولاد اجمیر شریف اور قصبہ بوندی میں تھی۔ مظفر علی بن امیر علی آپ کی اولاد میں سے ہیں ان کا نسب نامہ یہ ہے مظفر بن امیر علی بن محمد علی غلام محمد بن عزیز محمد بن عبد الرحمن بن شیخ فرید بن شیخ قطب الدین بن شیخ طیب بن مخدوم الھدیہ بن حضرت مخدوم ناگوری۔

غلام حسین قصبہ دانعتہ میں رہتے ہیں۔ عزیز محمد بن عبد الرحمن مذکور کے لڑکے ہیں۔ موضع دانعتہ دہلی سے سولہ کوس ہے

خواجہ مخدوم حسین کے سب سے مشہور خلیفہ اور مرید آپ کے دونوں صاحبزادے اور شیخ احمد مجد شیبانی تھے۔ نیز خواجہ خالو گوالیاری بھی آپ کے خلیفہ تھے

شیخ احمد مجد شیبانیؒ

حضرت شیخ احمد شیبانی بزرگ کامل تھے اور خواجہ حسین ناگوری کے خلیفہ اعظم تھے۔ اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ کو شریعت اور طریقت کا علم، پرہیزگاری، تقویٰ اور ذوق کامل حاصل تھا۔ امر معروف اور نہی منکر کی تعمیل میں آپ اپنی جان پر کھیل جاتے تھے۔ آپ کے نزدیک دنیا کی کوئی قدر نہ تھی آپ کی مجلس حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس کے مشابہ تھی۔ آپ حضرت خواجہ حسین ناگوری کے شاگرد بھی تھے اور مرید بھی۔ کہتے ہیں کہ اٹھارہ سال کی عمر میں ہر طرح کے علم کا درس دیا کرتے تھے۔ آپ کی جائے پیدائش نارنول ہے آپ کا مرقد ناگور میں تالاب منڈولا پر ہے۔

آپ کے والد قاضی مجد الدین بن قاضی تاج الدین فضل بن قاضی شمس الدین شیبانی ہیں جو امام محمد شیبانیؒ شاگرد امام اعظم رحمۃ اللہ علیہما کی اولاد سے ہیں کہتے ہیں کہ قاضی مجد الدین کے سات لڑکے تھے سب کے سب عقلمند اور دیانت دار تھے۔ سب سے بڑے شیخ احمد تھے جو علم اور عمل میں سب سے بڑھ کر تھے۔ زمانہ طالب علمی میں عاقلوں سے بحث کیا کرتے تھے۔ شروع جوانی میں ہی خواجہ حسین ناگوری کے مرید ہو گئے تھے۔

آپ بحث مباحثہ کے شائق تھے۔ درباری تعلقات سے آپ کو نفرت تھی۔ طریقت کا علم اپنے پیر بزرگوار سے پڑھا تھا۔ آپ اٹھارہ سال کی عمر میں اجمیر شریف آئے اور وہاں ستر سال زہد پرہیزگاری ریاضت اور عبادت میں گزار دیئے۔ امر معروف اور نہی منکر کی تعمیل میں امیر و غریب اپنے اور پرائے کو برابر تصور کرتے۔ آپ کے دادا شمس الدین شیبانی بڑے عقلمند تھے۔ تغلق شاہ کے زمانہ میں آپ دہلی سے نارنول چلے گئے تھے۔ اس وقت تک آپ نے نکاح نہیں کیا تھا۔ آپ حج بیت اللہ کے عزم سے چلے تو گجرات میں ایک مسجد میں پہونچے وہاں ایک معتزلی واعظ ممبر پر اپنے مذہب کی تلقین کر رہا تھا۔ معتزلہ کا اعتقاد ہے کہ بندہ اپنے ہر فعل میں مختار ہے۔ اس نے کہا دیکھئے یہ میرا ہاتھ ہے جب چاہتا ہوں کھول لیتا ہوں جب چاہتا ہوں بند کر لیتا ہوں۔ حاضرین میں سے کسی کو اس سے بحث کرنے کی قدرت نہ تھی۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کو قدرت ہے تو آپ ہاتھ کو پیٹھ پر لے جا کر کیوں نہیں لٹکا دیتے۔ بادشاہ کو آپ کا جواب بہت پسند آیا۔ بادشاہ نے آپ کو ایک کنیز جو دار الحرب سے لائی گئی تھی نذر کی۔ اس کنیز سے آپ کے اولاد ہوئی۔ قاضی تاج الدین فاضل اسی کنیز کے بطن سے تھے۔ ان کے پانچ لڑکے ہوئے سب عقلمند اور پرہیزگار تھے۔ ان میں سے ایک قاضی مجد تھے جو شیخ احمد مجد کے والد تھے۔ آپ کے اور لڑکوں میں سے قاضی مبارک بھی تھے جن کی تصنیف سے مجموعہ صد فصل ہے اور جو سلطان غیاث الدین کی طرف سے خواجہ

بزرگ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے روضۂ مبارک پر مدرس
تھے ان کا مزار اجمیر شریف میں ہے نوشکہ۔ شیخ احمد مجد بڑے بزرگ
خاندان کے فرد تھے فرمایا کرتے تھے کہ جب آپ اپنے عزیزوں کے ساتھ
تلاش معاش کے لئے مانڈو گئے۔ اس وقت آپ بہت ہی کم عمر تھے
شیخ محمد دہلوی مانڈو کے شیخ الاسلام تھے اور عالموں کے صدر بھی تھے
انھوں نے نماز میں امام سے پہلے نیت باندھ لی۔ بڑے بڑے عالم
صفِ اول میں ان کے پاس تھے مگر کسی نے نہیں ٹوکا۔ نماز کے بعد
آپ آگے بڑھے اور شیخ الاسلام سے کہا کہ آپ کی نماز صحیح نہیں ہوئی
آپ نے امام سے پہلے نیت تحریمہ باندھ لی۔

سلاطین مانڈو کے یہاں دستور تھا کہ آدمی پیٹھ خم کر کے
سب سے چھوٹی انگلی زمین پر ٹیک کر بادشاہ کو سلام کیا کرتے تھے
قاضی محمد ادریس دہلوی نے جو ایک عاقل شخص تھے اس طرز سے
سلام نہ کیا کیونکہ اس طرح سلام کرنا بدعت ہے اور سلام علیکم کہا اور
بادشاہ کے برابر بیٹھ گئے۔ بادشاہ نے انصاف کیا اور قاضی محمد ادریس کو
اجمیر کا قاضی مقرر کر دیا اور ان کو چار گاؤں دیئے اور فتاوی کا کام
جو شیخ احمد کیا کرتے تھے ان کو سپرد کر دیا۔ شیخ احمد مجد رحمۃ اللہ علیہ نے
شیخ تاج الدین بایزید بزرگ سجادہ نشین حضرت خواجہ بزرگ سے
علم ظاہری پڑھا۔ سلطان غیاث الدین کا غلام بلو خاں تھا جو اجمیر کا صوبہ
دار تھا بارہ ہزار سوار اس کے ماتحت تھے۔ اس نے بادشاہی کا

دعویٰ کیا اور چاہا کہ اس کے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ شیخ احمد مجد نے فتویٰ دینے سے انکار کیا اور کہا کہ تو غیاث الدین بادشاہ کا غلام ہے تیرے نام کا خطبہ پڑھنا درست نہیں۔

ایک دن دیوان کے پاس بہت سے آدمی بیٹھے تھے۔ آپ کسی امر معروف کے لئے اس کے پاس گئے۔ اس نے جب شیخ کو دیکھا تو بھاگا۔ شیخ نے اس کا پیچھا کیا اور اس کے دروازے پر پہونچے بلو خاں کی ماں نے آپ کی نذر کے لئے اشرفی بڑے طباق میں بھیجی۔ شیخ نے قبول نہیں کی۔ بلو خاں نے قاضی ادریس کو قید کر دیا اور زہر دلوا کر مروا ڈالا اور قاضی صاحب کی مدد معاش کے واسطے جو کچھ مقرر تھا وہ سب کچھ ان کی اولاد سے چھین لیا اور ان کے گھر کو لوٹ کر تباہ کر دیا مگر شیخ احمد مجد سے کچھ نہ کہا کیونکہ آپ کے پاس دنیا کے ساز و سامان میں سے کچھ نہ تھا۔

محمد خاں ناگوری ہندوؤں کی طرح زیور پہنا کرتا تھا۔ ایک دن آپ سے ملاقات کے لئے آیا جو لباس خلاف شرع پہنے ہوئے تھا اتار ڈالا مگر اس کے ہاتھ میں صرف ایک سونے کی انگوٹھی رہ گئی جب تک اس نے وہ انگوٹھی نہیں اتاری۔ آپ نے اس سے ہاتھ نہ ملایا اس کے لمبے اور نیچے کپڑے تھے آپ نے کاٹ کر چھوٹے کر دیئے کوئی رئیس آپ کے پاس آیا اس کا لباس بہت لمبا تھا۔ آپ نے اس کا دامن چاک کر کے فرمایا کہ اس سے زیادہ پہننا خلاف شرع ہے وہ رئیس جب

آپ کے پاس سے گیا تو پھٹا ہوا دامن سلوا کر شکار کے لئے چلا گیا اتفاقاً اس کا دامن کانٹوں میں الجھ گیا اور وہیں سے پھٹ گیا جہاں سے سلوایا تھا۔ وہ شیخ کے پاس آیا اور توبہ کی کہ آئندہ لمبے دامن کا لباس نہ پہنوں گا۔

حسن خاں میواتی نے آپ کے پاس مراسلہ بھیجکر عرض کیا کہ نارنول کے پاس بہت گاؤں میووں کے ہیں ان میں سے جو گاؤں آپ کو پسند آئے قبول کرلیں۔ پروانہ لکھ کر بھیج دیا جائے گا اور اگر آپ میوات میں تشریف لائیں تو زہے نصیب۔ کیونکہ میوات میں کوئی عالم اور صالح نہیں ہے آپ کے قدموں کی برکت سے علم و صلاح وہاں پھیل جائے تو بہتر ہے۔ آپ نے سنا تھا کہ حسن خاں نے اپنے بھائیوں کو قتل کر دیا تھا۔ آپ نے اس خط کی پشت پر لکھا کہ چونکہ تو نے اپنے بھائیوں کو قتل کر دیا اس لئے تیرا منہ دیکھنا روا نہیں۔

اپنے پیر کی طرح آپ کو بھی نبی علیہ السلام و التحیۃ کے خاندان سے انتہا درجہ کی محبت تھی کہتے ہیں کہ عاشورہ محرم کے دس دن میں اور ربیع الاول کے بارہ دن میں آپ دھلا ہوا نیا کپڑا نہ پہنتے تھے اور ان دونوں مہینوں کی راتوں میں زمین پر سو تے تھے۔ سیدوں کی قبروں پر معتکف ہوتے تھے اور اپنے مکان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کے نام پر کھانا کھلاتے تھے۔ عاشورہ کے دن شربت اپنے سر پر رکھ کر سیدوں کے یہاں لے جاتے۔ یتیموں اور فقیروں کو پلاتے

اور اس طرح روتے کہ گویا یہ واقعہ آپ کے سامنے ہو رہا ہے۔ یہاں کے رواج کے مطابق جب عورتیں اور لڑکیاں عاشورہ کے دن روتیں ان کا رونا سنکر آپ کی حالت خراب ہو جاتی اور آنکھوں سے خون کے آنسو جاری ہو جاتے۔ آپ کو سرود (باجا) بہت پسند تھا مگر کبھی خود نہیں بجاتے رقص اور وجد بھی نہیں کرتے۔ اگر کوئی کہتا کہ آپ کے پیر مرشد رقص میں شریک ہوئے ہیں اور انھوں نے مجلس سماع کرائی ہیں۔ آپ جواب دیتے کہ میں ابھی اس رتبہ کو نہیں پہنچا ہوں۔ آپ اکثر بوسیدہ ڈھلے ہوئے کپڑے پہنتے تھے۔ اکثر اوقات آپ کے سر پر فقط ٹوپی ہوتی تھی اور نماز کے وقت کے علاوہ سر پر پگڑی بہت کم باندھتے تھے۔ آپ کے پاس اعلیٰ درجہ کی ایک پگڑی اور ایک نفیس پیراہن موجود تھا جو آپ جمعہ اور عید کی نماز کے وقت استعمال کرتے تھے۔

اگر کوئی دنیا دار آتا تو اس کے سامنے بھی وہ قیمتی لباس زیب تن فرماتے تھے اور قال اللہ و قال الرسول بڑی عظمت اور شان کیساتھ بیان فرماتے تھے۔ مریدوں سے فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنے والے کو چاہیئے کہ دنیا داروں کے سامنے خوار حالت میں نہ آئے کیونکہ دنیا دار ظاہر بین ہوتے ہیں۔

اس ملک کے فقرا اور مجاذیب آپ کی بے حد عزت کرتے تھے اگر کوئی شخص کسی غیر حاضر شخص کا ذکر کرتا یا کوئی بیہودہ بات کہتا تو آپ فرماتے کہ بابو چپ رہو۔ اگر کوئی آپ کا نام تعظیم سے لیتا آپ کی آنکھو

سے آنسو جاری ہو جاتے اور فرماتے کہ احمد موذی اور ایک عصیاں کار
ہے۔ آپ کے پیر شیخ خواجہ حسین قدس اللہ سرہٗ کو بھی اپنی تعظیم اچھی معلوم
نہیں ہوتی تھی۔ جب کوئی آپ کی تعریف کرتا۔ فرماتے ملا حسین تو ایک
کمینہ ہے۔ اگر کوئی آپ کے پاس آکر کہتا کہ فلاں شخص نے حضور صلعم
کو خواب میں دیکھا ہے۔ آپ بہت ادب کے ساتھ بیٹھ کر اس کا جواب
دیتے اور اس کے ہاتھ پاؤں چومتے۔ اس کا دامن آستین اپنے منہ
پر ملتے اور جو جگہ وہ بتاتا وہاں کی مٹی اٹھا کر اپنے منہ اور بالوں پر ملتے اور
اگر وہ جگہ پتھر کی ہوتی تو اس کو دھو کر اس کا پانی پیتے اور وہی پانی اپنے
بدن اور کپڑوں پر مل کر گلاب لگاتے اور اگر کسی کو کسی سید سے شرعی
جھگڑا ہوتا تو اس شخص کی اتنی خوشامد کرتے اور سید کی سفارش کرتے
تاکہ سید کی بات بالا رہے۔ آپ فرماتے تھے کہ سیدوں سے شریعت
کا قانون نہ برتنا چاہیئے بلکہ ان سے مروت کا برتاؤ کرنا چاہیئے۔

جب اجمیر شریف میں فساد ہوا اور رانا سانگا نے قلعہ اجمیر
مسلمانوں سے لے لیا اور بہت سے مسلمان شہید کیے۔ اس حادثہ سے
سات دن پہلے خواجہ بزرگ معین الحق والدین کے اشارہ سے
شیخ احمد مجد شہر سے باہر نکلے اور مسلمانوں سے کہا کہ کچھ دنوں سے
اس شہر پر نظر قہر ہے۔ خواجہ بزرگ کا حکم ہے کہ مسلمان شہر سے چلے
جائیں آپ دوشنبہ کے دن سنہ ۹۲۲ھ کو مسلمانوں کو لے کر شہر سے چلے
گئے۔ کفار آئے اور شہر کو خوب تہ و بالا کیا۔ آپ اٹھارہ برس

کی عمر میں اجمیر شریف آئے۔ قریب نوے برس کی عمر میں وہاں سے گئے
پھر چار سال تک نارنول میں رہے۔ اللہ دین نامی ایک مجذوب نارنول
میں رہا کرتا تھا ایک دن آپ کے پاس آیا اور کہا کہ احمد تم کو آسمان
پر بلایا ہے۔ اپنے پیر کے پاس جاؤ۔ آپ نے بھی اسی طرح کا خواب
دیکھا تھا۔ آپ اسی وقت ناگور شریف چلے گئے جہاں چند دن کے بعد
آپ کا انتقال ہو گیا۔ جب آپ نارنول میں قیام پذیر تھے تو
بہلول لودھی نے چاہا کہ آپ اس کے پاس تشریف لائیں۔ اس پیغام سے آپ
کے عزیز و اقارب بہت خوش ہوئے کیونکہ اجمیر میں کافروں کے ہاتھ
سے آپ کو بہت تکلیف پہونچی تھی اور آپ کا بہت سا مال و اسباب
وہیں رہ گیا تھا مگر آپ نے قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ اس سفید ڈاڑھی
سے ستر سال تک خواجہ کے آستانہ میں جاروب کشی کرتا رہا اب بہلول
کے لڑکے کے دروازے پر ہرگز جاروب کشی نہیں کروں گا در حقیقت
بہلول کے پاس نہ جانے کی وجہ یہ تھی کہ بہلول کی ڈاڑھی بہت چھوٹی تھی
سکندر بادشاہ بن بہلول کے یہاں سے نارنول کا علاقہ سارنگ
خانیوں میں سے حاتم خاں کو ملا تھا۔ حاتم خاں نے نارنول آنے سے
پیشتر اپنے ایک ہندو وکیل کو بھیج دیا تھا۔ وہ وکیل ہمیشہ شریعت کے
حکم کے مطابق چلتا تھا اور احمد مجد کے فرمانے کے خلاف کوئی کام نہیں
کرتا تھا۔ حاتم خاں جب نارنول آیا تو اس ہندو نے شیخ احمد کی تعریف کی
اور کہا کہ آپ پہلے ان کے پاس جائیں۔ حاتم خاں آپ کے مسکن کی

کی طرف بغرض ملاقات روانہ ہوا راستہ میں لوگوں نے کہا کہ شیخ احمد تو پیر ترک کی زیارت کے لئے گئے ہیں۔ حاتم خاں وہاں پہونچا اور قدم بوسی حاصل کی۔ پہلی بات جو آپ نے اس سے فرمائی وہ یہ تھی کہ تو نے ایک کافر کو مسلمانوں پر حاکم کیا ہے قیامت کے دن تیرے اور اس کے درمیان ایک خندق آگ کی بھری ہوئی ہوگی اور تجھ سے کہا جائے گا کہ جا اور اپنے کارکن کا حساب کر۔ اس کے بعد آپ نے اس کو بہت سی نصیحتیں کر کے رخصت کیا وہ ہندو فوراً آپ کی خدمت میں پہونچا اور عرض کیا کہ مجھ سے کیا قصور ہوا میں تو ہمیشہ آپ کے حکم پر چلا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تو خدا اور خدا کے رسول کا دشمن ہے تیری حکومت مسلمانوں پر جائز نہیں ہے مجھے تجھ سے کوئی غرض نہیں ہے۔

ایک دن حاتم خاں حاضر ہوا آپ نے اس کی تعظیم نہ کی اتنے میں ایک سید پھٹے پرانے کپڑے پہنے۔ آپ کی خانقاہ کی گلی میں گنگنا رہے تھے آپ نے آواز پہچان لی اور دست بستہ سروقد کھڑے ہو کر سر جھکا لیا یہاں تک کہ وہ سید صاحب تشریف لائے اور بیٹھ گئے مگر احمد مجد کھڑے رہے۔ حاتم خاں نے کہا کہ حضرت نے اس کی اتنی تعظیم کیوں کی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص میرا بھی ہے اور تمھارا بھی۔ آپ نے فرمایا ان سید صاحب کے پاس تھوڑی سی زمین ہے۔ مقدم کی طرف سے ان کو تشویش ہے۔ پروانہ لکھ کر دو کہ کوئی ان سے تعرض نہ کرے۔ حاتم خاں نے وہیں بیٹھے بیٹھے پروانہ لکھ کر دے دیا۔

رئیسوں میں سے ایک بڑا آدمی آپ کا مرید تھا۔ اپنے بھائیوں سے اس کی دشمنی تھی۔ ایک روز وہ ایک گھڑا پانی بھر کر اپنے سر پر آپ کی خانقاہ میں لایا۔ لوگوں نے دیکھا کہ ملک سر پر پانی کا گھڑا رکھ کر خانقاہ میں لایا ہے تو بہت باتیں بنائیں۔ آپ نے جب اس کو دیکھا تو فرمایا کہ احمد تو تمہارے اس کام سے خوش نہ ہوا اگر تم اپنے بھائیوں کو خوش کر لو تو احمد بھی تم سے خوش ہوگا۔

وہ رئیس آپ کی خانقاہ میں بہت آنے جانے لگا اور آپ کا مرید ہوگیا۔ آپ ہمیشہ آدھی رات کو اٹھ کر روضہ خواجہ بزرگ میں حاضر ہو کر تہجد ادا کرتے تھے آپ کے باپ دادا سلسلہ سہروردیہ سے مرید تھے اور آپ سلسلہ چشتیہ سے۔ اس لئے آپ دونوں سلسلوں کے طریقہ پر نماز تہجد ادا کرتے تھے۔ تہجد سے چاشت کی نماز پڑھنے تک کسی سے بات چیت نہیں کرتے تھے چاشت کی نماز کے بعد علوم دینیہ کی تعلیم دیتے تھے۔ قیلولہ کے بعد سے نماز عصر پڑھنے تک اوراد و وظائف میں مشغول رہتے۔ اس کے بعد اہل مجلس کو تفسیر سناتے تھے اور وعدہ اور وعید کے مقامات پر اتنی گریہ وزاری کرتے جتنی صوفی حالت سماع میں کرتے ہیں۔ بیداری اور رونے کی وجہ سے آپ کی آنکھیں ہمیشہ لال رہتی تھیں اور یہ وظیفہ تفسیر مبارک آپ کے مشائخ کا طریقہ چلا آتا تھا۔ ستر سال اجمیر شریف میں آپ نے اسی طرح گذارے۔

جب آپ آدھی رات کو خواجہ کے روضہ منورہ پر حاضر ہوتے تو روضہ مبارک کا دروازہ اپنے آپ کھل جاتا۔ جب یہ بھید لوگوں کو معلوم ہوا تو ایک شخص امتحان کی غرض سے آپ کے پیچھے پیچھے لگا آپ جب روزہ شریف میں داخل ہو گئے تو وہ بھی اندر جانے لگا دروازہ بند ہو گیا اور وہ بیچ میں پھنسا رہ گیا وہ پکارا حضرت میری توبہ ہے آپکی تاریخ وفات ۵ صفر ۹۲۷ھ ہے۔ آپ کا مزار ناگور میں مخدوم بزرگ حضرت سلطان التارکین کے روضہ مبارک میں آپ کے پیر کی قبر کے پائیں ہے۔

ملا محمد نارنولی مرد صالح اور مشائخ کے بڑے معتقد تھے بچپن ہی میں حضرت شیخ احمد سے شرف بیعت حاصل کیا تھا انھوں نے شیخ احمد مجد کی تاریخ وفات لکھی ہے۔

قطعہ

نظر بتہ بود احمد مجد شیبان
ز دون خدا ہم چو زاہد شاہد
کہ تاریخ خود نارنولی برادر
د از جملۂ شیخ زاہد

شیخ احمد مجد کے بہت سے خلفا تھے مولانا عبد المقتدر مولانا محمد نارنولی کے اسمار گرامی قابل ذکر ہیں۔
شیخ حمزہ دھرستوں والے بھی شیخ مجد سے فیضیاب ہوئے ہیں حالانکہ مرید حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے تھے۔

خواجہ خانو گوالیاری رح

خواجہ خانو گوالیری اپنے وقت کے مشہور ولی اور حضرت خواجہ حسین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ کے دوسرے خلیفہ تھے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ آپ اس وقت کے مشہور بزرگوں میں سے تھے۔ خواجہ حسین ناگوری کے مرید تھے اور ان کو شیخ اسماعیل سے بھی خرقہ ملا تھا جو چندیری میں رہتے تھے اور فرزند شیخ سرمست تھے آپ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی روحانیت سے بنہایت متاثر تھے۔ معمر ہونے کے باعث لوگوں کی تعظیم کو کھڑے نہیں ہوتے تھے۔

جب حضرت خانو اپنے پیر و مرشد کی خدمت میں پہنچے تو آپ کے پیر نے دریافت کیا کہ آپ نے لوگوں کی تعظیم کیوں ترک کر دی۔ عرض کیا کہ پیرومرشد اب میں بڈھا ہو گیا ہوں اس لئے ہر آنے جانے والے کی تعظیم سے مجبور ہوں۔ بالفاظ دگر آپ کا مقصد یہ تھا کہ فقراء کمینوں اور نالائقوں کی تعظیم نہیں کرتے۔ صفت الاصفیا میں لکھا ہے کہ خواجہ خانو گوالیاری حضرت خواجہ سلطان التارکین حمید الدین ناگوری رح کی اولاد میں سے تھے ان کو خرقہ شیخ اسماعیل بن حسن سرمست سے بھی ملا تھا جو خواجہ سالار فاروقی کے مرید تھے۔ سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ شیخ نظام الدین نارنولی خواجہ خانو کے مرید تھے۔ خواجہ خانو کا وطن گوالیار تھا اپنے وقت کے مشائخ میں سے تھے چالیس سال تک سالکوں کی تعلیم

میں مشغول رہے بہت سے لوگ آپ کے فیض صحبت سے صاحب مرتبہ ہوئے۔ آپ نہایت ذوق وشوق کے ساتھ پاپیادہ نارنول سے حضرت قطب الدین قدس اللہ سرہ کی زیارت کے لئے دہلی جایا کرتے تھے شیخ نظام الدین کے بھائی شیخ اسماعیل بھی جو مرد کامل تھے خواجہ خانو کے مرید تھے۔ شیخ خواجگی جو موضع بیانہ کی مسجد کے ایک گوشہ میں مصروف عبادت رہتے تھے اور ایک درویش کامل تھے شیخ اسماعیل کے مرید تھے۔ شیخ منور جو کہ آگرہ میں رہتے تھے خواجہ خانو کے مرید تھے اور جذب کی حالت سے خالی نہ تھے۔ اسرار الابرار میں لکھا ہے کہ شیخ پیارا بھی شیخ خانو ناگوری کے کامل مریدوں میں سے تھے۔

خواجہ حسین ناگوری کی اولاد کا ذکر

آپ کی اولاد اپنے وقت کے اولیار کاملین میں سے تھی خواجہ حسین ناگوری کے دو صاحبزادے اور ایک لڑکی تھی جس کی شادی سید شمس الدین بن سید تاج الدین بایزید بزرگ سجادہ نشین خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین رح سے ہوئی تھی حضرت خواجہ حسین ناگوری کے بڑے صاحبزادے خواجہ معروف تھے جو اپنے والد بزرگوار خواجہ حسین ناگوری کے مرید خلیفہ اور سجادہ نشین تھے خواجہ معروف بڑے کامل درویش اور علم ظاہری و باطنی کے عالم تھے آپ کے ایک صاحبزادے شیخ عبدالفتح نامی تھے جو اپنے والد خواجہ معروف کے سجادہ اور مسند ارشاد پر بیٹھے۔ آپ کے

صاحبزادہ شیخ عبدالقادر تھے جو ایک بزرگ کامل اور صاحب علم ظاہر و
باطن تھے اپنے والد عبدالفتح کے خلیفہ تھے اور مسندِ ارشاد پر بیٹھے۔
بادشاہ جلال الدین اکبر کے وقت میں آپ بزرگانِ دہلی کی زیارت کے لئے
جایا کرتے تھے آپ کو شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے نہایت درجہ اخلاص
تھا چنانچہ شیخ موصوف اپنی کتاب اخبار الاخیار میں شیخ مخدوم حسین کا
تذکرہ تحریر کرتے ہیں کہ آپ کی اولاد میں سے شیخ عبدالقادر شرب فقر میں
بہت مناسبت رکھتے تھے جب آپ دہلی گئے تو حضرت شیخ حسین
تبرکات میں سے بہت سی چیزیں آپ کے پاس تھیں۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ
جلال الدین اکبر کو آپ سے بہت اعتقاد تھا قصبہ جھونجھنوں کے جنوب میں
تین کوس پر ایک موضع باکرہ بزرگ واقع ہے جو بادشاہ نے آپ کی مدد
معاش کے لئے نذر کیا تھا چنانچہ تاایں دم یہ آپ کی اولاد کے تصرف میں ہے۔
موضع مذکور کے فرمان کی نقل یہ ہے۔ "ھو القوی العزیز حکم شد کہ دروغہ و
دیوان کفیل و مقدمان پرگنہ جھونجھنوں بدانند کہ موضع باکرہ من اعمال پرگنہ
مذکورہ در وجہ مدد معاش جناب مشیخت ماب رفعت ایاب کمالات اکتساب
نتیجہ الاولیاء عظام خدام شیخ عبدالقادر نبیرہ حضرت سلطان التارکین خواجہ
حمید الدین صوفی رضی اللہ عنہ اند ابتدائے فصل خریف لو ما ئیل مقرر فرمودیم
باید کہ موضع باکرہ را متصرف یکساں موی الیہ گزارند کہ حاصلات آنرا
سال بسال تصرف خود نمایند و ہیچ احدے دراں موضع مداخل نکنند و تصدیعہ
نرسانند دریں باب زیادہ تاکید دانستہ طلبد تحریر فی التاریخ ہر رجب المرجب سنہ ۹۸۵ھ

ترجمہ

"فرمان ھوالقوی العزیز۔ حکم ہوا کہ داروغہ اور دیوان کفیل اور مقدمان
پرگنہ جھونجھنوں معلوم کریں کہ موضع بالم پرگنہ مذکور جناب
شیخت مآب رفعت آیاب کمالات اکتساب نتیجۃ الاولیا عظام خدام شیخ
عبدالقادر جو حضرت سلطان التارکین خواجہ حمید الدین صوفی کے پوتے
ہیں کی مدد معاش کے واسطے فصل خریف لوءمائیل کی ابتدا سے مقرر
فرمایا ہے چاہیئے کہ موی الیہ کو موضع مذکور کا متصرف تصور کریں اور اس موضع
کے حاصلات کو سال بسال وہ اپنے تصرف میں لاویں اور کوئی شخص اس
موضع میں دخل نہ دے اور تکلیف نہ پہونچائے اس بابت زیادہ تاکید نہ
طلب کی جائے۔ تحریر تاریخ ۹ رجب المرجب ۹۵۶ھ

شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے دو لڑکے تھے بڑے شیخ عبدالمجید
جن کی اولاد ناگور شریف میں ہے۔ جو پھول محل والے کہلاتے ہیں
دوسرے شیخ کمال الدین جن کی اولاد قصبہ جھونجھنوں میں آباد ہے۔

راقم الحروف حضرت شیخ کمال الدین کی اولاد پاک نہاد میں سے
ہے یہ ہر دو برادران عالم فاضل اور صاحب کمال تھے اپنے والد بزرگوار
کے مرید اور خلیفہ تھے۔ شیخ کمال الدین کے چار لڑکے اور ایک
لڑکی تھی جنکی تفصیل حسب ذیل ہے۔

شیخ کمال الدین
- شیخ داؤد
- شیخ جمال الدین
- شیخ قطب
  - شیخ محمد سعید
  - شیخ عبدالرحمن
- شیخ فرزند
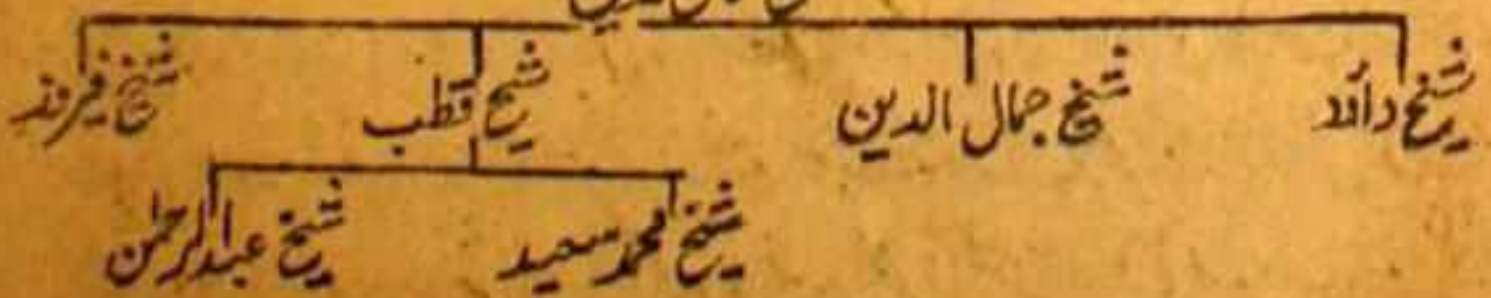
شیخ جمال الدین کے اولاد ذکور نہیں تھی ایک لڑکی تھی جس کا نام گلاب بی بی تھا جو صدر الدین نبیرہ دیوان حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے منسوب ہوئی تھیں۔

نواب شمس الدین خاں اور ان کے ولیعہد سعادت خاں والیان جھونجھنوں شیخ کمال کے بڑے معتقد تھے۔ جس طرح بادشاہ جلال الدین اکبر نے موضع باکرہ بزرگ شیخ عبد القادر کی نذر کیا تھا اسی طرح نواب شمس الدین خاں نے ایک موضع باکرہ خورد شیخ کمال الدین کی مدد معاش کے لئے نذر کیا تھا جو تا ایں دم راقم الحروف کے بزرگوں کے تصرف میں ہے فرمان نواب حسب ذیل ہے۔

نقل فرمان موضع باکرہ خورد از جناب شمس خاں

در وجہ مدد معاش باسم شیخ المشائخ شیخ جمال و شیخ قطب و
شیخ فیروز پسران شیخ المشائخ کمال مرحوم موضع باکرہ خورد دادیم باید کہ مشار الیہمان روز و شب در دعا گوئی مشغول باشند و مقدمان و رعایا و مزارعان موضع مذکور مال واجبی و اخراجات آنچہ بود باشد سال بسال جواب گویند ہیچ عذر و بہانہ پیش نیارند تحریر فی التاریخ بستم ذی الحجہ ۱۱۴۸ھ

ترجمہ۔ شیخ المشائخ کمال مرحوم کے نام ان کی دربہ مدد معاش کے لئے موضع باکرہ خورد ہم نے دیا۔ چاہیئے کہ مشار الیہمان دن رات دعا گوئی میں مشغول رہیں۔ مقدمان، رعایا اور کاشتکاران موضع مذکور کو چاہیئے کہ واجبی مال اور واجبی اخراجات جو کچھ بھی ہو سال بسال ادا کریں۔ عذر

اور بہانہ کچھ نہ کریں۔ مرقوم ۲۰ ذی الحجہ ۱۱۴۴ھ اس فرمان پر مہر ہے جس کا سجع یہ ہے بندۂ درگاہ رحمانی شمس خاں قایم خانی۔

فرمان موضع باکرہ خورد از جناب نواب سعادت خاں

در وجہ مدد معاش باسم شیخ المشایخ شیخ جمال و شیخ قطب و شیخ فیروز پسران شیخ کمال مرحوم موضع باکرہ خورد دادہ باید کہ مشار الیہما روز و شب در دعاگوئی مشغول باشند و مقدمان و رعایا و مزارعان موضع مذکور دامجبی آنچہ بودہ باشد سال بسال جواب گویند ہیچ عذر و بہانہ پیش نیارند تحریر فی التاریخ ۲۵ شعبان المعظم ۱۱۴۲ھ و برین فرمان مہر است کہ سجع ایں است بندہ بادشاہ عالمگیر سعادت خاں

ترجمہ۔ شیخ المشایخ جمال و شیخ قطب و شیخ فیروز جو شیخ کمال مرحوم کے لڑکے ہیں ان کی مدد معاش کے لئے موضع باکرہ خورد ان کے نام سپرد کیا گیا ہے کہ یہ حضرت جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے دن رات دعاگوئی میں مشغول رہیں۔ موضع باکرہ کے مقدم، رعایا اور کاشتکاروں کو چاہیئے کہ جو مال واجبی سال بسال ہو اس کی جواب دہی کریں۔ اس فرمان پر مہر ہے جس کا سجع یہ ہے۔ بندہ بادشاہ عالمگیر سعادت قیام خاں۔

شیخ محمد سعید بن شیخ قطب الدین بڑے کامل بزرگ تھے علم ظاہری و باطنی کے مالک تھے۔ اپنا حال مخلوق سے چھپاتے تھے اپنی کرامت ظاہر نہیں کرتے تھے۔ اپنے اوقات عزیز یاد خدا میں بسر

کرتے تھے اپنے چچا شیخ جمال کے خلیفہ اور سجادہ نشین تھے۔ آپ کے
دو لڑکے تھے بڑے شیخ محمد سعید اور چھوٹے شیخ محمد صالح۔ دونوں بھائی
صلاحیت کے زیور سے آراستہ تھے۔ محمد صالح بن شیخ محمد سعید کے لڑکے
محمد نقی الدین تھے جو لاولد فوت ہوئے۔

حضرت شیخ محمد سعید بہت بڑے کامل اور علم ظاہری و باطنی
کے عالم تھے۔ اپنے پدر بزرگوار کے مرید اور خلیفہ تھے۔ رسالہ قاضی قطب
آپ کی تصنیف ہے۔ آپ کے چار لڑکے تھے۔ ایک بیوی سے شیخ
محمد عبد الستار اور شیخ محمد ماہ، شیخ محمد عابد اور دوسری بیوی سے شیخ
محمد سلطان۔ چاروں بزرگ کامل تھے۔ ہمہ وقت یادِ خدا میں صرف
کرتے تھے۔ محمد عابد کے ایک لڑکا تھا جس کا نام محمد عادل تھا جو لاولد
فوت ہوا۔ اس طرح محمد عابد کی اولاد منقطع ہوگئی۔ محمد ماہ بن شیخ محمد سعید
کا بچپن میں ہی انتقال ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ یہ مادرزاد ولی تھے۔ آپ
بچوں میں کھیل رہے تھے۔ ایک روز چمار ایک بچھڑے کو رسی سے باندھ
کر شہر سے باہر لے جا رہے تھے۔ آپ نے دیکھا تو پوچھا کہ اس کو کہاں
لئے جاتے ہو چماروں نے کہا کہ صاحبزادہ یہ گائے کا بچہ مر گیا ہے
اس کو شہر سے باہر ڈالنے کے لئے جاتے ہیں۔ آپ نے کہا کہ یہ تو زندہ
ہے۔ اس کی دم پکڑ کر آپ نے فرمایا کہ اٹھ چرنے کو جا بچھڑا زندہ ہوگیا
اور اٹھ بیٹھا۔ جب یہ بات پھیلی تو آپ کے والد بہت خفا ہوئے اور
بددعا دی کہ خدایا چونکہ اس لڑکے نے فقیری اور کرامت کا پردہ

فاش کیا ہے تو اس کو اٹھا لے چنانچہ ان کو اسی وقت بہت شدید بخار ہوا جس کے باعث وہ راہی ملک عدم ہوئے۔ ان کا مزار پرانوار چلہ مخدوم حسینؒ کے باہر کے احاطہ میں پیلو کے درخت کے نیچے ہے۔ راقم الحروف نے ان کے مزار کی زیارت کی ہے۔ شیخ عبدالستار ایک عابد زاہد عالم متقی اور دیانت دار بزرگ تھے آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ عبدالجبار۔ عبدالفتح اور سب سے چھوٹے عبدالمظفر۔ یہ تینوں کثیر الاولاد تھے۔ ان کی اولاد میں حضرت شیخ سلطان بزرگ کامل، عالم، متقی اور دیانت دار گزرے ہیں دن رات یاد خدا میں گذارتے تھے آپ کی نشست خانقاہ کے دروازہ میں تھی۔ آپ کے یہ دو شعر حضرت مخدوم حسینؒ کی خانقاہ کے دروازہ پر لکھے ہوئے ہیں)۔

حب دنیا جیفۃ گفتہ رسول   تو چرا ایں آفتے کردہ قبول

رباعی

عجب دروازہ شد ایں خوش ہوائے   زہے جائے بقیمت بے بہائے

مرا ہر دم نشستن جائے ہست ایں   ازیں جا می گریزد ہر بلائے

کہتے ہیں کہ آپ کا زمانہ قایم خانیوں کی حکومت کا آخری زمانہ تھا نواب روح اللہ خاں قصبہ اور ضلع جھونجھنوں کے مالک تھے۔ ان کو آپ سے بہت عقیدت تھی اس لئے جھونجھنوں کے چبوترہ کا روزینہ آپ کے نام کر دیا تھا جو آج تک راقم الحروف کے آبا و اجداد کو ملتا

رہا ہے اور اس روز ینہ کا پٹہ ہمارے پاس موجود ہے اس پر سمت ۱۷۸۸ سات ہزار ایک سو اٹھاسی لکھا ہوا ہے۔ حکومت قائم خانیاں کے بعد علاقہ شیخاوالی راجپوتوں کے تصرف میں آگیا چنانچہ جھونجھنوں کے ٹھاکر ول نے بھی اس پٹہ کو برقرار رکھا۔ کہتے ہیں کہ قائم خانیوں کی حکومت اسی نواب روح اللہ پر ختم ہوئی تھی اور ٹھاکر سادول سنگھ اس ملک پر مسلط ہو گیا تھا۔ ٹھاکر ند کور کو بھی شیخ مرحوم سے کامل اعتقاد تھا چنانچہ اس نے بھی قصبہ جھونجھنوں کی ایک سو بیگھہ زمین حضرت شیخ کے نذر کی۔ اس زمین کا پٹہ بھی ہم لوگوں کے پاس موجود اور زمین بھی ہمارے تصرف میں ہے اس ہندی پٹے پر سمت ۱۷۹۵ ایک ہزار سات سو پچانوے درج ہے۔ اس کی مہر پر یہ سجع لکھا ہے "بندہ درگاہ بادشاہ سادول سنگھ شیخاوت" اس کے بعد ٹھاکر سادول سنگھ کا لڑکا ٹھاکر آختہ سنگھ بھی شیخ کا ویسا ہی معتقد رہا۔ اس نے بھی قصبہ جھونجھنوں کی سو بیگہ زمین حضرت کے نذر کی اس کا پٹہ بھی ہم لوگوں کے پاس موجود ہے اور وہ زمین بھی ہمارے قبضہ اور تصرف میں ہے اس پٹہ پر سمت ۱۷۹۹ ایک ہزار سات سو ننانوے درج ہے ٹھاکر نول سنگھ ولد ٹھاکر سادول سنگھ کو بھی حضرت سے پورا عقیدہ تھا اس نے بھی سو بیگہ زمین موضع دیول میں حضرت کے نذر کی۔ اس پٹہ پر سمت ۱۷۹۷ ایک ہزار سات سو ستانوے درج ہے۔ غرضیکہ شہر کے سب ہندو مسلمانوں کو آپ سے بے حد اعتقاد تھا۔ آپ کے

ہزار ہا مرید تھے (اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے) آپ کی قبر خانقاہ
کے مدرسے کے اندر ہے یعنی بلند دروازے سے تین چار گز کے
فاصلہ پر آپ کے پانچ لڑکے تھے۔ شیخ نجم الدین، شیخ
معز الدین، شیخ قمر الدین، شیخ شرف الدین، شیخ فیض الدین۔ پانچوں
لڑکے صاحبِ علم و فضل اور صاحبِ ذوق و شوق تھے۔ دن رات
یادِ خدا میں مشغول رہتے تھے۔ اپنے والد کی طرح ان کی نشست
بھی حضرت مخدوم حسینؒ کی خانقاہ میں تھی۔ آپ کے بڑے صاحبزادہ
شیخ نجم الدین بہت کامل بزرگ تھے۔ عبادت الٰہی میں مستعد اور
صاحب علم ظاہر و باطن تھے۔ اپنے والد بزرگوار کے مرید اور خلیفہ
تھے۔ لوگوں کو راہِ خدا کی تعلیم دیتے تھے۔ شہر کے تمام ہندو مسلمان
ان سے بہت اعتقاد رکھتے تھے۔ ٹھاکر ہاتھی رام جو سار دول سنگھ کی
اولاد میں سے تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کو آپ سے
بہت اعتقاد تھا اس نے بھی موضع اود اداس متعلقہ پرگنہ جھونجھنوں
کی سو بیگہ زمین آپ کے نذر کی تھی اس کے پٹہ پر سمت ۱۸۱۳ ایک
ہزار آٹھ سو تیرہ درج ہے۔ کہتے ہیں ایک شخص آپ کا مرید تھا اس نے
آپ سے عرض کیا کہ مجھے راہِ خدا کی تعلیم دیجئے۔ حضرت نے کلمہ کا
ذکر اس کو سکھایا۔ اس نے اس ذکر کا ریاض کیا دن رات اٹھتے بیٹھتے
کلمہ شریف پڑھا کرتا تھا۔ وہ چونا پکانے کا پیشہ کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس
ذکر کی برکت سے چونے کی بھٹی میں آگ نہیں لگتی تھی۔ مجبور ہو کر اس

نے یہ پیشہ ترک کر دیا اور مزدوری کرنے لگا۔ جب وہ مرا تو اس کے جنازہ سے کلمہ کی آواز آتی تھی دفن کرنے کے بعد اس کی قبر سے آواز آئی "لے گیا میں لے گیا"

شیخ معزالدینؒ

آپ شیخ محمد سلطان کے دوسرے صاحبزادے تھے کامل بزرگ اور صاحب علم ظاہر و باطن تھے۔ حب الہٰی میں یکتائے زمانہ تھے اور صاحب تصنیف تھے۔ عاشقانہ اشعار بہت کہتے تھے۔ ہندی اور فارسی اشعار میں کافی مہارت تھی۔ چنانچہ رسول علیہ السلام کا تولد نامہ ہندی کی نظم میں لکھا ہے۔ پہلا شعر یہ ہے۔

تولد نبی کا کروں میں بیاں　　　فدا ان کے اوپر کروں میں جو جاں

اور آخری اشعار یہ ہیں

تولد نبی کا کر از دل و جان　　　معزالدین ایسے کیا ہے بیاں

محمد نبی پر درود اور سلام　　　اور سب آل و اصحاب اوپر مدام

نیز آپ نے ہندی میں نظم دوماہیہ کہا ہے

ماہ ساون کے بارے میں فرماتے ہیں۔

سکھی ری آج ساون ماس آیا　　　پیا اب تک نہ مرے پاس آیا

برگ سنتی کہ جھر جھر یوں پڑے مینہ　　　لگا میرا سکھی ری پیو سے نینہ

گھٹا کاری کہ سر پر آئے گرجے　　　پیا بن جیورا میرا جو لرجے

کرت ہے ہر طرف سے زیچ جھم جھم — سکھی ری پیو بن ایسے ہے ہم
ہوا اب ری سکھی راتا انبھارا — پیا بن کون ہے ساتھی ہمارا
پپیا باؤرا بولے جو پی پی — سکھی سن کر مرا جات ہے جی
برہ کا ہے سکھی یہ مانس زورا — پھروں ہوں میں نمانی حال بورا
مجھے نت رین ناہیں ہے کچھو چین — کہ برسے ہیں جیسے برسات دو نین
دکھاؤ درس کو اب پیو جی آئے — نہیں تو یہ مرا جیورا جائے
برہ کا ہے جو ساون پیو جی مانس — لیٹوں ہوں تم بنا مشکل چلیں سانس
معز الدین کہا یہ مانس ساون — کرے گا پیو تیرے پاس آون

بھادوں کا مہینہ

سکھی آیا جو ایسیں مانس بھادوں — پیا آوے اگر جان کہا دوں
برہ کی فوج کا باجا نقارا — نہیں اس وقت میں وہ پیو پیارا
یونہیں پیو پیو پکارت مور کوئل — نہیں ہے پیو بن مجھ چین اک پل
برہ کا گھر جو بھادوں ہے سکھی ری — نمانی پیو بن مجھ کو رکھی ری
کرے ہے ایسے جو میری دیہہ تھر تھر — سکھی آیا آج بھادوں گھر گھر
پڑے ہے مینہ اندر کوہ ساراں — پیا جو ہیں یہاں ہوویں بہاراں
پیا آؤ ملن اس مانس بھادوں — مرادا اپنی جو من کی میں سناؤں
معز الدین کہی ہے پیو پیارے — شتابی آ گلے مجھ کو لگا لے

آپ نے فارسی میں بھی غزلیں کہی ہیں۔

غزل

آرزو داریم پیش ما بیا اے یار تو / زندگی از سر کنم بینم اگر دیدار تو

چند میداری تو ایں ہجو خود را انتظار / شو خیا ماں کس نظر با ہم کنوں بردار تو

در تمنائی تو مسکیں دل درماندہ ایم / ساقی آں جام مے در دست من بسپار تو

سر جملہ معشوقاں توئی اے دلربا محبوب من / شاہاں را شاہی توئی بر سروراں سردار تو

از خود چو گشتم بے خبر اے آشنائی دلستاں / مشتاق را بنما کنوں ایں روئے پر انوار تو

در عشق تو شد مبتلا چوں ایں معز الدین عزیز
اے یار با ایں مبتلا بنما رخ گلزار تو

غزل دیگر

غیر دیدار تو یکے لحظہ / رنج می یابد روانے من

گر بیائی بنزد ما اکنوں / دل خود خوش کنم زمانے من

ہمچو تو نیست دلربائے کس / ہستی غم خوار در جہانے من

زود بنما بیا رخ خود را / تا شود تازہ زندگانی من

گر ہمیں باشد ایں مزاج تو / باشد ایں رنج جاودانی من

مے دست بدہ بیا ساقی / تا کنم مست شادمانی من

نالہ کن تو اے معز الدین / بہر تو دلا ایں نغمانی من

آپ کے کوئی اولاد نہ تھی۔ آپکا مزار پر انوار اپنے والد شیخ محمود سلطان کی قبر کے پائیں حضرت مخدوم حسین رح کی خانقاہ میں ہے۔

قصبہ فتحپور کی تاریخی اہمیت

ریاست جے پور کے ضلع سیکر میں یہ ایک پرانی اور خوبصورت بستی ہے جس کی اہمیت کا باعث اس کی عالیشان عمارتیں اور مزارات ہیں ریاست جے پور کے متمول ترین اشخاص کا وطن ہونے کے لحاظ سے بھی یہ قصبہ ایک خصوصیت کا حامل ہے۔ نواب فتح خاں بن تاج خاں بن نواب قائم خاں الملقب بہ خانجہاں نے اس قصبہ کو سنہ ۸۵۷ھ مطابق سنہ ۱۴۵۸ء میں آباد کیا تھا۔ فتح خاں کا جد امجد نواب قائم خاں تھا جو ابتداً راجپوت تھا اس کا نام کرم چند تھا۔ سلطان فیروز شاہ بادبک کے عہد میں برغبت خاطر مشرف باسلام ہوا اور قیام خاں کے نام سے موسوم ہوا۔ سلطان فیروز نے اس کی فراست اور لیاقت کو دیکھ کر امرائے دربار کے زمرہ میں شامل کرکے پرگنہ حصار فیروزہ کی حکومت عنایت کی۔ تاریخ فرشتہ میں اسی قائم خاں کو قوام خاں کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ قائم خاں کی وفات کے بعد اس کے دو لڑکے تاج خاں اور محمد خاں کچھ عرصہ حصار فیروزہ کے حاکم رہے لیکن حوادث زمانہ نے ان دونوں کو سلطان وقت سے سرکش بنا کر تاخت و تاراج کی زندگی پر مجبور کر دیا تھا تاج خاں اسی طرز زندگی پر تادم واپسیں رہا اور اس کے بعد اس کا لڑکا فتح خاں جانشین بادیہ ہوا۔ اس نے اپنے مخلص خیرخواہوں اور مدبر مشیروں کی رائے سے اپنے باپ اور چچا کی روش ترک کرکے موضع

رہنادہ میں مستقل سکونت اختیار کی اور فتح پور کے نام سے آباد کیا سلطان بہلول لودی کے دور حکومت میں قلعہ رنتھمبور پر یورش کے دوران فتح خاں نے اپنی شجاعت اور جوانمردی کے جوہر دکھائے جس سے متاثر ہوکر سلطان نے نہ صرف عفو تقصیر کیا بلکہ اسکو اپنے ہمراہ دہلی لے جاکر عزت توقیر سے نوازا۔

فتح خاں کی وفات کے بعد اس کا لڑکا جلال خاں حاکم پرگنہ ہوا اس نے قلعہ فتحپور کی توسیع کے علاوہ قصبہ کے متصل ایک چراگاہ قائم کی جس کا مقصد نہ صرف وحوش وطیور کی پرورش تھا بلکہ ہنگام خشک سالی رعایا کے لئے یہ چراگاہ بڑی مفید ثابت ہوتی تھی۔ اس کے دوسرے سرے پر موضع جلال سر بھی اسی جلال خاں کا بسایا ہوا ہے۔ فتحپور کے کل بارہ نواب ہوئے جنکا شجرہ حسب ذیل ہے۔

نواب فتح خاں بانی قصبہ

جلال خاں

دولت خاں

ناہر خاں

فدن خاں

تاج خاں ثانی

الف خاں

دولت خاں ثانی

سردار خاں

دیندار خاں

سردار خاں ثانی

کامیاب خاں

وجہ تسمیہ قصبہ فتحپور ایک پرانا قصبہ ہے۔ قصبہ منڈاوہ سے بجانب
غرب سات کوس کے فاصلہ پر اور قصبہ جھنجھن گڑھ سے بھی بجانب جنوب
سات کوس کے فاصلہ پر اور رام گڑھ سے بھی اسی دوری پر واقع ہے
یہ قصبہ ضلع شیخاوالی علاقہ راج سوائی جے پور متعلقہ راؤ راجہ صاحب
سیکر کے اعلیٰ اور افضل ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ بحیثیت آبادی
دولت و ثروت اور مکانیت نیز مقابر اسلاف و درگاہ حضرت شاہ
ولایت نجم الدین پروانہ علیہ الرحمۃ مشہور ہے۔ ابتدا میں اس قصبہ کو
نواب فتح خاں بن تاج الدین خاں ولد نواب قائم خاں الملقب بخانجہاں
خاں نے آباد کیا ہے۔ نواب قیام خاں جد فتح خاں کہ جس کا لقب خانجہاں
بھی ہے۔ موٹے رائے چوہان راجپوت سردار دودرہ کا پانچواں
بیٹا تھا جس کا پہلا نام کرم چند تھا جو شاہنشاہ دہلی سلطان فیروز شاہ
باربک بن سلطان رجب کے عہد میں سنہ ۷۸۴ھ مطابق سنہ
۱۳۸۱ء مشرف باسلام ہوا اور قیام خاں کے نام سے موسوم ہوا
سلطان نے اس کو اپنے وزیر سید ناصر سے تعلیم اسلام دلاکر اس
کی لیاقت و فراست کے امتحان کے بعد حصار فیروزہ کی حکومت
عنایت کی اور اس کو اپنے امرائے کبار و سرداران باوفا کے زمرہ میں
شامل کر لیا۔ کتاب تاریخ فرشتہ میں اس قیام خاں کو لفظ قوام خاں
کے نام سے سید خضر خاں کے ذکر میں لکھا گیا ہے نواب قیام خاں کے
انتقال کے بعد سنہ ۸۲۲ھ میں اس کو حسب الحکم سید خضر خاں معہ

چند دیگر امراء دریائے جمنا میں غرق کرادیا گیا تھا۔ اس کے دو بیٹے یعنی
نواب تاج خاں و محمد خاں کچھ عرصہ تک حاکم حصار فیروزہ رہے پھر
ناسازگی زمانہ نے حصار کو ان کے قبضہ میں رہنے نہ دیا۔ کبھی ناگور
کبھی جودھپور وغیرہ میں پہنچ کر لیجا ولے کرتے رہے اور حصار کے گردو
نواح پر تاخت و تاراج کرتے رہے۔ بادشاہِ وقت سے سرکشی رکھی۔
نواب تاج خاں بغاوت کے دوران دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔ نیرنگی
زمانہ نے سلطنت دہلی میں بھی روز بروز نیرنگی دکھائی۔ نت نئے بادشاہ
تخت نشین ہوتے۔ تاج خاں کے بعد اسکا بیٹا فتح خاں جانشین ہوا۔ اس نے بھی ایک
عرصہ تک بادیہ پیمائی اور دشت نوردی جاری رکھی آخر جب اس طور
سے ایام زندگی بسر کرنا دشوار نظر آیا تو بعض عقلا اور خیر خواہوں کی
صلاح سے یہ قرار پایا کہ کوئی مقام قیام مقرر کیا جائے اسلئے
موضع ریناوہ میں جو فتح پور سے بجانب جنوب تین کوس ہے بالاستقلال
مقیم رہ کر سنہ ۱۵۰۸ بکرمی مطابق سنہ ۸۵۵ ہجری میں قصبہ فتحپور
کی بنا ڈالی اور اس کو دارالامارت مقرر کیا۔ وسط شہر میں ایک قلعہ اپنے
رہنے کے واسطے تعمیر کرایا جو کچھ تغیر و تبدل کے ساتھ اب تک موجود
ہے اور زبانِ حال سے خود اپنی کہنگی کا پتہ دیتا ہے۔ بعد استقلال حکومت
فتحپور نواب فتح خاں سلطان بہلول لودی سے بہنگام جنگ قلعہ
رنتھنبور معافی کا خواستگار رہا فتح خاں نہایت شجاع اور عالی حوصلہ شخص
تھا۔ جنگ قلعہ رنتھنبور میں اس نے خوب داد شجاعت و جوانمردی

دی جس کے باعث سلطان بہلول لودی بہت خوش ہوا اور
بعد فتح رنتھنبور نواب کو اپنے ساتھ دہلی لے گیا اور بڑی عزت اور
توقیر کے ساتھ رکھ کر اس کو وطن رخصت کیا۔ غرضکہ پہلا نواب فتحپور
کا فتح خاں تھا جو اس قصبہ کا بانی ہے۔

دوسرا نواب جلال خاں

بعد انتقال فتح خاں اس کا بڑا بیٹا جلال خاں مسند حکومت پر
بیٹھا اور قلعہ فتحپور پر کچھ مکانات جدید تعمیر کرائے۔ قصبہ
کی آبادکاری میں ساعی رہا۔ شہر سے متصل جو چراگاہ جانوراں ہے جس کی
پیمائش بارہ کوس مدور ہے اسی نواب کی بنائی ہوئی یادگار ہے جس میں
ہزارہا جانور پرورش پاتے ہیں اور رعایا فتحپور کو بہنگام خشک سالی
اس سے بڑی مدد ملتی ہے۔ نیز موضع جلال سر متصل فتحپور سے تین
کوس بجانب گوشہ مشرق و شمال واقعہ ہے اسی جلال خاں کا آباد کیا ہوا ہے

تیسرا نواب دولت خاں

بعد رحلت نواب جلال خاں اس کا بڑا بیٹا دولت خاں حاکم فتحپور
ہوا۔ یہ نواب بظاہر عالم و فاضل نہایت عقیل، شجاع
جری سخی، عادل متصف جمیع صفات حسنہ تھا مگر بباطن ایک فقیر
صاحب کشف و کرامت، عابد متقی عارف باللہ تھا۔ اس کا طریقہ

تھا کہ اپنے دربار میں حاضرین جلسہ کو یہ کلمات کہا کرتا تھا

(۱) خدا کو جو خالق جملہ مخلوق ہے واحد اور لاشریک سمجھنا چاہیئے اس کا کوئی ہمسر اور شریک نہیں۔

(۲) سوائے خدا کے کسی سے خائف نہ ہونا چاہیئے خواہ دشمن کتنا ہی قوی کیوں نہو۔

(۳) بوقت انصاف دوست اور دشمن کو برابر سمجھنا چاہیئے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی عبادت ہر انسان پر لازم ہے اور اس وحدہٗ لاشریک کے سوا دوسرا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

(۵) دنیا فانی ہے۔

یہ دولت خاں جیسا کہ زندگی میں اپنی نیکی زہد و ریاضت اور سخاوت و شجاعت کے باعث ہر دلعزیز اور نیک نام مشہور تھا ویسا ہی بعد انتقال بھی اس کی قبر مرجع عام اور زیارت گاہ خلایق ہے جو فتحپور میں قلعہ کے نیچے جانب جنوب واقع ہے وہاں ہر جمعرات کو نقارے بجتے ہیں اور شیرینی پر درود فاتحہ ہوتا ہے اور زائرین آتے ہیں۔

چوتھا نواب ناہر خاں

بعد انتقال دولت خاں اس کا بڑا بیٹا ناہر خاں سنہ ۹۱۴ ہجری میں مسند حکومت پر متمکن ہوا۔ اس نے اپنی زندگی کے زمانہ میں دہلی کے پانچ بادشاہ دیکھے تھے یعنی سلطان سکندر لودی۔ سلطان ابراہیم شاہ ظہیر الدین بابر شاہ۔ نصیر الدین ہمایوں۔ شیر شاہ افغان۔ سلطان شیر شاہ

اس کو ماموں کے خطاب سے مخاطب کرتا تھا۔ شیر شاہ نے بھی پرگنہ فتحپور کا فرمان نسلاً بعد نسلاً ناہر خاں کے نام عنایت کر کے بوجہ ضعیفی اس کو دہلی کی حاضری سے معافی دے دی تھی۔ اس نے بعد حصول فرمان شاہی سنہ ۱۵۵۳ بکرمی میں قلعہ فتحپور میں ایک عالیشان اور مضبوط محل بنوایا تھا۔ یہ نواب بھی اپنے باپ دادا کی طرح جوانمرد اور دلاور تھا۔ اپنے گرد و نواح کے راجپوتوں یعنی تنور اور راٹھوروں سے جنگ کر کے ہمیشہ فتحمند رہا اور تحفظ رعایا اور انصاف میں مشہور رہا۔

پانچواں نواب فدن خاں

بعہد سلطنت سلیم شاہ افغان فضل خاں نواب فتحپور تھا۔ کئی مرتبہ دہلی حاضر ہو کر دربار شاہی میں باریاب ہوا۔ شہنشاہ محمد جلال الدین اکبر بھی اس سے بہت خوش تھا اور معتبر و خیر خواہ اور بہادر سمجھتا تھا۔

کہتے ہیں کہ ایک روز اکبر بادشاہ نے فدن خاں کی موجودگی میں بیربل سے کہا کہ دنیا میں ساڑھے تین قوم راجپوت ہیں۔ ایک چوہان دوسرے تنور۔ تیسرے پنوار

ان ساڑھے تین قوم راجپوت میں سب کا سردار چوہان ہے — لفظ چوہان سے نواب فدن خاں کی توصیف شجاعت منظور تھی کیونکہ یہ قوم سے چوہان تھا اس نواب نے کئی مرتبہ بہومیان، جہاپولی، چرانہ

چونکھ اور بیدار کوں سے مجادے کئے اور فتحمند ہوا یہ ستہ ۹۶۰ھ میں فوت ہوا۔

چھٹا نواب تاج خاں ثانی

بعد رحلت فدن خاں اس کا لڑکا تاج خاں ثانی حکمراں ہوا یہ نہایت حسین اور شکیل جوان تھا گرد و نواح کے ٹھاکر، سردار، نواب اکثر اس کی تصویر منگا کر دیکھا کرتے تھے۔ جیسا حسین و جمیل تھا ویسا ہی جوانمردی میں بھی یکتا اور بے مثل تھا۔ اس نے الور اور ریواڑی پر دو تین مرتبہ یورش کی اور کھرکھڑا اور قلعہ ابدل وغیرہ کو پامال کیا تھا اس کا بیٹا محمد خاں جو ایک اچھا جوان عقیل اور صاحب فراست تھا اس کی زندگی میں ہی فوت ہو گیا تھا۔ باپ کی حیات میں محمد خاں نے قصبہ کھاردان کو فتح کیا تھا دیراٹھ پر حملہ کر کے کھیسروڑ کی قوم راٹھ کو زیر کیا کو نہہ کرن بو ماٹدن کو بغاوت کو جنگ کر کے مغلوب کیا۔ بعد وفات الف خاں نبیرہ محمد خاں نواب فتحپور ہوا۔

ساتواں نواب الف خاں

بعد انتقال محمد خاں تاج خاں اپنے پوتے الف خاں کو ہر وقت اپنے پاس رکھتا تھا۔ اس نے شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر سے دہلی جا کر عرض کیا کہ میرا منصب اور جاگیر میری زندگی میں ہی الف خاں کو عنایت کر دیا جائے۔ بادشاہ نے اس کی ضعیفی اور مراحم خسروانہ کو

ملحوظ لکھتے ہوئے فتحپور کا فرمانِ الف خاں کے نام جاری کر دیا اور دربار شاہی میں جو منصب تاج خاں کا تھا اس کو مرحمت فرما دیا۔

نواب الف خاں نے اکثر نوابان جھونجھنوں کی اعانت کی ہے چنانچہ نواب شمس خاں والی جھونجھنوں کو اپنے ساتھ لے جا کر شاہنشاہ اکبر کے حضور میں رسائی کرائی اور پرگنہ جھونجھنوں کا فرمان اس کے حق میں حضورِ سلطنت سے لکھوایا۔

یہ نواب الف خاں بڑا بہادر اور جوانمرد تھا۔ دربارِ اکبری میں بھی اس کا اچھا رسوخ تھا چنانچہ پہاڑیوں نے جب بادشاہ سے بغاوت کی تو اسی الف خاں اور مہاراجہ بیجے پور نے جنگ و جدال کر کے ان کو زیر کیا بالآخر کمتشن راجہ ملوک چند طالبِ امن ہو کر نواب الف خاں کے پاس آیا۔ مہاراجہ جگت سنگھ اور نواب اس کو دہلی ساتھ لے گئے اور اس کا قصور معاف کرایا۔

جب شاہنشاہِ اکبر نے شاہزادہ سلیم کو چتوڑ پر حملہ کیواسطے بھیجا تو نواب الف خاں بھی اس کے ہمراہ تھا۔ شاہزادہ نے ملک رانا میں پہنچ کر مورچہ تھانہ شاہور نواب کے سپرد کیا۔ یہاں رانا کی افواج کثرت سے موجود تھی و نواب کی سپاہ کم تھی مگر نواب نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی اور حملہ کر دیا اور تھانہ مذکور کو افواج رانا سے چھین لیا نواب کی اس فتح کو سنکر شاہزادہ اور بادشاہ نواب سے نہایت خوش ہوئے۔ بادشاہ نے سرِ دربار نواب کی تعریف و توصیف کی۔ بعد انتقال

جلال الدین محمد اکبر شاہ جب نور الدین محمد جہانگیر تخت دہلی پر رونق افروز ہوا تو اس نے بھی نواب کے حال پر بڑی عنایت رکھی اور ہر معرکہ جنگ و جدل میں اس کو بھیجتا رہا اور فرمان ملک فتحپور کی تجدید اپنی طرف سے اس کے نام کر دی۔ میواتیوں کی شرارت کے دفعیہ اور ان کی سرکوبی کے واسطے دربار شاہی سے رائے منوہر اور الف خاں کو بھیجا گیا۔ ان دونوں نے اس ملک کو شر سے پاک و صاف کیا۔ رائے دلیپ سنگھ بن راجہ رائے سنگھ والی بیکانیر نے جب سرسہ کے فوجدار ضیاء الدین کو مغلوب کر کے ملک سرسہ پر قبضہ کر لیا تو حضور سلطنت بادشاہ جہانگیر سے نواب الف خاں اور شیخ کبیر کو معہ بیس امرائے دیگر باافواج کثیرہ راجہ کو اسیر کرنے کے لئے بھیجا گیا انھوں نے سرسہ پہونچ کر بعد جدال و قتال بسیار سرسہ پر مکرر قبضہ شاہی کر لیا۔ رائے دلیپ سنگھ مفرور ہو گیا انھوں نے تعاقب کیا رائے نے نواب کے پاس اپنے پچھیے تعلقات اور رشتہ داری یاد دلا کر پیغام صلح بھیجا اور درخواست معافی تقصیرات بھیجی۔ نواب نے اس کی درخواست قبول کی اور اس کو اپنے ساتھ دہلی لے گیا اور دربار شاہی سے معافی دلوائی قوم جاٹ اور جاٹلہ راجپوت قصبہ بھوانی پیشہ ور غارتگر تھے۔ ان کو بھی بحکم جہانگیر بادشاہ ہی نواب نے جنگ کر کے زیر کیا اور قصبہ بھوانی کو فتح کر کے پامال کیا اور بہت کچھ مال و اسباب غنیمت پیشکش بادشاہ کیا۔

نواب الف خاں کو بادشاہ کی جانب سے ملک میوات کا فوجدار
مقرر کیا گیا۔ اس نے میوات پہنچکر قصبہ ساران اور بتہ ہٹو کار تھہٹہ
وغیرہ کو جلا کر خاکستر کیا اور ہزاروں سرکش میواتیوں کو مقتول اور محبوس
کر کے مطیع فرمان شاہی کیا۔
بعد انفراغ درستی میواتیاں جہانگیر بادشاہ نے بجائے
اضافہ ہشتصدی ذات اور پانچصد سوار نواب الف خاں کو ہمرکابی شاہزادہ
پرویز معہ رائے گرد ہر لیسر رائے سال کے مہم دکن پر بھیجا اور اسی قدر منصب
رائے گردہر کو عنایت کیا۔ شاہزادہ نے تھانہ لمکاپور کا مورچہ نواب کے
سپرد کیا نواب نے نہایت بہوری اور شجاعت کا ثبوت دیا۔ دیگر امرائے
شاہی نے اپنے اپنے مورچے چھوڑ دیئے مگر نواب نے اپنا مورچہ نہ چھوڑا
اور دشمن کے ہزاروں آدمی تہ تیغ کیے۔ بادشاہ اس استقلال اور
شجاعت کا حال سنکر بہت خوش ہوا اور منصب میں ترقی
کر کے پرگنہ نرہڑ جہاں خانقاہ حضرت حافظ شمس الدین شکر یار واسطی
رحمۃ اللہ علیہ ہے اور جو اس وقت ناہر خاں افغان کے قبضہ میں تھا
نواب کو بخشا نیز پرگنہ اددے پور جو علاقہ شیخاوا ٹی میں ہے
مرحمت کیا۔ دولت خاں پسر الف خاں نے ان دونوں پرگنوں پر
قبضہ کر کے اپنا بندوبست کیا۔
تیسری دفعہ پھر نواب کو جہانگیر بادشاہ نے میوات کا فوجدار مقرر
کر کے بھیجا اس نے وہاں کے بدمعاشوں اور سرکشوں کی سرکوبی کی

اس کے بعد بہنگام بغاوت راجہ سورج مل رئیس کوٹ کانگڑہ بادشاہ نے نواب الف خاں اور بترم جیت کو سپاہ کثیر دے کر راجہ مذکور کی گرفتاری اور سزادہی کے واسطے بھیجا۔ نواب نے جاتے ہی نورپور اور نگرکوٹ کو فتح کر کے قبضہ کرلیا۔ سورج مل فرار ہوگیا اس کی بہت سی فوج بادشاہی فوج کے ہاتھ سے ماری گئی۔ اس وقت جہانگیر بادشاہ پٹنہ کی طرف گیا ہوا تھا۔ باستماع آمد بادشاہ نواب بھی دربار شاہی میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے خوش ہو کر نشان اور ہاتھی خاصہ کی بخشش سے نواب کو سرفراز کیا اور قلعہ داری کانگڑہ کی مرحمت فرما کر اضافہ منصب ایک ہزار پانصدی ذات و ہزار سوار سے ممتاز کیا۔ جب نواب کوٹ کانگڑہ کے انتظام اور دفع شر سے فارغ ہوا تو بادشاہ نے نگر ٹھٹھہ کے باغیوں کی سزادہی اور سرکوبی کے واسطے بھیجا اور کوٹ کانگڑہ میں نواب صادق خاں کو مقرر کر دیا۔ ہنوز نگر ٹھٹھہ کی مہم سے الف خاں فارغ نہیں ہوا تھا کہ سرداران کوٹ کانگڑہ نے سر اٹھایا اور نواب صادق خاں سے برسر مقابلہ ہو کر جنگ شروع کر دی۔ حکم شاہی نواب الف خاں کے پاس پہنچا کہ نگر ٹھٹھہ کو چھوڑ کر فوراً کانگڑہ جا کر وہاں کے خودسروں کو حلقہ اطاعت میں لائے۔ بہ تعمیل حکم شاہی بطور یلغار الف خاں کانگڑہ پہنچا اور نواب صادق خاں کو نہایت پریشان حالت میں پا کر اس کو تسلی دیکے نگرہ

والوں نے جب الف خاں کی آمد کی خبر سنی تو خوف کے مارے اپنی اپنی پناہگاہوں میں چھپ گئے اور اکثر معافی کے خواستگار ہو کر معہ پیشکش ہائے بسیار مثل ہاتھی و گھوڑے و زرِ نقد و جواہرات نواب الف خاں کی خدمت میں حاضر ہوئے نواب نے وہ سب سامان پیشکش کا حضورِ سلطانی میں بھیج دیا اور پہاڑیوں کی اس اطاعت اور فرمانبرداری کی اطلاع سے بادشاہ نہایت خوش ہوا۔ ابھی تھوڑا عرصہ اس طاعت پہاڑیان کانگڑہ کو گزرا تھا کہ نواب کو حسب الحکم بادشاہ لکھی جنگل کے سرکشوں کی سرکوبی کے واسطے بافواج کثیر جانا پڑا۔ یہ سرکش بھی ڈوگرہ اور ڈھڈی خاندانوں پر مشتمل تھے۔ نواب کے مقابلہ کے لئے سرداران اور سرخیلان لکھی جنگل بھی آمادہ ہوئے۔ بعد کارزار بسیار اور کشت و خون بے شمار بھٹی، ڈوگرہ اور ڈھڈی بھاگ گئے اور ہزاروں مارے گئے۔ اکثر نے اطاعتِ شاہی قبول کر کے اپنے قلعہ جات اور ملک نواب الف خاں کے حوالے کر دیئے۔ چنانچہ رئیسان قصبہ چینی دیپالپور محمد دٹ سنام بھٹنیر ابھٹنڈہ پاک پٹن کو زیر حکم کر کے ان سب نے سالانہ زرِ خراج مقرر کر کے اور سرداران عالم پور فیروزآباد بہیڑ جلال آباد کھنگ قبولا رحیم آباد سے پیشکش گراں بہا لے کر شہر دہلی میں حضورِ سلطانی میں بھیج دیئے اور مسمیان ڈھولا و خیرا کو جو ان باغیوں کے سرغنہ تھے گرفتار کر کے جلا وطن کر دیا۔ نواب اس ملک میں ایک عرصہ تک رہکر بالفتح والنصرت واپس آیا اور بادشاہ کے دربار میں حاضر رہا۔ چوتھی مرتبہ

کوٹ کانگڑہ کے فوجدار سردار خاں کی عرضداشت بادشاہ جہانگیر کے دربار میں سرداران علاقہ کی بغاوت اور سرکشی کی پہنچنے پر پھر بادشاہ نے نواب الف خاں کو کوٹ کانگڑہ بھیجا۔ نواب کے علاقہ کانگڑہ پہنچنے کی خبر سنکر تمام پہاڑی لوگ گھاٹیوں میں حشرات الارض کی طرح چھپ گئے۔ الف خاں نے کچھ عرصہ بعد ہی قلعہ جات کاہلو اور منڈی سکیت اور سکندرہ پر قبضہ کر لیا اور سرکش اور باغی لوگوں کو جنہوں نے سردار خاں فوجدار کو تنگ کر کے فرمانِ شاہی سے سرتابی اور خودسری اختیار کی تھی۔ پہاڑیوں کی گھاٹیوں سے ڈھونڈ کر قتل کیا اور ایک مدت تک اس علاقہ میں قیام رکھ کر خاطر خواہ انتظام کیا بادشاہ نے خوش ہو کر شمالی پنجاب کی فوجداری نواب الف خاں کو مرحمت کی اور فیل جنگی اور خلعتِ خاصہ سے نوازا۔ پہاڑی متحد ہو کر پھر نواب سے برسر جنگ ہوئے۔ دس روز تک متواتر جنگ و جدال کا بازار گرم رہا فریقین کے کشتوں کے پشتے لگ گئے ابھی جنگ کا فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ نواب صادق علی خاں کا خط جو وزرائے سلطنت میں سے تھا نواب کے نام پہنچا کہ ایک مرتبہ تم معہ اپنی تمام فوج کے جلد ہمارے پاس امداد کے واسطے پہنچو ورنہ ایک حصہ فوج کا تو ضرور بھیجدو۔ نواب اس خط کو دیکھ کر ضیق میں آ گیا۔ اس لئے اپنا جانا تو مناسب نہ سمجھا البتہ اپنی فوج کا ایک حصہ نواب صادق علیخاں کے پاس بھیج دیا۔

اب نواب کے پاس بہت ہی کم فوج رہ گئی قصبہ تلواڑہ کی جنگ میں پہاڑیوں نے بہ ہیئت مجموعی نواب پر سخت حملہ کیا اور گھیر لیا نواب الف خاں بعد کشت وخون بسیار شہید ہوگیا اور پہاڑیوں کی طرف سے اس آخری جنگ میں ایک ہزار تین سو آدمی کام آئے۔ شہادت الف خاں کی تاریخ ۲۲ رمضان ۱۰۳۵ھ مطابق سنہ ۱۶۸۳ بکرمی ہے۔ نعش الف خاں کی صندوق میں رکھ کر فتحپور پہنچادی گئی اس کی قبر پر اس کے بیٹے دولت خاں نے عالیشان گنبد اسی سال یعنی سنہ ۱۰۳۵ھ میں تعمیر کرایا جواب تک فتحپور میں جھنجھنوں کے راستہ پر اسی استحکام کے ساتھ موجود ہے۔ غرضکہ نواب الف خاں نوابان فتحپور میں بہت بڑا بہادر اور صاحب سوخ نامور شخص گذرا ہے اس سے پہلے نوابوں میں ایسا باوقعت اور عالی حوصلہ اور بلند ہمت کوئی نہیں ہوا۔

آٹھواں نواب دولت خاں

بعد شہادت الف خاں اس کا بڑا بیٹا دولت خاں اپنے باپ کا قائم مقام ہوا۔ بادشاہ جہانگیر نے خلعت خاصہ عنایت کرکے اس کو بھی اس کے باپ کی جگہ کوٹ کانگڑہ بھیج دیا اس نے بھی اپنے باپ کی طرح بہت شجاعت اور دلیری سے پہاڑیوں کے ساتھ جنگ جاری رکھی اور ان کو تنگ کیا۔ ابھی دولت خاں کانگڑہ میں ہی تھا کہ بادشاہ جہانگیر کے فوت ہوجانے اور شاہجہاں کے تخت

نشین ہونے کی خبر پہنچی افسران سپاہ نے سب کاروبار بند کردیا اور دہلی کی تیاری کی۔ نواب نے انکو تشفی دے کر روکے رکھا مگر پہاڑیوں کو شاہی فوج کی بد دلی اور جہانگیر کے انتقال کی خبر معلوم ہوچکی تھی انھوں نے پھر اسی طرح سے بہ ہیئت مجموعی دولت خاں پر حملہ کیا اور نواب کو مار ڈالنا چاہا جس میں ہزاروں آدمی مارے جانے کے بعد دولت خاں کامیاب ہوا پہاڑی میں سے اکثر مارے گئے اور باقی نے راہ فرار اختیار کی۔ بعد واپسی کانگڑہ بادشاہ شاہجہاں نے اس کو ملک خراسان کی مہم پر بھیجا اور اس کے بیٹے طاہر خاں کو اپنے حضور میں رکھ کر عنایت خسروانہ سے نوازا امر سنگھ راٹھور نے دربار شاہی میں گستاخی کر کے صلابت خاں کو قتل کردیا تھا جس کی پاداش میں وہ خود بھی بذلت تمام مارا گیا عتاب شاہی کی وجہ سے ملک پرگنہ ناگور جو امر سنگھ کا تھا ضبط کیا جاکر پیشگاہ شاہجہاں سے سنہ ۱۰۵۶ ھ میں طاہر خاں پسر دولت خاں کو عنایت ہوا۔ طاہر خاں فی الفور بحکم شاہی ناگور پہنچا اور اپنے بیٹے سردار خاں کو خدمت سلطانی میں دہلی چھوڑ گیا۔ طاہر خاں نے راٹھوروں کو نکال کر اپنا قبضہ کرلیا اور ناگور میں متصل قلعہ جانب شمال ایک عالیشان مسجد تعمیر کرائی جو اب تک موجود ہے۔ جس کے اندر یہ تاریخ کندہ ہے۔

بعہد حضرت شاہ جہاں باد	شہ صاحبقراں بادین و باداد
بطاہر خاں دراں وقتیکہ ناگور	ز الطاف و نوازش در وطن داد
بتوفیق حق آں خان جواں بخت	بریں تعمیر مسجد یافت ارشاد
بدل گفتم پئے سال بنائش	بگو بنا د طاہر خاں تقوی سنہ ۱۰۵۶ھ باد

تھوڑے دن بعد نواب دولت خاں بھی مہم خراسان سے واپس آگیا۔ ابھی آٹھ ماہ سے زیادہ عرصہ دولت خاں کو مہم مذکور سے آئے ہوئے نہیں گزرا تھا کہ بلخ کی مہم میں بہمراہی شاہزادہ مراد بخش پشاور پہنچنے کا فرمان شاہی نافذ ہوا۔ نواب دولت خاں پشاور پہنچکر حاضر خدمت شاہزادہ ہوا۔ ادھر اس کے بیٹے طاہر خاں نے ناگور سے درگاہ شاہنشاہی میں عرضداشت بھیج کر درخواست کی کہ مجھ کو بھی مہم بلخ پر بہمرکابی شاہزادہ بھیجا جائے تاکہ خدمت سلطانی میں اپنی جان کو فدا کروں چنانچہ عرضی منظور ہو کر اس کو بھی وہاں جانے کا حکم ہو گیا۔ طاہر خاں ناگور سے روانہ ہو کر شامل مہم ہوا اور سردار خاں اس کا بیٹا حاضر حضور شاہی رہا۔ یہ دونوں باپ بیٹے یعنی دولت خاں اور طاہر خاں شبانہ روز جنگ میں مصروف رہے۔

شاہزادہ نے تھانہ اندر خود کا انتظام اور اس کا مورچہ دولت خاں فتحپوری اور رستم خاں دکھنی کے حوالے کیا —— ان دونوں نے نہایت جوانمردی سے انتظام کیا۔ طاہر خاں شاہزادہ مراد بخش کے حضوریان خاص میں تھا وہ بیمار ہو کر اسی جگہ مر گیا۔ طاہر خاں کی لاش کو فتحپور لے جا کر دفن کیا گیا۔ شاہجہاں نے طاہر خاں جیسے جوان اور خیر خواہ کے مر جانے کی خبر سنکر نہایت افسوس کیا اور اس کے بیٹے سردار خاں کو روبرو بلا کر بڑی تسلی اور تشفی کر کے امیدوار نوازشات بادشاہی کیا ہنوز قندھار پر جنگ ہو رہی تھی کہ بیماری سے نیز بیٹے کے مرنے کے رنج سے نواب دولت خاں بھی سنہ ۱۰۶۳ھ مطابق سنہ ۱۷۱۴ بکرمی میں بلخ پہونچ کر جاں بحق ہو گیا۔

نواب دولت خاں کے انتقال کی خبر سنکر شاہجہاں بادشاہ نے بعد
تاسعف بسیار اس کے پوتے سردار خاں کو جو حاضر حضور رہتا تھا روبرو بلاکر
کلمات تعزیت فرمائے اور تیسرے روز خلعتِ خاصہ عنایت کرکے فرمان
ملک فتحپور دے کر روانہ فتحپور کیا۔

نواں نواب سردار خاں

بعد دولت خاں سردار خاں اس کا پوتا فتحپور کا نواب ہوا جس نے
ملک کا اچھا انتظام کیا فوج کو مرتب رکھا اور رعایا کو خوش رکھا۔
چونکہ اس کا بیٹا فدن خاں اس کی عین حیات میں مرچکا تھا اسلئے
دولت خاں کا چھوٹا بھائی دیندار خاں اس کے مرنے کے بعد مسند حکومت پر
جاگزیں ہوا۔

دسواں نواب دیندار خاں

یہ ایک معمولی عقل کا انسان ہے۔ کاہل وجود اور ناعاقبت اندیش سا تھا
جس کی وجہ سے ملک میں بدامنی اور رعایا پر ظلم و تعدی ہونے لگا یہ ایک
عرصہ تک زندہ نہ رہ کر راہی ملکِ عدم ہوا اور ملک و دولت اپنے بڑے
بیٹے سردار خاں کے سپرد کر گیا سردار خاں نے ایک گاؤں اپنے نام سے آباد
کیا تھا جو جھونجھنوں کے راستہ سے شمال کی جانب آباد ہے اور جس کا نام
دیندار پورہ ہے۔

گیارہواں نواب سردار خاں ثانی

یہ بھی مثل اپنے باپ کے غافل کم ہمت اور عیش پسند تھا۔ اس کے عہد میں حکومت اور فرمانروائی کوچ کر چکی تھی۔ اکثر کم ظرفوں کا مجمع اس کے دربار میں رہتا تھا۔ بادشاہ کے دربار میں جانا بند تھا نہ وہاں کچھ رسوخ تھا۔ مصاحب کارکن خود مختار تھے۔ بوجہ لاولدی اس کے انتقال کے بعد اس کا برادر زادہ کامیاب خاں متبنّیٰ ہو کر اس کی جگہ فتحپور کا نواب ہوا۔

بارہواں نواب کامیاب خاں

کامیاب خاں خاتم الحکومت فتحپور ہے جس سے ٹھاکر شوسنگھ کچھواہہ شیخاوت نے سنہ ۱۷۸۸ء میں بماہ اسوج بزور شمشیر ملک فتحپور چھین لیا خاندان نواب نے بقیہ عمر ملک مارواڑ میں بالخصوص قصبہ کچامن میں گزار دی۔ اب تک ان کی اولاد اس ٹھکانہ کچامن میں ملازمت کر کے بسر کر رہی ہے انہیں سے بعض کی توقیر بھی ٹھکانہ کچامن میں اچھی ہے مثلاً مسعود اللہ خاں طاہر خانی اور عظیم اللہ خاں الف خانی وغیرہ باوقار ہیں۔!

خواجہ حاجی نجم الدین پروانہ فتحپوریؒ

حضرت خواجہ حاجی محمد نجم الدین حضرت قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین

خواجہ حمید الدین سلطان التارکین صوفی السوالی ناگوری کی اولاد سے ہیں آپ کے والد بزرگوار کا اسم گرامی شیخ احمد بخش ولد شیخ فیض الدین ہے آپ کا مسقط الراس جھونجھنوں علاقہ ریاست جے پور ہے آپ فاروقی النسل ہیں آپ کے والد حضرت شیخ احمد بخش نقشبندیہ سلسلہ سے منسلک تھے اور حضرت ارادت اللہ شاہ صاحب بگوی سے بیعت تھے۔

حضرت شیخ احمد بخش صاحب مرحوم کے پانچ فرزند تھے۔ شیخ شہاب الدین قادری خلیفہ حضرت مولانا محمد رمضان صاحب دہمی مولوی نظام الدین مولوی قمر الدین خواجہ حاجی نجم الدین اور سیف الدین شہید۔

شجرہ نسب | خواجہ حاجی محمد نجم الدین ولد شیخ احمد بخش ولد شیخ فیض الدین ولد شیخ سلطان بن شیخ محمد سعد بن شیخ محمد سعید بن شیخ قطب الدین بن شیخ کمال الدین بن شیخ عبد القادر جن کا ذکر خیر کتاب اخبار الاخیار میں موجود ہے۔ بن شیخ عبد الفتح بن شیخ محروف بن شیخ المشائخ خواجہ مخدوم حسین ناگوری (جن کے کمالات اور بزرگی کا حال کتاب اخبار الاخیار اور مرات الاسرار اور اقتباس الانوار و مخزن الاولیاء وغیرہ میں درج ہے) بن شیخ خالد بن شیخ نظام بن شیخ محمد بن شیخ وحید الدین بن شیخ عبد العزیز (جنہوں نے اپنے والد ماجد کی اس بیت پر لیلۃ الرغائب میں بحالت رقص و وجد امانت نقد جان کو جان آفریں کے حوالہ کیا) بیت

جاں بدہ و جاں بدہ و جاں بدہ
فائدہ زیستن بسیار چیست

بن حضرت شمس العارفین سلطان التارکین حمید الدین صوفی السوالی السعدی الناگوری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین بن شیخ احمد بن شیخ ابراہیم بن شیخ محمد ابن شیخ سعیدی بن شیخ محمود بن شیخ عبداللہ بن شیخ عمر بن شیخ نصیر بن شیخ ابراہیم بن شیخ عبدالرحمٰن بن شیخ یوسف بن شیخ علی بن شیخ حسین بن شیخ سعید بن عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ۔

ولادت | حضرت حاجی صاحب کی ولادت ۳ رمضان سنہ ۱۲۳۲ھ کو بمقام تھنہ بھون ہوئی تھی۔ آپ کے والد ماجد شیخ احمد بخش صاحب حمیدی بڑے پایہ کے بزرگ تھے زہد و اتقا کا زور دورہ تھا شاہ ارادت اللہ صاحب نقشبندی کے مرید تھے اور خواجہ حمید الدین ناگوری کی اولاد پاک نہاد سے تھے۔ اس لئے اطراف وجوانب کے لوگ ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔

تعلیم | حضرت حاجی صاحب کی "بسم اللہ" اس زمانہ کے مشہور بزرگ محمد رمضان صاحب قادری تھمی نے پڑھائی۔ حضرت تھمی صاحب حافظ محمد علی خیر آبادی سے مستفیض تھے۔ جس زمانہ میں حافظ صاحب مکہ معظمہ میں تھے وہ اکثر ان کی صحبت میں حاضر رہتے تھے لکھا ہے۔

"اکثر بہ خدمت ایشاں می آمدند و فیض می گرفتند"

حاجی صاحب نے قرآن پاک ان سے پڑھا تھا اس کے بعد علوم ظاہری کی طرف متوجہ ہوئے۔ طبیعت ابتدا سے ریاضت کی طرف مائل تھی علوم ظاہری کی تحصیل نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور تصوف کا رنگ غالب آگیا۔

بیعت حاجی نجم الدین صاحب ایک دن شیخ حبیب اللہ قادری کی کتاب "انیس العارفین" کا مطالعہ فرما رہے تھے جب اس جملہ پر نظر پڑی کہ

من لا شیخ لہ فیشخہ الشیطان

تو مرشد کامل کی تلاش کا جذبہ پیدا ہو گیا اور یہ سمجھنے لگے کہ مرشد کامل بغیر سب محنت مجاہدہ ریاضت اور طاعت بیکار ہے۔ اس کے بغیر منزل مقصود کا نشان نہیں مل سکتا چنانچہ مرشد کی تلاش میں دہلی کا ارادہ کیا والدین نے اجازت نہ دی تو خفیہ طور پر دہلی روانہ ہو گئے پا پیادہ۔

ابھی جھنجھنوں سے بھی چند کوس ہی نکلے تھے کہ آپ کے بھائی شہاب الدین صاحب نے آپ کا تعاقب کیا اور واپس لے آئے اس وقت حاجی نجم الدین صاحب کی عمر ۱۸-۱۷ سال کی تھی۔ خواجہ اجمیری کے عرس کے زمانہ میں ان کو پھر موقع مل گیا حضرت خواجہ سلیمان تونسوی کی شہرت سن کر وہاں روانہ ہو گئے۔

یکم شعبان سنہ ۱۲۵۳ھ کو خواجہ تونسوی کے آستانہ پر حاضر ہوئے خواجہ صاحب عبادت میں مشغول تھے۔ شوق ملاقات میں آپ سے ضبط نہ ہو سکا حجرہ کے اندر چلے گئے۔ خواجہ تونسوی کے جمال جہاں آرا کو دیکھ کر بے خودی سی طاری ہو گئی اور بے ساختہ زبان پر آ گیا

مکھ دیکھت ہی من موہن کو یری نینن میں چھپ جائے گی
جب دور کیا مکھ کا آنچر جب جوت میں جوت سمائے گی

خواجہ صاحب نے فرمایا۔

"آ آ اسے مردِ ہندی تو تو ہندوستانی ہے"

پھر یہ شعر پڑھا۔

ہندو ہے بت پرست مسلمان خدا پرست
ہم بندے ہیں اسی کے جو ہے آشنا پرست

اس کے بعد حضرت خواجہ محمد سلیمان نے ان کو حلقہ مریدین میں شامل کر لیا۔ حاجی صاحب چھ ماہ تک شیخ صاحب کی خدمت میں رہے۔ اس زمانہ میں انھوں نے خواجہ تونسوی کے خلیفہ اعظم مولوی محمد یار ان کلو چوی سے رشحات لمحات فصوص الحکم۔ فتوحات مکیہ وغیرہ کا درس لیا۔ اس کے بعد پیر کے ساتھ اجمیر شریف اور پاک پٹن شریف گئے۔ محرم سنہ ۱۲۵۳ھ کو پاکپٹن میں خواجہ تونسوی نے ایک بڑے مجمع کے سامنے جس میں دیوان صاحب اور دیگر مشائخ و علماء بھی شامل تھے حاجی صاحب کو خلافت عطا فرمائی اور شیخاوائی میں قیام کا حکم دیا خواجہ تونسوی کے بہت سے ایسے مرید جو عرصہ سے خدمت کر رہے تھے لیکن خلافت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے اس پر متعجب ہوئے اور کہا کہ خواجہ صاحب نے ایک نووارد کو اس قدر جلد خلافت عطا فرما دی خواجہ صاحب کو معلوم ہوا تو فرمایا ہم نے کیا نہ کیا نجم الدین خود اپنی روشنی کا سامان اپنے ہمراہ لائے تھے۔ ان کے چراغ میں تیل اور بتی سب کچھ موجود تھا ہم کو صرف لو لگانی تھی پھر یہ شعر پڑھا

گوہر پاک بباید کہ شود قابل فیض!
ورنہ ہر سنگ و کلوخے درد مرجاں نشود

خلافت حاصل کرنے کے بعد جب دوسری مرتبہ آپ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کشکول اور لوہجای کا درس لیا اس کے بعد مختلف اوقات میں عشرہ کاملہ دیوان حافظ وغیرہ کی کتابیں شیخ سے پڑھیں[1]۔

فتحپور حاجی صاحب نے اپنے پیر و مرشد خواجہ محمد سلیمان کی ہدایت کے ماتحت فتحپور میں قیام فرمایا جس جگہ آپ نے اپنا مسکن بنایا تھا وہ بالکل غیر آباد جگہ تھی لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں وہاں عقیدتمندوں کا ہجوم ہونے لگا آپ نے اس جنگل میں ایک مسجد تعمیر کرائی اور اپنے سلسلہ کا کام نہایت انہماک سے شروع کر دیا خواجہ صاحب نے جب ان کے انہماک کا حال سنا تو فرمایا۔ ہندوستان کے بہت سے آدمی ہمارے مرید ہوئے اور بہت سے لوگ وہاں سے آئیں گے مگر جو رتبہ اور درجہ حاجی نجم الدین اور سید محمد علی خیر آبادی نے حاصل کیا وہ ان ہی کا حصہ تھا[2]۔

اتباعِ سنت و احترام شریعت حاجی نجم الدین صاحب شرع کے معاملہ میں نہایت سخت گیر تھے۔ وہ خود سنت کے اتباع میں پوری کوشش کرتے تھے۔ مریدوں کو بھی ہدایت تھی کہ شریعت کا دامن مضبوطی کے ساتھ پکڑیں۔ نجم الاخرہ اور فضیلۃ النکاح میں انھوں نے بعض اہم شرعی مسائل کی تشریح کی ہے اور مسلمانوں کو بتایا ہے کہ ان کی کامیابی کا راز صرف اتباع سنت نبوی میں ہے۔ حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے

---

[1] مناقب المحبوبین صفحہ ۳۷ [2] خاتم سلیمانی

کہ پیر و مرشد کو شریعت پر ثابت قدم ہونا چاہیئے۔ "پیر ملائی غیر بھلائی" میں لکھتے ہیں۔

شریعت پر مضبوط ہو وے جو درویش — عشقِ خدا سے رکھتا ہے رات دن دلریش

عالم عامل وہ ہووے تابع نبی ضرور — کوئی سنت مستحب اندر نہ ہو قصور

پڑھے نماز جماعت سے پانچوں وقت چار — رہے یادِ خدا میں شاغل لیل و نہار

جاکر نبی رسول سے ملے ہاتھ سے ہات — عقائد میں ہیچ درست ہو سنت اور جماعت

اظہارِ کرامت کی مذمت اس طرح کرتے ہیں۔

پراں لگا کر جو اڑے مردہ جو جلائے

شریعت میں ہیچ قصور ہو وہ گمراہ کہلائے

عشقِ حقیقی اور وحدت وجود

حاجی صاحب عشقِ حقیقی کے نشہ میں چور رہتے تھے حضرت موسیٰ کے گڈریے کی طرح وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دل کی دنیا میں لاتے تھے بناتے تھے سنوارتے تھے اور پھر دلِ خلوت کدہ میں لطف اٹھاتے تھے۔ بعض جگہ تو نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا معشوق اسی دنیا میں آب و گل سے تعلق رکھتا ہے۔

وحدت الوجود کے نظریہ کو آپ نے اپنی غزل میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔

الٰہی چوں جمال خود نمائی در جہاں پیدا — بعشقت مبتلا گشتند ہر سو عاشقاں پیدا

کمال دہم جلال خود نمودی در جہاں پیدا — ہمہ از نور تو گشتند ایں نار و جہاں پیدا

گہے جلوہ کنی در شکل رندان خراباتی — گہے باشی بصورت عابدان و زاہدان پیدا

نمائی خویش را گاہی بشکل رہبر کامل | گہے جلوہ کنی زرصورت ایں گمرہاں پیدا
ہزاراں مومناں کردی زشکم کافراں ظاہر | زبطن مومناں کردی ہزاراں کافراں پیدا
روی در بتکدہ گاہی بزنارے گلو کردہ | مثبتے باشی گہے خود را کنی پیر مغاں پیدا
گہے بہر نماز خود بکف تسبیح و سجادہ | نہادہ آئی گہ باشی بشکل مسجوداں پیدا

خدایا نجم را کن غرق در بحر جمال خود
گمان خلق گر آید بمن بااین و آں پیدا

آپ نے وحدت الوجود کے نظریہ کو اپنی نظموں میں جگہ جگہ پیش کیا ہے کہیں فرماتے ہیں۔

آنکس کہ ز اسرار خدای بیند | مخلوق از خالق نہ جدائی بیند

کہیں فرماتے ہیں۔

ع عارف ہمہ جانور خدا می بیند

ذوق وجد و سماع حاجی صاحب وجد و سماع کے بہت شائق تھے ایک مرتبہ مولوی عبدالرحمن ساکنہ ریواڑی فتحپور میں آئے ہوئے تھے اور ان ہی دنوں میں عرس خواجہ تونسوی کے تھے۔ شہر کے لوگ جوق در جوق محفل عرس شریف میں آرہے تھے۔ عندالاستفسار مولوی صاحب سے بھی لوگوں نے کہدیا کہ ہم لوگ حاجی صاحب کے یہاں عرس خواجہ شاہ سلیمان کی محفل میں جارہے ہیں۔ اسپر مولوی صاحب نے پوچھا گیا قوالی اور سماع بامزامیر ہوتی ہے۔ کہا۔ ہاں۔ تو مولوی صاحب بھی اس ارادہ کے ساتھ کہ ہم حاجی صاحب سے بحث کرکے سماع سے انکو

توبہ کرائیں گے ایک جماعت کثیر کے ساتھ خانقاہ میں حضور شاہ ولایت کے
پاس پہنچے۔ دیکھا کہ بہت سے لوگ قرآن خوانی میں مصروف ہیں اور خود
حضور شاہ ولایت بھی تلاوت کر رہے ہیں آنکھ مولوی صاحب سے بعد سلام
مزاج پرسی کی مولوی صاحب کو قرآن خوانی پر تو کوئی وجہ اعتراض کی تھی
نہیں تھوڑی دیر کے بعد بغیر کسی ذکر و کلام کے مولوی صاحب نے حضور
شاہ ولایت سے رخصت چاہی آپ نے ان کے دلی خطرہ اور اندرونی ارادہ
سے واقف ہو کر فرمایا کہ مولوی صاحب ذرا ٹھہر جائیے۔ بعد قرآن خوانی
محفل قوالی ہو گی۔ سماع میں آپ بھی شامل ہوں۔ مولوی صاحب اس
کلام کو سنتے ہی برانگیختہ ہو گئے اور بغیر کسی لحاظ کے کہا کہ اگر میرے سامنے
آپ سماع کرائیں گے اور آپ کو وجد و حالت ہوئی تو یقین مانیئے کہ میں
آپ کی گردن پر سوار ہو جاؤں گا۔ آپ نے نہایت حلم سے سن کر فرمایا کہ سبحان اللہ
میری قسمت ایسی کہاں جو میری گردن پر آپ جیسے فاضل اور عالم کے
قدم رکھے جائیں اور علمار کے قدم ہمیشہ اولیا اور فقیروں کی گردن پر
ہی رہے ہیں۔ یہ فرما کر مسمی بدلو قوال کو جو حاضر تھا حکم دیا کہ ہاں کچھ کو مولوی
صاحب کو سنا اسی وقت اس نے حافظ کی اس غزل کو

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدارا
دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

ڈھولک کے ساتھ گانا شروع کیا حضور شاہ ولایت نے ایک نعرہ اللہ اکبر
کا مار کر مولوی صاحب کی طرف دیکھا نظر فیض اثر پڑتے ہی مولوی صاحب
کو حالت وجد شروع ہو گئی تمام اپنے کپڑے قوالوں کو دیدیئے اور یہاں

تک رقص کیا کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ مرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگے
قریب تھا کہ مر جائیں۔ حاضرین نے حضور شاہ ولایت سے عرض کیا کہ ان کا
قصور معاف فرمایئے ورنہ مر جائیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میرا کونسا قصور
کیا ہے۔ ان کے قدم اور میری گردن یہ عالم ہیں میں فقیر بے شرع ہوں۔
جب لوگوں نے زیادہ مجبور کیا تو پانی پر کلام الٰہی دم کر کے چھڑکا جس سے
مولوی صاحب کو ہوش آیا۔ مولوی صاحب نے حضور شاہ ولایت کے قدم پکڑ لئے
اور کہا کہ مجھے بیعت کر لیجئے اور گستاخی معاف کیجئے۔ آپ نے مولوی
صاحب کو بیعت کیا اور چند روز خدمت میں رکھ کر رخصت کیا۔

مولوی محمد حسین پشاوری فقرا کی حالت وجد کے منکر تھے مگر
حضور شاہ ولایت کی دوستی کا شرف رکھتے تھے ان کو آپ کے مزاج میں بہت
زیادہ دخل تھا۔ زمانہ عرس شریف میں وارد اجمیر ہوئے حضور شاہ ولایت
سے نیاز حاصل کرنے کے لئے آپ کے فرودگاہ پر حاضر ہوئے مختلف قسم
کی گفتگو سماع وجد کے بارے میں عالمانہ مگر منکرانہ کرتے رہے شاہ ولایت صاحب بھی ان کا
جواب عالمانہ ہی فرماتے رہے۔ آخر میں مولوی محمد حسین صاحب نے عرض
کیا جناب میں تو فقراء کی وجد اور حالت کا اس وقت قائل ہوں
جب وہ مجھ پر نظر ڈال کر کوئی کرشمہ دکھلائیں۔ سچے دل سے تو تب ہی معتقد
ہوں گا ویسے تو آپ کا غلام ہوں جو فرمائیں گے زبانی اقرار کر لوں گا۔
حضور شاہ ولایت نے ہنس کر فرمایا کہ مولوی صاحب کیوں کسی فقیر کا پردہ
فاش کراتے ہو جو ہونا ہے وہی ہو گا۔ مولوی صاحب نے پھر وہی عرض

کیا۔ ارشاد فرمایا کہ خیر آج محفل سماع میں درگاہ شریف میں تو آؤ جو ہزیدہ یا بندہ
چنانچہ رات کو حضور شاہ ولایت سماع کی محفل میں حسب معمول درگاہ
شریف میں تشریف لے گئے۔ چند غلامانِ خاص ہمرکاب تھے۔ جب داخل
محفل ہوئے تو مولوی صاحب کو موجود پایا۔ قوالوں نے اس غزل کو شروع
کیا ہی تھا۔

اے نور لب لعل تو اعجاز مسیحائی   کن بر سرتا بوتم یک جلوۂ رعنائی

حضور شاہ ولایت کو جوش آیا اور نعرہ اللہ اکبر مار کر مولوی صاحب
کی طرف دیکھا۔ مولوی صاحب جو پاس ہی بیٹھے تھے تڑپ گئے اور ایک
گھنٹہ تک ایسی شورش اور رقص میں آئے کہ حاضرین مجلس و نیز آشنایان
مولوی صاحب سخت حیران تھے کہ مولوی محمد حسین صاحب اور یہ رقص اور
وجد و حالت کہ جس کے سخت منکر تھے۔ جب مولوی صاحب کو ہوش آیا
اور محفل برخاست ہوگئی۔ مولوی صاحب نے حضور شاہ ولایت کے
قدم پکڑ کر معافی قصور چاہی اور عرض کیا کہ مجھے بیعت فرما لیجئے۔ حضور
شاہ ولایت نے انکار کر کے فرمایا کہ مولوی صاحب آپ کا حصہ خاص
مرشد ہی و مولائی جناب خواجہ شاہ سلیمان کی خدمت میں ہے آپ جناب
غوث زماں سے بیعت ہوں گے۔ چنانچہ عریضہ کے ذریعہ حضور شاہ ولایت
نے مولوی صاحب کو جناب غوث زماں سے بیعت کرایا اور مولوی صاحب
ہمیشہ کے لئے ممنون منت حضور کے رہے۔

تصانیف | حاجی نجم الدین صاحب نے اردو۔ فارسی میں تصانیف کا بیش

قیمت ذخیرہ چھوڑا۔ ان کی اردو تصانیف تاریخ اردو ادب میں خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ راجپوتانہ میں اردو زبان کی ترویج میں حاجی صاحب کا خاص حصہ تھا۔

راجستھان میں اردو زبان کے سب سے پہلے مصنف آپ ہی ہیں۔ اردو زبان کی بزم ادب یعنی شاعری کا سہرا بارہویں صدی کے وسط سے آپ ہی کے سر اقدس پر بندھا ہوا نظر آتا ہے۔ حاجی صاحب کی اردو تصانیف یہ ہیں۔

۱	گلزار وحدت	۲	ماحی الغیریت (علم توحید میں)
۳	پیو ملانی غیر بھولانی (ذکر و اشغال میں)	۴	بارہ ماسیہ نجم (عشق و محبت الٰہی میں)
۵	افضل الطاعت (نظم علم تجوید میں)	۶	پریم گنج (ہندی دوہے)
۷	حیات العاشقین فی لقاء رب العالمین	۸	نجم الآخرت
۹	فضیلۃ النکاح	۱۰	بیان الاولیا
۱۱	سماع السامعین فی رد المنکرین	۱۲	دیوان نجم اردو
۱۳	تذکرۃ الواصلین (دفتر اول)	۱۴	تذکرۃ الواصلین (دفتر دوم)

ان کتابوں میں شاہ صاحب نے اخلاق و تصوف کی تعلیم نہایت دلکش انداز میں دی ہے۔ ان کتابوں کا مقصد عوام میں اسلامی تعلیم کا پھیلانا ہے۔ آپ نے عوام کو مشاہیر صوفیا کے اقوال اس سادگی اور خوبی سے سمجھائے ہیں کہ گراں نہیں معلوم ہوتے اور نفسِ مضمون میں مل جاتے ہیں۔ مثلاً

کہا نظام الدین نے جو محبوب الٰہ ❖ شرف الدین نے مشکل کرو آسان

یحییٰ شرف الدین نے مشکل کری آسان } ایسا لکھا کتاب میں تجھ میں کردوں بیاں

شیخ محی الدین جو قادر جیلاں } شیخ من کے واسطے ایسا لکھا بیاں

اور فوائد اسطرح خوب طرح سے کھول ؛ شیخ کلیم اللہ نے لکھے بیچ کشکول

حاجی صاحب کی فارسی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ شجرۃ العارفین (حالات خواجگان چشت و دیگر مشائخ)

۲۔ شجرۃ المسلمین (تاریخ لدا بان فتحپور)

۳۔ شجرۃ الابرار (خواجہ ناگوری کے حالات)

۴۔ مناقب الحبیب (احوال خواجہ اجمیری)

۵۔ مناقب التارکین (حالات خواجہ صوفی حمید الدین)

۶۔ مناقب المحبوب (حالات مشائخ سلسلہ چشتیہ ملفوظات خواجہ تونسوی)

۷۔ راحت العاشقین

۸۔ تذکرۃ السلاطین (احوال بادشاہان ہند)

۹۔ مقصود العارفین

۱۰۔ احسن العقائد

۱۱۔ احسن القصص

۱۲۔ نجم الواعظین

۱۳۔ نجم الہدایت

۱۴۔ مقصود العارفین فی شرح اوراد شیخ نصیر الدین۔

۱۵۔ ہدایت نامہ

۱۶۔ قبالات نجمی

۱۷۔ دیوان نجم فارسی

وصال | سنہ ۱۲۸۷ھ حسب معمول آپ اجمیر شریف عرس میں شریک ہوئے وہاں کچھ طبیعت ناساز ہوئی۔ علالت کی حالت میں جھونجھنوں پہنچے۔ ۱۹۔ رمضان المبارک سنہ ۱۲۸۷ھ میں وصال فرمایا۔ جنازہ فتحپور لایا گیا اور یہاں سپردِ خاک کیا گیا۔ شاہ صاحب کے فرزند سوم مولانا نور احمد نے تاریخ وصال لکھی۔

شہباز اوج وحدت فارغ شدہ ز کثرت
برداشت سوئے حق سر از زانوئے تعبد
از قفس عنصری چوں پرواز کرد روحش
شاداں بشاخ طوبیٰ با شوق جاگزیں شد
با صد دریغ و حسرت تاریخ گفت ہاتف
شاہنشہ ولایت نجم ہدیٰ و دین بد

اولاد | حاجی صاحب نے دو شادیاں کیں۔ ایک شاہ ضیاء الدین صاحب جے پوری کے خلیفہ لطیف خاں صاحب کی لڑکی سے۔ دوسری شیخ عبدالکریم صاحب کی لڑکی سے۔ ہر دو بیویوں سے آپ کے پانچ صاحبزادگان اور دو لڑکیاں تولد ہوئیں۔

۱۔ مولانا نصیر الدین
۲۔ عبداللطیف شاہ
۳۔ نور احمد شاہ
۴۔ مولانا محمد رمضان
۵۔ حاجی سرفراز علی
۶۔ فضیلۃ النساء
۷۔ لطیف النساء

شاہ صاحب کے چار صاحبزادے بڑے عالم اور صاحب ارشاد تھے۔ مولانا نصیر الدین صاحب حاجی صاحب کے بعد سجادہ مشیخت پر جلوہ افروز ہوئے۔ عبد الطیف شاہ صاحب نے جودھپور میں اپنی خانقاہ قائم کی۔ وہیں ان کا مزار ہے۔ آپ صاحب[۱] تھے آپ کے مفصل حالات "فخر التواریخ" میں درج ہیں۔ شاہ نور احمد صاحب فتحپور میں رہے ان کی دو تصانیف مشہور ہیں۔

۱۔ دیوان نور ۲۔ مجموعہ رویائے صادقہ

دیوان مطبع "کریمی" بمبئی سے شائع ہوا تھا۔ کلام میں فصاحت اور لطافت دونوں ہیں۔

مولانا محمد رمضان صاحب کا قیام جھنجھنوں میں رہا۔ آپ فاضل اجل اور عالم بے بدل تھے۔ ہندوستان کے مختلف مقامات سے آپ سے فتوے لئے جاتے تھے۔ نہایت عابد زاہد اور متقی شخص تھے ستر سال کی عمر پاکر راہی ملک عدم ہوئے۔ فخر التواریخ آپ کی تصنیف ہے آپ نے اپنے والد بزرگوار کی فارسی تصانیف گلزار وحدت، مناقب الحبیب وغیرہ کتب کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ راقم الحروف آپ کا حقیقی پوتا ہے۔ انتقال سے کچھ دن پہلے یہ شعر فرمایا کرتے تھے ؎

رمضان اٹھو شتاب سے بستر بغل میں لو وہ جا رہا ہے قافلہ سوئے عدم چلا

---

[۱] مصنف مولوی محمد رمضان صاحب فرزند حضرت پروانہ صاحب فتحپوری

آپ کا مزار پر انوار احاطہ چلہ حضرت مخدوم حسین ناگوری جھونجھنول میں ہے جس پر نہایت خوبصورت بارہ دری کا گنبد ہے۔ آپ کی اولاد تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلی آئی اور حیدرآباد اور کراچی شہروں میں آباد ہے خلفاء فضل [illegible] جی نجم الدین صاحب کے خلفاء کی تعداد بہت کثیر تھی انھوں نے راجپوتانہ کے اکثر مقامات پر اپنے خلفاء کو بھیج کر خانقاہیں قائم کرائیں۔ جے پور۔ جودھپور۔ بیکانیر۔ ادے پور اور اجمیر وغیرہ میں ان کے خلفاء نے اپنے سلسلہ کا کام نہایت تندہی اور محنت سے انجام دیا۔ بعض خلفاء کے نام یہ ہیں۔

۱۔ مولانا سید محمد حسین صاحب امروہوی۔

۲۔ قمر الدین شاہ صاحب۔

۳۔ مولوی صدر الدین عباسی

۴۔ مولانا یار محمد پشاوری (مدفون جودھپور)

۵۔ مولوی امام الدین صاحب پنجاب

۶۔ قاضی امام الدین ساکن سرسہ

۷۔ حکیم سید اشرف علی صاحب کشن گڈھ۔

۸۔ مولانا سیف الدین صاحب شہید

۹۔ سید ریاض الدین صاحب

۱۰۔ نواب حاجی محمد خاں جودھپور

۱۱۔ صاحبزادہ منیر خاں بن نواب میر خاں والی ٹونک

۱۲۔ خان جی الٰہی بخش سیکری
۱۳۔ رسالدار محمد خاں جی قائم خانی بیکانیر
۱۴۔ شیخ محمود۔
۱۵۔ میاں لعل شاہ
۱۶۔ شیخ لعل محمد صاحب فتحپور
۱۷۔ شیخ خدا بخش جاہل سفیدباف فتحپور
۱۸۔ شیخ سلطان شاہ پور میواڑ
۱۹۔ شیخ خدا بخش چوڑی گر ساکن شاہ پور
۲۰۔ شیخ امام الدین ساکن ڈیڈوانہ
۲۱۔ شیخ محمود شاہ درویش
۲۲۔ شیخ پیر بخش قصاب
۲۳۔ شیخ مولا بخش
۲۴۔ شیخ رمضان معمار
۲۵۔ شیخ میراں بخش معمار
۲۶۔ ملا نور محمد پانی پتی۔

مولینا حکیم سیّد محمد حسین صاحب امروہوی

مولینا جید عالم۔ زاہد و عابد بزرگ تھے۔ فلسفہ مشائیہ اور علوم عقلیہ میں مولینا فضل حق خیر آبادی کے، علوم نقلیہ حدیث و تفسیر و فقہ میں مولینا مفتی صدر الدین دہلوی کے شاگرد تھے۔ اور علم طب حکیم امام الدین دہلوی سے حاصل کیا تھا۔ عرصہ تک گورنمنٹ کالج اجمیر میں عربی فارسی کے پروفیسر رہے۔ آخر زمانہ میں ملازمت کی پابندیوں سے آزاد ہو کر اجمیر میں مطب کرنے لگے تھے۔ بڑے تاریخ مشائخ چشت آپکا وصال امروہہ میں ہوا مگر آپکے پیر و مرشد کے قطعہ تاریخ سے آپکا مدفن دہلی ثابت ہوتا ہے

حکیم صاحب نے کتب سماوی کا مطالعہ بڑی گہری نظر سے کیا تھا۔ انجیل و زبور پر کافی عبور تھا۔ علم تصوف سے خاص دلچسپی تھی۔ وحدت الوجود کے قائل تھے اور حضرت امام اکبر کے خیالات کی وضاحت اپنی تصانیف میں کی ہے مدت العمر تصنیف و تالیف کا مشغلہ رہا۔ آپ کی مہتم بالشان تصنیف "تفسیر القرآن" ہے جو ۱۲۹۵ھ میں شائع ہوئی۔ پھر دوبارہ اردو زبان میں غایت البرہان فی تاویل القرآن کے نام سے چھپی۔ آپ کی دیگر تصانیف یہ ہیں۔

۱۔ کواکب دریہ (سید المطابع امروہہ)

۲۔ معراج رسول (مطبع دبدبہ مجبولی)

۳۔ اتمام حجت اسلام در شرح کتاب دانیال علیہ السلام (پرنٹنگ کمپنی اجمیر)

۴۔ حقانیت اسلام (مطبع رضوی دہلوی)

۵۔ تلخیص التواریخ ملقب بہ نزہت دلکشا (مطبع مطلع العلوم۔ مراد آباد)

۶۔ رسالہ الٰہی نامہ (مطبع چراغ راجستھان)

۷۔ درِ نایاب (مطبع چراغ راجستھان)

۸۔ گنجینۂ اسرار انبیا (مطبع نامی پرنٹنگ کمپنی اجمیر)

۹۔ کشف الاسرار (مطبع دار العلوم میرٹھ)

۱۰۔ نگینۂ حکمت در شرح فصوص الحکم حضرت شیخ اکبر (مطبع نولکشور لکھنؤ)

۱۱۔ آفتاب عالم تاب (مطبع عالم تاب پیر حسن رضوی دہلوی)

حکیم صاحب رح نہایت منکسر المزاج اور سادہ طبیعت بزرگ تھے۔ مباحثہ کو نہیں کرتے تھے۔ مریدین میں ان کے داماد مولوی فضل احمد صاحب فریدی غریب بے کس لوگوں کی مدد کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ مشائخ متقدمین کی تصانیف سے گہری دلچسپی تھی۔

مولوی صاحب حضرت نجم الدین صاحب پروانہ فتحپوری نبیرہ حضرت صوفی سلطان التارکین رح کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ نے اپنے صرفِ خاص سے ۱۲۸۶ھ میں اپنے پیر و مرشد کی درگاہ فتحپور میں ایک عالیشان محفل خانہ تعمیر کرایا تھا جس کی تاریخِ تعمیر حضرت پروانہ علیہ الرحمت نے لکھی تھی جو درج ذیل ہے۔

"قطعہ تاریخ"

بفضلِ خدا ایزدِ ذو المنن — مہیا شد ایں خانۂ انجمن

بنا ساخت ایں را برائے سماع — جنابِ حکیم محمد حسن

نسبے عالم و فاضل و دیندار — کہ او راست امروہہ جا و وطن

سیادت پناہ نبسۂ ترکماں ۔۔۔ کہ دہلی مرادر است جائے دفن
بعشق خدا سوختہ جان و دل ۔۔۔ ندیدم کسے مثل او در زمن
زہے شیفتہ بر رخ پیر خود ۔۔۔ فدا ساختہ بہر او جان و تن
بہر حال ایں جائے آید ز شوق ۔۔۔ ز اجمیر آں صاحب علم و فن
مرید مرادست شہ نجم الدین ۔۔۔ خلیفہ سلیمان غوث زمن
الٰہی معرفہ بدارش بفضل ۔۔۔ مرادش بدہ پیر ہن پیراہن

ہزار و دو صد سال و ہشتاد و شش ۔۔۔ سن ہجری ایں مکاں دان من

۱۲۸۶ھ

حکیم صاحب نے دو لڑکے اور تین لڑکیاں چھوڑی تھیں۔ صاحبزادوں کے نام سید عبدالملک صاحب مرحوم اور حکیم سید عبدالرب صاحب ہیں۔ حکیم سید عبدالرب صاحب نظامی قدیم روایات کے حامل اور بڑی خوبیوں کے مالک ہیں۔

قطعہ تاریخ در صنعت توشیح

ذی عزت جناب فدا دہلوی

سنہ ۱۳۸۳ھ

ذی ہنر ذی عقل احساں علم دوست — فکر و کاوش سے لکھی ہے یہ کتاب
کیوں نہ اس کے حرف چمکیں اس قدر — یہ ہے ذکر حق کا اک پر نور باب
رہنمائے راہِ حق ہر ایک لفظ — ضو فشاں ہر نقطہ مثلِ آفتاب
تازگیٔ روح و ایماں کا سبب — ضامن صد بخشش روزِ حساب
اک پیام زندگی دائمی — محفل فردوس کا رنگین باب
جادۂ انسانیت کی راہبر — یہ کتاب کا مگار و کامیاب
جس نے بخشے در بہائے معرفت — رہتی دنیا تک نہیں جس کا جواب
ہر نظر اس کے لئے بے چین ہے — پارہے ہیں اس میں کچھ ایسی ہی تاب
اک طرف تاریخ ہے ناگور کی — اک طرف رازِ حقیقت بے نقاب
نام سے اک ایسے ہی منسوب ہے — کیوں نہ ہو بزمِ جہاں میں انتخاب

منہمک در فکرِ تاریخش بہ جرا
ارمغان زندگی ہست اے فدا
۱۳۸۲ھ

نوٹ :- مصرعہ اولیٰ کے پہلے حروف کے مجموعہ سے ہجری تاریخ "ذکر تاریخ جہاں" نکلتی ہے جسکے اعداد ۱۳۸۳ ہیں اور مصرعہ ثانی کے پہلے حروف کے مجموعہ سے عیسوی تاریخ "فیض ضمیر پاک" نکلتی ہے جسکے اعداد ۱۹۶۳ ہیں۔